بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ
اکرم التفاسیر
وَالْمُحْصَنٰتُ
مولانا
محمد اکرم اعوان
5

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر
اکرم التفاسیر
والمحصنت
مولانا
محمد اکرم اعوان
5

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ.................. پنجم

بار اوّل.................. جنوری 2010ء

تعداد.................. دو ہزار

قیمت.................. Rs 470.00 روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان

ناظم نشرواشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کردوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی' نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے' نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں' یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور استاد المکرّم حضرت مولانا اللہ یار خانؒ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم ومعارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب وکتاب' جنت ودوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہوسکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل وحمل ورسل ورسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم وایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کردیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آگئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہورہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہورہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہورہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر

کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطاوکرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

امیر محمد اکرم

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

صاحب تفسیر امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی

پاک ہے اللہ کی ذات جس کی عظمت و کبریائی اس کی تخلیق سے ہویدا ہے۔ اس پاک ذات کو پہچاننے کے لئے ایمان کا نور چاہیے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے ملتا ہے کہ ساری کائنات کو اللہ کا پتہ دینے والی، اللہ کے روبرو کرنے والی، اللہ سے ہمکلام کرنے والی ذات صرف ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد واسطہ، ذریعہ اور وسیلہ ہیں جن کے ذریعے اللہ کریم اپنے بندوں سے مخاطب ہوا۔ قرآن حکیم کا نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا۔ جس کے بارے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا نزل به الروح الامين علىٰ قلبك (الشعراء آیات 19) قرآنِ حکیم کے نزول کا مقصد طلبِ حقیقی رکھنے والوں کو سامان ہدایت بہم پہنچانا ہے۔ اسی لئے اللہ نے اسے کسی پہاڑ یا درخت پر نازل نہیں کیا بلکہ یہ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ لہٰذا حصول ہدایت کے لئے قرآن کو صرف صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

صحابہ کرامؓ تو اللہ کے وہ بندے ہیں جنہوں نے براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم کو عملاً، علماً اور باطناً سیکھا اور ہدایت کے اعلیٰ مقام کو پاگئے۔ اور امت کے لئے حصول ہدایت کا راستہ متعین کرگئے۔ وہ یہ کہ جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا اُنس حاصل ہوتا گیا وہ قرآن حکیم سے اسی گہرائی اور مضبوطی سے ہدایت پاتا گیا۔

دین کا اولین، بنیادی، حقیقی اور لازمی جزو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جو صاحبِ تفسیر حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی کی ہمہ جہت شخصیت کا غالب ترین پہلو ہے۔ ان کے ہاں علم و عمل خلوص و استغناء، محبت و شفقت، فہم قرآن، رموز دل کا ادراک اور علوم قرآن کا ابلاغ یہ سب اسی محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے سے پھوٹتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کی اس تفسیر میں یہی رنگ غالب ہے اور سچی طلب سے پڑھنے والے کو اسی لذت سے سرشار کرنے والی کیفیات کا حامل ہے۔ حضرت مدظلہٗ العالی بڑے دوٹوک انداز میں نیکی کی شرائط

بیان کرتے ہیں کہ نیکی تب نیکی ہے جب وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر ہو۔ اور خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ اس تفسیر میں جہاں قربِ الٰہی کی سرشاری اور عشقِ مصطفٰے ﷺ کی تڑپ ہے وہاں تمام علمی پہلوؤں کا احاطہ بھی ہے۔ احادیث مبارکہ سے دلائل اور سنتِ مطہرہ کے رموز، فہم صحابہؓ کے ساتھ تطابق اور سوادِ اعظم سے ربط اور تمسک کا التزام ہے۔

صاحبِ تفسیر کا سینہ برکاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے کہ پاس بیٹھنے والا اگر باذوق ہو تو بلا تکلف ان برکات کا انعکاس قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ صاحبِ تفسیر قرآن کے احکام ومسائل اور رموزِ شریعت یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ذہنی سطح رکھنے والا بیک وقت حسبِ استعداد مستفید ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح مستفید ہوتا ہے کہ جہاں اس کا دل ایمان و یقین سے لبریز ہوجاتا ہے وہاں وہ اٹھنے سے پہلے قوتِ عمل کو متحرک پاتا ہے۔ صاحبِ تفسیر کی پُر خلوص اور پُر تاثیر صحبت میں علمی موشگافیوں سے بے نیازی نصیب ہوتی ہے۔ رضائے باری کے لئے عمل کی دھن سوار ہوجاتی ہے۔ ان کے ہاں حاضر ہونے والا ایسی قوت لے کر اٹھتا ہے کہ شریعت پر عمل اس کے لئے انتہائی پُرکشش اور لذت آفرین عمل بن جاتا ہے۔ اور آج کا گناہگار انسان بھی قرآن پر عمل کا حوصلہ پاتا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق سمعنا واطعنا کا مصداق بننے میں کوشاں ہوجاتا ہے۔

صاحبِ تفسیر اس حقیقت کو ہر طالب حقیقی تک پہنچاتے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے نبی علیہ السلام سے محبت سے نہ جڑے اور نتیجتاً نفاق میں مبتلا ہوئے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے خود کو نبی کریم ﷺ سے محبت و ایثار کے رشتے میں پرولیا۔ تو انہیں اخلاص جیسی دولت عطا ہوئی۔ اور خلوص کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود بشری کمزوریوں کے انہیں استقامت دین نصیب ہوئی۔ لہٰذا اصول یہ ٹھہرا کہ کتابِ الٰہی کو سمجھنے اور اس پر خلوص سے عمل کرنے کا مدار ایک ہی بات پر ہے کہ بندے کو رسول اللہ ﷺ پر اعتبار و اعتماد ہو۔ جب یہ اعتبار آجائے تو دین کی پابندیاں مشکل نہیں لگتیں بلکہ زندگی کو آسان کرنے کا نسخہ لگتی ہیں۔ یوں وہ قرآنِ حکیم کے اس اصول کو فہم دین کے لئے شرط قرار

دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کی رسالت قیامت تک کے لئے ہے تو استفادہ کرنے کا اصول بھی قیامت تک وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے۔ اپنے نبی کریم ﷺ سے مضبوطی سے جڑ جانا' خلوص سے جڑ جانا۔

جس طرح صاحبِ تفسیر کی شخصیت باوجود اعلیٰ ترین روحانی کمالات کے حامل ہونے کے عام انسانی زندگی کے مشاغل سے پُر ہے۔ جو کمال کی دلیل ہے۔ اسی طرح ان کے فہم قرآن میں حقیقت پسندی کا رنگ نمایاں ہے۔ وہ سچ کہنے، عملی زندگی کو سچائی کیساتھ گزارنے اور حق کا ساتھ دینے پر شدت سے عمل پیرا ہیں۔ اور اسی حقیقت پسندی کو دلوں پر نقش کرتے ہیں۔ سورہ ال عمران آیت 128 کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''درست فیصلے کرنے کے لئے وظیفوں کی ضرورت نہیں، یقین وایمان کی ضرورت ہے۔ جس قوت کا یقین ہوگا اسی قوت سے عمل ہوگا۔ اس کا بہترین طریقہ اُسوۂ حسنہ میں ہے۔ اللہ کی کتاب پڑھیں اللہ کریم سے خود بات کریں ...... قرآن ہر پڑھنے والے سے مخاطب ہے ...... وہ بتاتا ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنے لئے راستہ اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور تم پر واضح کر دیا ہے کہ تمہارے فیصلے اتنے مؤثر ہیں کہ دنیا کی زندگی سے لے کر ابدالآباد کی زندگی تک محیط ہیں۔ پھر انسان درست فیصلے کیوں نہیں کرتا؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ یقین میں کمی، اس کا علاج کیا ہے؟ دل کو منالو۔ دل کو غذا دو۔ دل زندہ ہو تو اپنے بھلے برے کو پہچانتا ہے۔ اور اس ادراک پر صحیح فیصلے کرتا ہے''۔

اس تفسیر میں حقائق کو بلا کم وکاست بیان کر کے عملِ صالح کرنے اور برائی سے بچنے کی وضاحت ملتی ہے۔ النساء آیات 139 تا 140 کے ضمن میں فرماتے ہیں ''ہمارے ہاں قرآن پڑھنے والوں کا یہ رواج ہو گیا ہے کہ جب کفار و منافقین کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ہم انہیں عہدِ رسالت کے کفار و منافقین پر چسپاں کر کے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور جب کوئی آیۃ کریمہ مومنین کے بارے میں پڑھی جاتی ہے تو اسے ہم صحابہ کرامؓ سے مخصوص کر کے خود الگ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کا نزول اگرچہ خاص مواقع پر ہوا لیکن ان آیات کا اطلاق اور احکام

کا نفاذ عام ہے۔ اور قیامت تک کے لئے ہے''۔

صاحبِ تفسیر کا فہم قرآن ان کے عملِ بالقرآن کا غماز ہے۔ وہ ایک طرف ''اشد حباً للہ'' پر عمل پیرا ہیں اور دوسری طرف زندگی کے کسی پہلو کو تشنہ چھوڑتے نظر نہیں آتے۔ دیانتداری اور اعلیٰ کاروباری اصولوں پر کام کرتے ہیں۔ اور کام میں پوری طرح متوجہ اور چاق و چوبند ہوتے ہیں۔ دن بھر کی مصروفیتوں میں جسم و جان کو راحت و آرام دینا تا کہ کام کے وقت کام اور عبادت کے وقت عبادت اچھی طرح ہو سکے۔ پر پورے نظم و ضبط سے قائم رہتے ہیں۔ یوں وہ قرآن کے احکامات کو عمل میں آسانی کا سبب گردانتے ہیں۔ وہ تفسیر میں اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ قربِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حامل حقیقت پسند ہوتا ہے۔ اسے نہ صرف شعور آخرت عطا ہوتا ہے۔ بلکہ شعور دنیا بھی بہت بہتر حاصل ہو جاتا ہے۔ یوں وہ ایک متوازن اور معتدل زندگی گزارتا ہے۔ اس کی نگاہ اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کے امور انجام دیتے ہوئے آخرت پر مرتب ہونے والے اثرات کو اسی دنیا میں محسوس کرتا ہے۔ اسے یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ حقیقی عزت وہ ہے جو میدانِ حشر میں نصیب ہو گی۔ اور حقیقی رسوائی وہی ہے جو آخرت کی ہے۔

صاحبِ تفسیر ایک نہایت لطیف لیکن اتنے ہی اہم نکتے کو نہ صرف بیان کرنے میں ملکہ رکھتے ہیں بلکہ قلوب میں انڈیلنے کا فن بھی جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو ان میں موجزن کیفیات، یقین و ایمان کے ساتھ حاصل کیا جائے تو وہ انسانی سوچ کو اتنا متاثر کرتی ہیں، انہیں اتنی مضبوط تبدیلی فکر عطا کرتی ہیں جس سے ان کا کردار تبدیل ہو جاتا ہے۔ انہی کیفیات کو انہوں نے اپنے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خان ؒ کی صحبت میں حاصل کیا۔ اور انہی برکات کی تقسیم اُن کا فرضِ اولین ہے۔ حصولِ کیفیات و حصولِ برکات کی بنیاد عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ہے۔ محترم و معزز مفسرین کرام نے اس موضوع کو بڑی عرق ریزی سے دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ لیکن جس سادگی سے اور عام فہم انداز میں حضرت مدظلہٗ العالی نے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔ یہ سعادت انہی کا حصہ ہے۔ اٰل عمران آیت 101 کے ضمن میں فرماتے ہیں ''وفیکم رسولہٗ'' فرمایا تم کیسے بھٹک سکتے ہو۔

جب کہ تمہارے درمیان میرا رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ وفیکم رسولہٗ سے مراد ذات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ جو ہمیشہ اسی حال پر رہے گی۔ خواہ وہ دنیا میں جلوہ افروز ہو یا برزخ میں...... فیکم رسولہٗ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات رہتی دنیا تک ختم نہیں ہوں گی۔ میرا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے اندر تمہارے دلوں میں آباد رہے گا۔ حیرت ہے کہ اسی آیت کو بنیاد بنا کر کسی نے اسے محض استعارہ قرار دے دیا اور کسی نے اس سے حاظر و ناظر کا عقیدہ گھڑ لیا...... اس کا سیدھا معنی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت کی جملہ برکاتِ نبوت ساری کی ساری موجود ہیں......''

صاحب تفسیر کی شخصیت میں جہاں غیر معمولی وسعت ہے وہاں اتنا ہی عمق بھی ہے۔ اس کے باوجود آپ کا انداز پُر تکلف عبارت آرائی سے پاک ہے۔ بلکہ فصاحتِ بیان اور سادگی آپ کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ یہ تفسیر چونکہ ان کے خطابات پر مبنی ہے اس لئے خطابیہ آہنگ نمایاں ہے۔ آپ کے دردِ دروں کے باعث پڑھنے والوں کو فہمِ قرآن کی وہ حرارت نصیب ہوتی ہے جو حق کے طالب کو ارشاداتِ الٰہی پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔

اس تفسیر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ حصولِ ہدایت کو نہایت سہل اور آسان بنانے کے لئے قرآن حکیم کے اصولوں کو نہایت قابلِ عمل انداز میں اجاگر کرتی ہے۔ مثلاً یہ کہ قرآنِ حکیم جہاں مرض کی نشاندہی کرتا ہے وہاں اس کا شافی علاج بھی بتاتا ہے۔ جب انسان دوسرے انسانوں کے روّیوں سے مضمحل ہو جائے۔ اس کی قوت برداشت جواب دینے لگے۔ تو قرآنِ حکیم وہ حل تجویز کرتا ہے جس سے ہر شخص اپنے مسائل کو لمحوں میں حل کر سکتا ہے۔ صاحبِ تفسیر کا کمال ہے کہ وہ مسائل کے حل کے قرآنی اصول بہت واضح مثالوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ خواہ وہ مسائل خانگی زندگی کے ہوں یا قومی و ملکی سطح کے۔ وہ عذابوں سے نکلنے کا وہ راستہ واضح کرتے ہیں جو قرآن کا متعیّن کردہ ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ میں توبہ، اصلاحِ احوال اور تلافی۔ عہدِ حاضر کی دہشتگردی ہو یا معاشی و معاشرتی مسائل تمام عذابوں سے نکلنے کا حل ایک ہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں

''اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں، گذشتہ کی معافی چاہیں، آئیندہ سے اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عہد نبھائیں، اس ہستی سے وفا کر جائیں جس نے صدیوں پہلے ہم سے محبت کی، جو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی اللہ سے ہماری بخشش طلب کر رہی تھی۔ ہمارا وجود نہیں تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے آنے والوں کے لئے بخشش کی دعائیں فرمائیں۔ جس ہستی نے ہم سے اتنی محبت کی اسے ہم جواباً کیا دے رہے ہیں؟ کیا ہمیں احساس ہے!''

جتنا صاحبِ تفسیر کی شخصیت کو بیان کیا جائے گا اتنا ہی اس خاکے کے رنگ ابھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ ذہانت، شگفتگی، کھرا پن، شجاعت اور عزم وہمت ان کی شخصیت کے بنیادی عناصر ہیں۔ جو اللہ کریم نے ان کے خمیر میں ڈالے۔ ان پر اُن کے شیخ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہ مبارک پڑی اور برکاتِ نبوت ﷺ نے انہیں صیقل کر دیا۔ دراصل تمام جزئیات کی تکمیل ہی کمال ہے اسی لئے ان کی زندگی جامع زندگی ہے۔ ہر پہلو بہت نفاست سے جڑا نگینہ ہے۔ شکار جہاں ان کا مشغلہ رہا ہے وہاں رزقِ حلال کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ ظاہر ہے ایک شکاری مضبوط جسم کا مالک ہوتا ہے۔ نشانہ بازی، چستی، حاضر دماغی اور لگن سے محنت اس مشغلے کے لوازم ہیں۔ یہ شوق انہیں ہمالہ کی ترائی میں لے جا چکا ہے اور برفانی شیر کا شکار کر چکے ہیں۔

جنگلوں میں گھومنا اور حسنِ فطرت سے مستفید ہونے کے علاوہ نوادرات اکٹھے کرنا بھی ان کے مشاغل میں سے ایک ہے۔ سیاحت بھی ان کا من پسند شوق ہے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ہر شوق کا انہوں نے بہترین مصرف رکھا ہے۔ مثلاً شکار محض جانور مارنے کے لئے نہیں بلکہ حلال گوشت کے حصول کے لئے، بہترین ورزش کے لئے، جہاد کی تیاری کے لئے اختیار کیا ہے۔ سیاحت لوگوں کو دعوتِ دین اور قربِ الٰہی کے راستوں پر گامزن کرنے کے لئے اختیار کی ہے۔

کاشتکاری اور کان کنی ان کے ذرائع آمدن ہیں۔ وہ دیانتداری کے علاوہ کاروباری طریقوں میں جدت پسندی کے قائل ہیں۔ بہت اچھے منتظم ہیں۔ وافر وسائلِ زندگی حاصل کرنے کے لئے

محنت کرتے ہیں۔ لیکن دولت جمع کرنے کے لئے نہیں۔ اللہ کی مخلوق پر خرچ کرنے کے لئے جہاں وہ علاقے بھر کے لوگوں کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، سارا سال دارالعرفان آنے والوں کی خدمت پر خرچ کرتے ہیں، وہاں اپنے ذاتی شوق کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اپنے اہل وعیال، خاندان و برادری کی کسی ضرورت کو کبھی تشنۂ نہیں چھوڑتے۔ گھریلو اور خانگی امور میں نہایت باریک بینی سے ہر فرد کی افتادِ طبع کے مطابق اس کے ذوق کی تسکین کا سامان کرنے والے ہیں۔ وہ محبت وشفقت کے سمندر لٹانے والے شوہر، والد، بھائی اور بیٹے ہیں۔ کنبے اور قبیلے کے نگہبان ہیں۔ تو سب سے بڑھ کر اُمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا راستہ دکھانے میں دردمندی کے ساتھ جہدِ مسلسل میں مصروف ہیں۔ یہ واقعی مقامِ حیرت ہے کہ اُن کے پاس بھی دن رات کے چوبیس گھنٹے ہی ہیں۔ جس میں وہ اتنے شعبوں میں اتنا ہمہ گیر معمول جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور باقی تمام لوگوں کے پاس بھی یہی چوبیس گھنٹے ہیں۔ اور کیا معمولات زندگی ہیں! دراصل اُن کے اوقات میں برکت کا واحد سبب عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقی نشو ونما اور روحانی ارتقاء کے میدان میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لئے بھی کوشش اور جدوجہد کا میدان کھلا رکھا ہے۔ وہ بھی اللہ کی اطاعت اور برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پانے کے لئے محنت کرنے کے لئے شرعی اصولوں کی پاسداری کے ساتھ محنت ومجاہدہ کرسکتی ہیں۔ اور یہ وہی آزادی ہے جو حضرت خولہ بنتِ ثعلبہؓ کو اپنے حق کے حصول کے لئے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری نصیب کرتی ہے۔ اور بارگاہِ الوہیت سے سورہ مجادلہ کی آیات کا نزول ہوتا ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والی اُم عمارہؓ ہیں۔ جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اُحد کے دن جدھر نگاہ جاتی تھی۔ اُم عمارہؓ ہی نظر آتی تھیں۔

حضرت مدظلہٗ العالی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں کہ ''خواتین ریاست کا ستون ہیں۔ اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہے۔ اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی''

بلا شبہ آپ مدظلہٗ العالی نے حضور اکرم ﷺ کی سنت کا احیاء کیا ہے۔ اور اس زمانے کی خواتین کے لئے تزکیہ و تربیت کی کٹھن راہوں کو اپنی شفقت و محبت سے آسان کر دیا ہے۔ قربِ الٰہی اور عشقِ نبی کریم ﷺ جیسی نعمتوں تک رسائی ان کے لئے بھی ممکن بنائی ہے۔ بلا شبہ ان کا یہ احسانِ عظیم اُمت کی ماؤں اور بیٹیوں پر بہت گہرے اور دور رَس اثرات مرتب کرے گا۔ مستقبل قریب کا دور انہی ماؤں کی آغوش میں پلنے والی نسل کا دور ہے۔ جو اپنی گھریلو مصروفیات کو بخوبی انجام دیتے ہوئے فنافی الرسول کی حامل ہیں۔ جن کے لبوں سے پھوٹنے والے درود و سلام کے نغمے ان کے بچوں کے دلوں کی دھڑکنوں میں سما جاتے ہیں۔ جن کے انواراتِ الٰہیہ سے روشن وجودوں کے لمس سے ان کے بچوں میں عشقِ الٰہی اور اتباعِ نبوی ﷺ کا جذبہ سرایت کر رہا ہے۔ یہ دور طلوع ہو چکا ہے۔ اس کے لئے طالع اور طالعات تربیت کے مراحل میں ہیں۔ آنے والا زمانہ خواتین کے ان قافلوں کے دیکھے گا۔ جو صحابیاتؓ کے پاکیزہ کردار کے نقوش پر قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے کوشاں ہوں گی جن کے پیشِ نظر اہلیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت اُم رومانؓ جیسی صحابیہ کا اُسوہ ہوگا۔ جنہوں نے حضرت عائشہؓ جیسی بیٹی کی تربیت کی۔ اور جن کی اسلام کے لئے قربانیوں کی تعریف خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی۔ حضرت مدظلہٗ العالی انہی خطوط پر دور حاضر کی خواتین کی تربیت فرما رہے ہیں۔ خواہ وہ خواتین فی الوقت کسی دور افتادہ دیہات میں بیٹھی، اپنے شب و روز ذکرِ الٰہی اور اطاعتِ الٰہی میں بسر کر رہی ہیں اور معمولاتِ زندگی میں اتباعِ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھے ہوئے ہیں یا دیارِ غیر میں رہ کر مغربی تہذیب کی غیر پاکیزہ فضا کو برکاتِ نبوی ﷺ کے ذریعے پاکیزہ کرتی نظر آ رہی ہے۔ ماحول کو اسلامی بنانے کے لئے برکاتِ نبوت ﷺ کی ترویج کو ذریعہ بنا کر حضرت مدظلہٗ العالی نے تعلیمات و برکات پہنچانے کے لئے ملک اور بیرون ملک الاخوات کے نام سے مراکز تزکیہ و تربیت قائم کر رکھے ہیں۔ جو ہر جگہ متحرک و فعال ہیں۔ ہر کام مرکز سے وابستہ رہ کر مکمل نظم و ضبط سے کیا جاتا ہے۔ گھریلو خاتون کو ڈسپلن کا پابند کرنا ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن اسے اخلاص جیسی دولت نے آسان کر رکھا ہے۔

حضرت مدظلہٗ العالی کی دور اندیشی اور پیش بینی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے صقارہ سکول اور کالج کے نام سے ایسی تربیت گاہیں تیار کی ہیں جہاں اسلامی خطوط پر تربیت کی جاتی ہے۔ صقارہ نظامِ تعلیم میں قدیم اور جدید علوم کو سائنس اور کمپیوٹر کے ذریعے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔ نصابِ تعلیم میں تزکیہ و تربیت کو نمایاں مقام دیا گیا ہے۔ اسی طرح طریق تدریس میں جدّت پیدا کی گئی ہے اور عہدِ حاضر کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مسلسل محنت اور خالص رضائے الٰہی کے لئے محنت خود ان کا اپنا شعار ہے۔ اور یہی ان کے شاگردوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ وہ ہر ایک کو جہدِ مسلسل کا پیغام دیتے ہیں فرماتے ہیں ''بارش کے قطرے برس کر بظاہر ختم ہو جاتے ہیں لیکن حقیقتاً ختم نہیں ہوتے۔ آنے والوں کو نوید سنا جاتے ہیں کہ پیچھے کوئی آ رہا ہے۔ انسان کا پُرخلوص عمل کبھی ضائع نہیں جاتا آنے والے اس کام کو پورا کر جاتے ہیں''

سچ فرمایا حافظ عبدالرزاق مرحوم و مغفور نے کہ ''ایک صاحبِ دل رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل صحبت نے حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی کے قلب کو رموز و اسرارِ قرآن سے وہ نسبت عطا کر دی جو براہِ راست خفتہ دلوں کو بیدار کرنے اور غافل دلوں کو ہوشیار کرنے اور یادِ الٰہی سے آشنا دلوں میں محبت الٰہی کو مستحکم و استوار کرنے میں ممد و معاون ہے۔''

اور اکرم التفاسیر نے ثابت کر دیا ہے کہ مفسر قرآن مدظلہٗ العالی کا اپنا قول خود ان کی تفسیر پر کتنا صادق آیا ہے کہ ''شعور عظمت الٰہی شعور عظمت رسالت ﷺ کا مرہونِ مِنّت ہے''

ربّنا تقبل منا انك انت السميع العليم

عنبریہ مدنی

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط
اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۳۲﴾

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُ

پارہ 5 والمحصنٰت

سورۃ النساء   آیات 24 تا 25   رکوع 4

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۴

اور شوہر والی عورتیں تم پر (حرام ہیں) مگر جو کہ تمہاری مملوک ہو جائیں (وہ حرام نہیں) اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔ اور

ان عورتوں کے سوا اور سب عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں بشرطیکہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے چاہو (نکاح کرلو) اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ صرف مستی ہی نکالنا مقصد نہ ہو پھر جس طریق سے تم ان عورتوں سے فائدہ حاصل کرو تو ان کو ان کے مہر دو جو کچھ مقرر کر چکے ہو اور مقرر ہونے کے بعد بھی جس پر تم باہم رضا مند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں ۔ ﴿۲۴﴾ اور جو شخص تم میں پوری وسعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرلے اور تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو۔ سو ان سے نکاح کرلیا کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور ان کو ان کے مہر قاعدہ کے موافق دے دیا کرو اس طور پر کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں نہ تو اعلانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں ۔ پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنائی جائیں پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا سے نصف سزا ہو گی ۔ جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے ۔ یہ (باندیوں سے نکاح کی اجازت) اُس شخص کے لیے ہے جو تم میں زنا کا اندیشہ رکھتا ہو اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے (بہ نسبت نکاحِ کنیز کے) اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں بڑے رحمت والے ہیں ۔ ﴿۲۵﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

نکاح کے حوالے سے حرمت والے رشتوں کو بیان کیا گیا پھر ان خواتین کا ذکر آیا جن سے نکاح شرعاً جائز ہے۔ پھر فرمایا وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ شادی شدہ عورتوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ہاں مملوکہ خواتین سے نکاح جائز ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام فرض کر دیئے ہیں۔ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ جو ممنوعہ رشتے ہیں یا محرمات ہیں ان کے علاوہ کسی بھی خاتون سے نکاح جائز ہے جو نکاح والی نہ ہو یعنی شادی شدہ نہ ہو۔

نکاح کی دو واضح شرائط:

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ دو واضح شرائط ہیں۔ایک مہر ادا کرنا اور دوسرا یہ کہ نکاح محض شہوت رانی کے لئے نہ ہو بلکہ مل کر ایک خاندان بنانے کے لئے ہو۔نکاح ایک دائمی معاہدہ ہے جو توڑا نہیں جا سکتا۔ جس کے توڑنے کے لئے بہت بڑی وجہ چاہئے اور نکاح کا توڑنا نہایت ناپسندیدہ فعل ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ ان میں سے جن عورتوں سے استفادہ کرنا چاہو تو ان کو اپنی بیویاں بنالو۔ان سے خلوت صحیحہ ہو جائے فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ تو ان کا مقررہ مہر ادا کر دو اس لئے کہ مہر ادا کرنا فرض ہے۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ مہر مقرر ہونے کے بعد میاں بیوی اپنی پسند سے اس میں کمی یا زیادتی کرلیں تو کوئی حرج نہیں۔خاوند گھٹا نہیں سکتا، بڑھا سکتا ہے، بیوی بڑھا نہیں سکتی، کم کر سکتی ہے۔لیکن باہمی رضامندی سے چاہیں کم کرلیں، چاہیں بڑھا لیں اس کی اجازت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ بے شک اللہ کریم جاننے والے حکمت والے ہیں۔

باندیاں اور مملوک خواتین:

وہ خواتین جو جنگ میں مقابل آتی ہیں اور فاتح قوم گرفتار کر لیتی ہے انہیں مملوکہ کہتے ہیں۔انسانی تاریخ کے بارے میں یہ مقولہ درست ہے کہ انسانی تاریخ جنگوں کی کہانی ہے۔ جب سے انسان زمین پر آباد ہوا لڑائی ہوتی چلی آ رہی ہے۔آدمؑ کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کیا تب سے اب تک انسان، انسانوں کو قتل کرتے چلے آئے ہیں۔ ہر نبیؑ نے اپنے عہد میں اللہ کی یہ ہدایت انسانوں تک پہنچائی کہ زندگی دینا اللہ کا کام ہے اس لئے اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو قتل کرنا درست نہیں۔ جو کسی کو جان بخش نہیں سکتا اسے کسی کی جان لینے کا حق نہیں لہٰذا اپنی خواہشات کے لئے کسی کی جان نہ لی جائے۔

نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو چھٹی، ساتویں صدی کا سنگم تھا۔پوری دنیا انفرادی چپقلشوں اور گروہی فسادات اور ملکی جنگوں کی لپیٹ میں تھی۔افراد، افراد سے لڑتے تھے، بھائی، بھائیوں کے گلے کاٹتے تھے قومیں، قوموں سے اور ملک، ملکوں سے برسرپیکار تھے۔اس وقت کا نقشہ قرآن حکیم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ كنتم اعدآءً لوگو! تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تمہارے درمیان رشتہ صرف دشمنی کا تھا حالانکہ

لفظ انسان تو انس سے بنا ہے۔ انس یعنی محبت، دوستی ایک دوسرے کی بھلائی لیکن مفادات کی رو میں بہہ کر خواہشات کی تکمیل میں انسانوں نے دنیا میں ہمیشہ تباہی مچائی، قتل عام کیا۔ آج پھر دنیا جنگ کی نذر ہو چکی ہے۔ ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ قیام امن کے لئے لڑ رہے ہیں لیکن مقصد قیام امن نہیں ہے اور نہ ہی مقصد احقاقِ حق ہے۔ دراصل جنگ کبھی قیام امن کا سبب نہیں بنتی آگ سے آگ بجھتی نہیں مزید بھڑکتی ہے۔

اسلام میں جنگ نہیں ہے:

حضور ﷺ کی بعثت نے سرے سے جنگ کا وجود ہی ختم کر دیا۔ اسلام میں جنگ کے بجائے جہاد ہے۔ جہاد اسلام کا پیش کردہ تصور ہے۔ جہاد اور جنگ میں بہت فاصلہ ہے۔ جہاد صرف اللہ کی منشاء کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ جہاں ظلم ہوتا ہو اسے روکنے کے لئے، انصاف کی بالادستی کے لئے، لوگوں کو ان کے حق دلانے کے لئے ان لوگوں سے جہاد کیا جاتا ہے جو لوگوں کے حقوق چھینتے ہیں، جو لوگوں پر ظلم روا رکھتے ہیں۔ جنگ کا مقصد مفادات کا حصول ہے اور اس کے کچھ بھی اصول وضوابط نہیں ہوتے۔ اس میں اخلاق کی کوئی رعایت نہیں ہوتی بلکہ ہر طرح کا جبر روا رکھا جاتا ہے۔ اسی لئے اہل مغرب کا قول ہے کہ جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔ عہد جاہلیت میں بھی جنگ میں یہی کچھ روا رکھا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کی منظر کشی کچھ یوں کی ہے۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ

(النمل آیت 34) جب کوئی فاتح کسی شہر میں داخل ہوتا ہے۔ افسدوھا ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ اور شرفاء کو رسوا کر دیتا ہے، وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ تو جنگوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن بہت بڑی زیادتی ہے جو مفتوح اقوام کے ساتھ ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ ان کے افراد قتل کر دیئے جاتے تھے، مال لوٹ لیا جاتا تھا اس کے بعد ان پر دنیا کا ہر ظلم روا رکھنا جائز سمجھا جاتا۔

اسلام نے جنگ کو روک کر جہاد کا یہ تصور دیا:

کوئی شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسروں سے نہیں لڑ سکتا کسی بھی لالچ کے تحت کوئی دوسروں سے نہیں لڑ سکتا ہاں ظلم کو روکنے، زیادتی کو روکنے کے لئے ہاتھ پکڑنا جہاد ہے۔ اگر وہ زبان سے رک جائے تو بہتر ہے ورنہ اسے تلوار سے اور طاقت سے روکا جائے گا اور طاقت سے روکنے کی بھی ہر کسی کو اجازت نہیں ہر کوئی اسلحہ اٹھا کر جہاد پر نہیں نکل سکتا اس کے لئے اسلامی حکومت کا ایک ادارہ ہونا ضروری ہے جو مسلمانوں کے قومی، ملکی امور کی نگہداشت کرتا ہو۔ جسے یہ حق حاصل ہو کہ وہ جہاد کا حکم دے سکتا ہو۔ ہر بندے کا اپنی رائے سے اپنی مرضی سے کسی پر چڑھ دوڑنا جہاد نہیں۔ جو شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے یا حصولِ

زر کیلئے دوسروں پر جنگ مسلط کرتا ہے یا کسی کو لڑنے کی ترغیب دیتا ہے تو یہ جہاد نہیں ۔ جہاد مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جہاد میں تمام اخلاقی اقدار کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جہاد میں مفتوحہ قوم کے وہ لوگ جو مقابل نہیں آتے انہیں ہرگز نہیں چھیڑا جاتا۔

اقوام عالم کا باندیوں سے سلوک:

اقوام عالم میں جو جنگیں ہوتی تھیں وہ صرف لڑنے والوں سے ہی نہیں کی جاتی تھیں بلکہ شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک اجاڑ دیئے جاتے تھے۔ معصوم شہریوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا تھا۔ ان کے گھروں میں لوٹ مار کی جاتی اور ان کی خواتین کی آبروریزی کی جاتی تھی۔ زیادہ دور نہ جائیں قریب ہی کی تاریخ پڑھ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ جنگ کیا تھی؟ انگریزوں نے جب برصغیر پر قبضہ کیا دہلی فتح کیا دوسرے علاقے فتح کئے تو کیا کیا جبر، زور وظلم تھا جو روا نہیں رکھا۔ آج ہندو قابض افواج کشمیر میں کیا کر رہی ہیں؟ کس بے دردی سے عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوسنیا اور کوسوا میں جو ہوتا رہا وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ حملہ آور اور فاتح افواج مفتوحہ قوم اور ان کی خواتین کا کیا حشر کرتی ہیں!

اسلام میں باندیوں اور کنیزوں کا تصور کیا ہے:

اسلام نے اس نازک مسئلے کو بہت خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ اسلام اللہ کا عطا کردہ قانون ودستور ہے۔ اس میں فاتح اور مفتوح دونوں کی بحیثیت انسان ایک حیثیت ہے۔ اسلام نے پہلا اصول یہ دیا کہ جو جنگ میں حصہ نہیں لیتا اس سے تعرض نہ کیا جائے، کسی کو مذہبی بنیاد پر نہ چھیڑا جائے، تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے۔ چراگاہوں کو پامال نہ کیا جائے، کھیتوں کو تباہ نہ کیا جائے، زراعت کے نظام کو معطل نہ کیا جائے، درخت نہ کاٹے جائیں، پانی کے وسائل اور ذخائر کو آلودہ نہ کیا جائے۔

جو لوگ اللہ کی نافرمانی پر ڈٹے ہوں ان کی سرکوبی کرنے والی مسلمان افواج کے مقابل جو قوم آئے اس سے اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کیا جائے اور انہیں ظلم سے باز رکھنے کے لئے ان سے لڑائی کی جائے پھر جو لوگ اللہ کی فوج کے مقابل آئیں اور انہیں شکست ہو تو ان کے افراد کو قیدی بنایا جائے۔ گرفتار ہونے والے یا مرنے والوں کے بیوی بچوں کی آزادی سلب ہو جائے گی۔ اب وہ اسلامی افواج کے ماتحت ہوں گے۔ ان کی آزادی سلب ہو جائے گی اور وہ غلام تصور ہوں گے۔ غلاموں سے بھی ان کی مذہبی آزادی سلب نہیں ہوگی۔ جس مذہب پر رہنا چاہیں رہیں اس میں وہ آزاد ہوں گے۔ کوئی اپنی مرضی سے مسلمان ہونا چاہئے تو درست ہے ورنہ جبراً کسی کو مسلمان نہیں کیا جاسکتا۔ انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی دی جاتی

ہے۔اگر میاں بیوی دونوں قید ہوئے تو دونوں غلام ہو جائیں گے لیکن آپس میں میاں بیوی ہی رہیں گے اور بیوی اپنے شوہر کے پاس ہی رہے گی۔اگر کسی عورت کا خاوند قتل ہو گیا اور وہ قید ہو گئی تو وہ کنیز بن جائے گی۔ چونکہ اسکی آزادی سلب ہو چکی ہے لہٰذا وہ مالِ غنیمت میں تقسیم ہو کر کسی مجاہد کے حصے میں آئے گی۔اس کے لئے وہ باندی یا کنیز ہو گی اور اس شخص پر بغیر نکاح کے حلال ہو گی۔جس کی وہ مملوکہ ہو گی وہ شخص اس کے نان ونفقہ کا پورا ذمہ دار ہو گا دیگر غلاموں کے بارے بھی حضور ﷺ کا فرمان ہے ''جو خود کھاؤ انہیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنو انہیں بھی پہناؤ اور انہیں کوئی ایسا کام کرنے کو مت کہو جو ان کے بس سے باہر ہو'' قیدی عورتوں کو کنیزیں بنانا، ایک ہی مرد کے ماتحت کر دینا، عورتوں پر ظلم نہیں۔قیدی ہونے کی صورت میں ان کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے۔وہ عورتیں جن کے خاوند جنگ میں مارے جاتے ہیں اور وہ گرفتار ہو جاتی ہیں تو انسانی فطرت اور مزاج کا تقاضا ہے کہ وہ کسی ایک آدمی پر حلال ہوں نہ یہ کہ غیر مسلم معاشرے کی طرح ہر کوئی ان پر دست درازی کرے۔اسلام میں قیدی خاتون کو کنیز کا درجہ دے کر اس کے حقوق بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔ان کے تمام انسانی حقوق سوائے آزادی کے بحال رکھے جائیں گے۔اول یہ کہ جس کے حصے میں وہ مال غنیمت کے طور پر آئی ہیں صرف اسی شخص کی مملوکہ ہیں۔اس کی ملکیت ہیں۔ملکیت میں بیچنے اور تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔لیکن ہر صورت میں وہ صرف اس مرد کے لئے حلال ہوتی ہے۔جس نے اسے خریدا ہے۔یہ حکم ان عورتوں کے لئے ہے جو مسلمانوں کے مقابل لڑائی میں شامل ہوتی ہیں اور گرفتار ہوتی ہیں۔گھروں میں بیٹھے بیٹھے لڑکیوں کو اغواء کر کے بیچنا۔ یا والدین کا غربت کے ہاتھوں تنگ آ کر بیچ دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔اس طرح خرید وفروخت کر کے باندی یا کنیز بنانا حرام ہے۔

خلفائے راشدین کے عہد میں ہی تمام غلام آزاد ہو گئے:

جنگ میں قید ہو جانے والے افراد غلام اور باندی بنائے گئے لیکن اسلام میں صرف باندیاں، کنیزیں یا غلام بنائے رکھنے پر ہی زور نہیں دیا بلکہ قدم قدم پر، ہر موقع پر، بات بات پر، غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے کی اتنی ترغیب وتحریص دلائی گئی۔کفارے ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی تلقین کی گئی۔ محض حصول رضائے الٰہی کے لئے غلام آزاد کرنے کو اجر وثواب کا موجب ٹھہرایا گیا۔اور اس کام کی اتنی ترغیب دی گئی کہ بالآخر خلفائے راشدین کے عہد میں ہی کوئی غلام باقی نہ رہا۔تمام غلام اور کنیزیں رہا کر دیئے گئے۔سو فرمایا محرمات کے سب احکام اللہ کی طرف سے اس کے فیصلے ہیں اور مسلمانوں کے مقابل آنے والی شادی شدہ عورتوں کے حربی شوہر جو دار الحرب میں ہوں یا مارے گئے ہوں وہ عورتیں ایک طہر کے

بعد یا وضع حمل کے بعد کسی ایک مسلمان پر حلال ہوں گی۔ اللہ تعالی نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے۔

ان محرمات کے علاوہ تمام مسلمان عورتیں مسلمان مردوں پر حلال ہیں۔ اگر وہ حق مہر ادا کر کے زندگی گزارنے کے لئے نکاح کریں۔ محصنین غیر مسٰفحین نکاح کا مقصد ایک خاندان بنانا ہو محض شہوت رانی نہ ہو۔

متعہ حرام ہے:

محض شہوت رانی کے لئے نکاح جائز نہیں۔ چار دن، دو گھنٹے، ایک ماہ کا نکاح جائز نہیں نکاح ہمیشہ ساتھ نبھانے اور ایک خاندان پروان چڑھانے کی نیت سے کیا جانا ضروری ہے۔ عہد جاہلیت میں متعہ النساء ایک رواج تھا اکثر عرب سفر میں رہتے تھے۔ تجارت پیشہ تھے اور دور دراز علاقوں، شہروں میں مال لے کر جاتے تھے اور مہینوں وہاں ٹھہرتے تھے۔ اس مدت میں رقم دیکر مقررہ مدت کیلئے نکاح کر لیتے۔ اس مدت کے ختم ہونے پر نکاح بھی ختم ہو جاتا۔ اگر اس میں سے اولاد ہوتی تو اس کا نسب ثابت نہ ہوسکتا۔ اسلام نے متعہ کو حرام قرار دے دیا کہ مجہول النسب لوگ پیدا نہ ہوں۔ اسلام نے نسب کو قائم رکھنے کے لئے اس حد تک احتیاط کی ہے کہ باندی اگر حاملہ نہ ہو تو بھی وہ ایک طہر کے بعد حلال ہوتی ہے اور حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد حلال ہوتی ہے۔ جب اس حد تک نسب کی پاکیزگی کا خیال رکھا گیا ہے تو متعہ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ جبکہ متعہ میں ایک خاتون کئی کئی بار مقررہ مدت کے لئے متعہ کر لیتی ہے۔ اس طرح اسکا نسب کہاں ثابت ہوگا لہٰذا یہ کہنا کہ پہلے اسلام میں متعہ جائز تھا درست نہیں۔ یہ عہد جاہلیت کی ایک رسم تھی بالکل ایسے جیسے شراب پینا عہد جاہلیت کی رسم تھی۔ شرفاء اس دور میں بھی نہیں پیتے تھے۔ خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ میں سے کسی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے عہد جاہلیت میں بھی شراب نوشی کی ہو، اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی حرمت کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آکر نازل ہوا۔ اس بارے یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ پہلے شراب جائز تھی پھر حرام کر دی گئی۔ یہ کہا جانا چاہئے کہ شراب نوشی عہد جاہلیت کی رسم تھی جو وقت آنے پر اسلام نے حرام قرار دے دی اس طرح متعۃ النساء بھی جاہلیت کی ایک رسم تھی جو وقت آنے پر اسلام نے حرام قرار دے دی۔ اور تاکید کی کہ مرد اور عورت کا نکاح بقائے نسل انسانی اور تحفظ نسب کے لیے ہے۔ صرف شہوت پوری کرنے کے لیے نہیں ہے۔

حق مہر کی حکمت:

نکاح کے ساتھ مہر کو اللہ کریم نے ضروری قرار دیا ہے۔ اس میں اور حکمتوں کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نکاح کے بعد لڑکی خاوند کے گھر میں مالکہ کی حیثیت سے جائے مہمان کی حیثیت سے نہ جائے، چونکہ وہ زندگی بھر کے لیے اس خاندان میں شامل ہو رہی ہے۔ لہٰذا اس کی بھی ملکیت ہونی چاہیے۔ اسے نکاح کے

لیے فرض کر دیا گیا کہ نکاح کے وقت اس کی تعین کر دی جائے۔شریعت نے اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی لیکن اتنا ہونا ضروری ہے کہ جتنا اس خاندان کی حیثیت ہے اور جسے مال کہا جا سکتا ہو۔حق مہر کی ادائیگی خاتون کو گھر کا فرد بننے کا احساس دیتی ہے لہٰذا مرد کے ذمے ہے کہ وہ خوش دلی سے ادا کرے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً جب تم ان سے استفادہ کرتے ہو تو پھر حق مہر ادا کرو۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ مہر مقرر کر لینے کے بعد میاں بیوی باہمی رضا مندی سے اسے کم یا زیادہ کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اللہ کریم سب باتیں جانتے ہیں اور ان کی حکمتیں بہت بڑی ہیں۔اللہ کریم کو علم ہے کہ کون خلوص نیت سے گھٹا بڑھا رہا ہے۔ اور کون بدنیتی سے ایسا کر رہا ہے یہ سب باتیں اللہ جانتا ہے۔

اسلام کے ہر حکم کی بنیاد عظمت الٰہی پر یقین رکھنے میں ہے:

اسلام کی بنیاد اس بات پر ہے کہ عظمت الٰہی پر پورا یقین ہو۔اس یقین کی بدولت احکام کی حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں۔جنہیں ایک ایسی قوت سے جس کے غلط طریقے سے پورا ہونے کے باعث دنیا میں بدامنی اور فساد پھیلتا ہے اللہ کریم نے نکاح وطلاق کے اصول عطا فرمائے ہیں۔آپس میں بندھن باندھنے کے لئے نکاح کی صورت میں ایسا خوبصورت انداز دیا ہے کہ یہ محبت دو انسانوں میں نہیں بلکہ بڑھ کر دو خاندانوں میں اتفاق، ایک دوسرے کا احترام، عزت ومحبت، ہمدردی وشفقت اور دو خاندانوں کو ایک کرنے پر منتج ہوتی ہے۔اسے دائمی بنایا تا کہ اس سے محبتیں بڑھیں اور امن عالم کا سبب بنیں۔

جس وجہ سے آج دنیا میں تباہی ہو رہی ہے اسی وجہ کو ایسا حسین موڑ دیا کہ وہ امن عالم کا سبب بن جائے۔

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو نکاح کی گنجائش نہیں رکھتے، نکاح کے لئے وسعت وسائل نہیں رکھتے، ان کی اتنی حیثیت نہیں کہ انہیں لوگ رشتہ دیں۔اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ وہ صبر کرے اور اگر اسے اندیشہ ہے کہ وہ صبر

نہیں کر سکے گا اور گناہ میں مبتلا ہو جائے گا تو اگر کسی آزاد عورت سے نکاح ممکن نہ ہو تو پھر پاکدامن، ایماندار کنیز سے نکاح کر لے۔ کنیز سے نکاح کرنے میں بھی دو شرائط رکھی گئیں ہیں ایک محصنت دوسری مومنات مملوکہ سے نکاح کر لے لیکن یہ نہ سمجھے کہ یہ تو باندی ہے اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ۔ تمہارے ایمان کو اللہ جانتا ہے اگر باندی ہے تو کیا ہوا؟ ہے تو مسلمان۔ اس کا اور تمہارا ایمان ایک سا ہے۔ تم بھی اولاد آدمؑ میں سے ہو وہ بھی اولاد آدمؑ سے ہے۔ اگر حالات نے کسی کو امیر اور کسی کو غریب بنا دیا ہے۔ کسی کو غلام اور کسی کو آقا بنا دیا تو اس کے انسانؑ ہونے اور شرفِ انسانیت میں فرق نہیں آ گیا۔ اللہ کے نزدیک جو ایمان میں مضبوط ہے وہی اللہ کے ہاں عزت والا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس بات کی کوئی تفریق نہیں کہ کون غلام ہے اور کون آقا، کون مرد ہے اور کون خاتون، کوئی اعلیٰ خاندان سے ہے اور کوئی غریب خاندان سے۔ ایماندار کا دوسرے ایماندار سے نکاح درست ہے۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ تم سب ایک آدمؑ کی اولاد ہو، سب ایک دوسرے میں سے ہو۔ بعض اوقات غریب نیکی میں امیر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے لہٰذا اس میں یہ تفریق نہ کی جائے۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ باندیوں اور کنیزوں سے نکاح ان کے مالک یا ولی کی اجازت سے ہوگا زبردستی یا چوری چھپے نکاح نہیں ہوگا۔ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور انہیں بھی مہر ادا کیا جائے گا۔ مملوکہ سے نکاح کی صورت میں مملوکہ کا مال آزاد عورت کے مال سے نصف ہوگا لیکن ادا کرنا فرض ہوگا۔ اسے معروف طریقے سے متعین کرنا ہوگا۔ یعنی پہلے سے رائج خاندانی حیثیت کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ مومن باندیوں سے نکاح کرو اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں، نہ اعلانیہ غلط کاری کرنے والی ہوں، نہ خفیہ دوستیاں کرنے والی ہوں۔ یعنی نکاح کر کے منکوحہ بننا پسند کرنے والی ہوں محض شہوت رانی کے لئے وقت گزاری کے لئے محدود مدت گزارنے کے خیال سے نکاح میں آنے والی نہ ہوں۔ اس لئے کہ جس نکاح میں مدت متعین کر لی جائے وہ نکاح ہی نہیں ہوتا۔ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ اور نہ چوری چھپے اپنی عزت ضائع کرنے والی ہوں۔ ایسی عورتیں جو ان غلط کاموں میں ملوث ہوں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے نکاح کیا جائے۔ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ کسی باندی سے بعد نکاح کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اس غلطی کی سزا آزاد عورت کی نسبت نصف ہوگی۔ جیسا کہ ان کا مہر آزاد عورت کی نسبت نصف تھا۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ کنیزوں سے نکاح کی یہ اجازت ان مردوں کے لئے ہے جنہیں صبر پر قدرت نہیں اور وہ اپنے دامن کو آلودہ ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ اور اگر تم صبر کر سکو تو یہ بہتر ہے۔ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ اللہ کریم بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔

النساء رکوع 5 آیات 26 تا 33

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ۧ

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (اپنے احکامات) صاف اور واضح انداز سے بیان کردے اور تمہاری رہنمائی کرے ان نیک لوگوں کے

طریقوں کی طرف جو تمہارے سے پہلے گزر چکے ہیں اور تمہیں معاف کرے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں ﴿۲۶﴾ اور اللہ تعالیٰ کو تو تمہارے حال پر توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ کہ شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے ہو تو مضائقہ نہیں اور تم ایک دوسرے کو قتل مت کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں ﴿۲۹﴾ اور جو شخص ایسا فعل کرے گا اس طور پر کہ حد سے گذر جائے اور اس طور پر کہ ظلم کرے تو ہم عنقریب اس کو آگ میں داخل کرینگے اور یہ امر اللہ تعالیٰ کو آسان ہے۔ ﴿۳۰﴾ اگر تم بچتے رہو ان بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری خفیف برائیاں تم سے دور فرمادینگے اور ہم تمہیں ایک معزز جگہ میں داخل کردینگے ﴿۳۱﴾ اور تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کیلئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ اور ہر ایسے مال کے لیے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیے ہیں اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں انکو ان کا حصہ (مقررہ) دے دو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں۔ ﴿۳۳﴾

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ کریم چاہتے ہیں کہ سلامتی کی تمام راہیں آپ پر واضح کر دی جائیں اور مومن کو ہر فعل کی خوبی اور خامی سے مطلع کر دیا جائے کہ

ہر خوبی وخامی کا تعلق اللہ کی پسند اور ناپسند سے ہے۔ جو بات اللہ کو پسند ہے وہی خوبی ہے اور جو اللہ کو پسند نہیں اُس میں کوئی خوبی نہیں اور اللہ کریم کو وہی باتیں پسند ہیں جو مخلوق کے حق میں بہتر ہیں اور یہی سلامتی کا راستہ ہے جس پر آپ سے پہلے انبیاء وصالحینِ ومومنین چلتے رہے اور سلامتی کے گھر پہنچے۔

فرمایا اسلام کے قوانین وضابطے اسلئے نہیں بنائے گئے کہ لوگوں کو کسی تکلیف یا مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے بلکہ اس لئے ہیں کہ ہر ایک کو اس کا حق ملے اور کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دنیا میں جتنے فسادات ہوتے ہیں اس میں بڑا حصہ مرد وعورت کے تعلقات کا ہے۔ جہاں ان میں ذرا سی خرابی آتی ہے اس کے نتیجے میں خاندانوں کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں اور یہ روش معاشرے میں تباہی کا موجب بنتی ہے۔ ایک مغربی کا قول ہے کہ '' قوموں کا سفینہ خواتین کے ہاتھوں شراب کے مٹکے میں ڈوب گیا'' یعنی جب مرد وعورت کے تعلقات صحیح نہج پر نہ ہوں تو تباہی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ جب بے راہروی آتی ہے تو اپنے ساتھ نشہ جیسی لعنت بھی لاتی ہے اور یوں قومیں تباہی کی طرف چل نکلتی ہیں لہٰذا اللہ کریم نے مرد وعورت کے تعلقات کو ایسا خوبصورت انداز دیا ہے اتنے متوازن احکام دیئے ہیں کہ اگر شرعی طریقوں پر عمل کیا جائے تو بجائے جھگڑوں کے خاندانوں میں قربت پیدا ہوتی ہے۔ باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔ قبائل اور خاندان تقسیم ہونے کے بجائے جڑتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اس آیت کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کی مختلف قبائل میں شادیوں کے نتیجے میں ترویج اسلام ہوئی اور آپ ﷺ کا حسن سلوک ترویج اسلام کو قوت دینے کا بہت بڑا سبب بنا اسی طرح عامۃ المسلمین میں جہاں میاں بیوی اور دونوں خاندان شریعت کا لحاظ رکھتے ہیں وہاں خیر پر مبنی نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کی عائلی زندگی اور تمام شادیاں ایک سے ایک بڑھ کر روشن مثال ہے اور دنیا آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اس روشن پہلو کی مدح سرا ہے یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی اس کی حقانیت کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ تقسیم ہندوستان سے پہلے دہلی سے ایک رسالہ شائع ہوتا تھا اس میں ایک ہندو کا مضمون چھپا جس کا عنوان تھا '' پیغمبر اسلام کی شادیاں'' اس مضمون میں اس نے نبی کریم ﷺ کے مختلف قبائل میں نکاح کرنے کے فوائد تحریر کئے اور قبائل میں سے مسلمان ہونے والوں کی تعداد اور ترویج اسلام کے نتائج بیان کئے اور یہ کہ نبی کریم ﷺ نے عالم شباب میں اپنے سے زیادہ عمر کی خاتون خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے نکاح فرمایا اور بہترین ازدواجی زندگی گزاری اور پچاس برس تک کی عمر تک صرف ایک ہی زوجہ سے نبھاہ فرمایا۔ جب حضرت خدیجہؓ کا وصال ہوا تو گھر میں چھوٹی بچیاں رہ گئیں۔ حضرت خولہؓ کی درخواست پر حضرت

سودہؓ پھر حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا اس کے بعد کے تمام نکاح قبائل کو اسلام سے روشناس کرانے اور ترویج اسلام و اسلام کو قوت دینے کا باعث بنے۔

حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک بوقت نکاح اور بوقت رخصتی:

حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک نکاح کے وقت سولہ برس تھی اور دو سال بعد رخصتی ہوئی تو عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ عربی میں سولہ کو ستہ عشرہ کہتے ہیں کسی نے جان بوجھ کر ''عشرہ'' گرا دیا یا کسی سے غلطی سے رہ گیا لیکن بعد کے سیرۃ نگار اسے اسی طرح نقل کرتے رہے اور بوقت نکاح عمر مبارک چھ سال ہی لکھتے رہے۔ بی بی صاحبہؓ کی عمر مبارک ستہ یعنی چھ سال قبول کرنا درایتاً بھی ممکن نہیں۔ کوئی عام ذی ہوش بھی چھ سال کی بچی سے نکاح نہیں کرتا تو پھر شانِ نبی کریم ﷺ تو نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ سیرت و تاریخ کے بغور مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر مبارک بوقت نکاح سولہ برس سے کم نہ تھی اور دو سال بعد رخصتی ہوئی تو عمر مبارک اٹھارہ سال سے کم نہ تھی۔ مزید تفصیل کے لئے محترم حمید اللہ شاہ کا تحقیقی مقالہ دیکھا جائے جس میں انہوں نے امام نووی، صاحب مشکوٰۃ المصابیح، صاحب البدایہ والنہایہ اور اسد الغابہ سے حوالے جمع کر کے تاریخی قرآئن سے ثابت کیا ہے کہ ام المومنینؓ کی عمر مبارک بوقت نکاح چھ سال نہیں تھی۔ یہ مقالہ ''المرشد'' اگست 2008ء میں دیکھا جا سکتا ہے مزید تفصیل حکیم محمود احمد ظفر کی تالیف ''امہات المومنین'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اللہ کریم نے اسلامی معاشرت کو وہ خوبصورت اصول دیئے ہیں جن سے انسانی رشتے مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں۔ انہی میں سے ایک رشتہ نکاح کی برکت سے قائم ہوتا ہے۔ یہ رشتہ اگر شریعت کے اصولوں پر استوار ہو تو افراد ہی نہیں خاندان بھی قریب آتے ہیں محبت بڑھتی ہے۔

رشتہ طے کرنے کے شرعی اصول:

شریعت مطہرہ کے اصول یہ ہیں کہ رشتہ کرتے وقت سب سے پہلے دین دیکھیں۔ بیٹے کے لئے بہو لانا چاہتے ہیں تو ہونے والی بہو کا دین سے تعلق دیکھیں، پھر دیکھیں کہ دینوی امور میں کس قدر واقفیت رکھتی ہے۔ بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتے ہیں تو داماد کو دیکھیں کہ دین کے ساتھ اس کا تعلق کیسا ہے؟ اس کے بعد دیکھیں کہ وہ روزگار کے لائق ہے، معقول روزی کما رہا ہے۔ یہ دیکھنا بری بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے کہ دین کے ساتھ دنیا کی بھی فکر کی جائے لیکن پیسے کی حرص یا عہدے کو بنیاد بنا کر جو تعلقات استوار کئے جاتے ہیں ان کے ساتھ ایسی توقعات وابستہ ہوتی ہیں جو پوری نہیں ہوتیں اور تعلقات بگڑتے ہیں اور جہاں رشتہ طے کرتے وقت

شریعت مطہرہ کا لحاظ رکھا جائے وہاں جب شکر رنجی بھی پیدا ہو جائے تو چونکہ دونوں خاندان شریعت کا لحاظ کرنے والے ہوتے ہیں لہٰذا ان کے ہاں علیحدگی کی نوبت بھی آجائے تو وہ شرعی طریقے سے علیحدگی کرتے ہیں اور آپس کی دشمنی پر منتج نہیں ہوتے۔ فرمایا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ کریم یہ پسند فرماتے ہیں کہ تم پر ہر چیز واضح کر دی جائے اس کی بھلائی برائی بتا دی جائے اور اس کے نتائج کا تعین کر دیا جائے۔ جو قومیں پہلے گزر چکی ہیں ان کے احوال سے بھی مطلع کر دیا جائے کہ جن لوگوں نے اتباع شریعت کا راستہ اپنایا انہیں کیا انعامات ملے اور جن لوگوں نے شریعت کا اتباع نہیں کیا اور انبیاءؑ کی تعلیمات کی پرواہ ہی نہ کی انہیں کیا نتائج بھگتنا پڑے۔ وَ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط اللہ کریم کو تو یہ بات پسند ہے کہ وہ تم پر کرم فرمائے تم سے اگر لغزش بھی ہو جائے تو تمہیں توبہ کی توفیق ہو جائے اور وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے۔ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اللہ ہی نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور یہ صرف اسی کو سزاوار ہے کہ وہی علیم و حکیم ہو۔ انسان کا علم محدود ہے بہت محدود اور خالق کائنات ہر ذرے کی خاصیت اور اس کی حکمت سے واقف ہے۔ وہی علیم ہے، وہی حکیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کام کو کس طرح سے کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہی دانا تر ہے اور اس کی حکمت کے تقاضے ہیں۔ اسی میں سے ایک یہ ہے کہ اسی نے تہذیب و معاشرت کے ایسے اعلیٰ اصول و قوانین دیئے ہیں جو فطری ہیں۔ سادہ اور نہایت آسان اور اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں۔

مورخین جب اقوام عالم کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم انسانی تاریخ میں تقریباً سترہ اقوام ایسی ہیں جو سربرآوردہ اقوام کی فہرست میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ وہ اقوام ہیں جن کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ رہن سہن کے اپنے اصول و ضوابط ہیں اور اتنے قوی ہیں کہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور لوگوں کی کثرت ان قواعد و ضوابط پر عمل کرتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ تہذیبیں تقریباً ساری ہی نابود ہو چکی ہیں اور آج صرف دو تہذیبیں روئے زمین پر موجود ہیں ایک اسلامی تہذیب ہے جو روز اول سے لے کر آج تک قائم و دائم ہے اس میں نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے نہ ہوگی نہ ممکن ہے اس لئے کہ یہ خالق کائنات نے عطا کی ہے۔ اس کے تمام بنیادی اصول اللہ کی کتاب میں موجود ہیں ان کی تفسیر و تشریح نبی کریم ﷺ نے عملاً فرمائی ہے پوری حیات طیبہ قرآن کی تفسیر ہے۔ اس کے تمام اصول و قوانین اور طریقے آپ ﷺ نے ارشاد فرما دیئے ہیں جو احادیث و سیرۃ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں اور یہ سب غیر متبدل ہیں۔ بعثت نبوی ﷺ کے بعد نئی وحی نہیں آئے گی، نئی کتاب نہیں آئی گی نئی نبوت نہیں ہوگی۔ ان میں کوئی تبدیلی قیامت تک نہیں ہوگی یہ ہمیشہ

اپنی جگہ قائم رہیں گے۔

دوسری تہذیب مختلف تہذیبوں کے ملنے سے وجود میں آئی جسے ہم مغربی تہذیب کہتے ہیں کسی بھی معاشرے کے رہن سہن کے طریقوں اور معاشرتی واخلاقی اقدار کو ہی تہذیب کہتے ہیں۔ مغربی تہذیب میں اسلام کے علاوہ ساری تہذیبیں ضم ہوگئی ہیں۔ اسلام کا اپنا رنگ ہے مسلمان خواہ کسی بھی خطے اور علاقے کے ہوں، زبان مختلف ہو، رنگ ونسل فرق ہو، لیکن ایک تہذیب رکھتے ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے انداز اور سلیقۂ حیات، ذاتی امور سے لے کر میل ملاقات تک کھانے پینے سے لے کر لباس تک زندگی کے سارے طور طریقوں میں سنت رسول اللہ ﷺ موجود ہے اور یہی اسلامی تہذیب ہے کہ جو کسی اور تہذیب میں ضم نہیں ہوسکتی۔ دیگر تہذیبیں اس سے طور اطوار اور طریقے سلیقے مستعار لیتی ہیں۔ اللہ کریم اسی بنیادی چیز کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ پر ہر بات کی اہمیت واضح کردی جائے اور جن باتوں کو انسان معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے وہ معمولی اسلئے نہیں کہ وہ اللہ کا حکم ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے اور یہی اسلامی تہذیب ہے۔

حلیہ، لباس، بول چال، کھانے پینے کے انداز یہی امور کسی بھی تہذیب کی شناخت بنتے ہیں اور یہی چیزیں تہذیب کی بنیاد ہوتی ہیں کسی دوسری تہذیب کے ان امور کو اپنانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اس بارے میں علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تصنیف ''مقدمہ'' میں زیرِ بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی بھی کسی قوم کے انداز بود و باش، میل جول کے طریقے کھانے پینے، لباس اور معاشرت کے انداز اپنا لے تو کم از کم اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی خرابیاں اور برائیاں ہلکی لگنے لگتی ہیں اور فرد خود کو انہی کا حصہ سمجھنے لگتا ہے اس لئے کہ انہی طور اطوار کو اپنی زندگی میں اپنا چکا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان میں ضم ہو جاتا ہے۔

مشکوٰۃ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ **مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ او کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم** کہ جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی اس کے طور طریقے اپنائے وہ روز محشر اسی کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا جس کی مشابہت اختیار کرے گا۔ جن لوگوں جیسی اس کی سوچ ہوگی، جن کے جیسا کردار ہوگا، جن لوگوں جیسا حلیہ ہوگا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ آپ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ نے آج روئے زمین کے مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ بیان فرمادی ہے۔ اگر ہم جائزہ لیں کہ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ یقیناً ہماری کوئی غلطی کوتاہی ایسی ہے جس کے نتیجے میں ہم رحمت باری سے محروم ہوکر غضب الٰہی کا شکار ہورہے ہیں۔ ملت اسلامیہ ہو، جماعت مومنین ہو اور کفار اُن پر غلبہ پاسکیں ظلم کرسکیں یہ ممکن نہیں یقیناً

ہم سے کوئی کڑی چھوٹ گئی، کوئی اہم بات ہم نے چھوڑ دی۔ یہ اہم بات نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ کی عطا کردہ تہذیب ہے۔

جب معاشرے کے اعلیٰ طبقے تعلیم یافتہ طبقے حکمران طبقے میں طور اطوار کی تبدیلی آئے تو وہ تبدیلی عوام کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے۔ سروے کرنے والوں کا بین الاقوامی ادارہ گیلپ ہے اس کا ایک سروے آیا ہے کہ مسلم ریاستوں کے عوام یہ چاہتے ہیں کہ ان کا طریق زندگی اسلام کے مطابق ہو اور ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ کیا جائے لیکن ہر اسلامی ملک کے حکمران مغربی تہذیب کے دلدادہ ہیں۔ وہ مغربی تہذیب میں ہی پیدا ہوتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں اسی تہذیب کے پروردہ ہوتے ہیں اسی کو لے کر حکومت کے ایوانوں تک جاتے ہیں اور مغربی تہذیب کو رواج دینے کے لئے ساری کوشش صرف کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں برسر اقتدار رہنے والے چند خاندان ہی ہیں جو ایوان سلطنت پر قابض رہتے ہیں۔ ایک خاندان کے بعد دوسرا خاندان آ جاتا ہے اور سولہ کروڑ عوام ان کے مضارعے، ملازم کی حیثیت سے رہنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق پاکستان کی آبادی کا یہ شاید دو فیصد ہوں گے لیکن ان کے مغربی تہذیب میں رنگے جانے سے عوام الناس تک اثر آتا ہے مثلاً اسلام نے خوبصورت انداز ملاقات دیا ہے السلام علیکم کہہ کر ملاقات ہوتی ہے یعنی تم پر اللہ کی سلامتی ہو جواباً کہا جاتا ہے وعلیکم السلام اور تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو، یہ ملنے کا سنت طریقہ ہے اس میں سلامتی کی دعا ہے۔ اللہ کی رحمت کی طلب ہے اور اجر و ثواب ہے۔ لیکن تہذیب مغرب کو پسند کرنے کے باعث اب بوقت ملاقات کہا جاتا ہے کہ 'ہیلو السلام علیکم'۔ اور یہ اثر ہے کہ پھر مغربی تہذیب کی برائیاں بھی ہلکی لگنے لگتی ہیں۔ ہمارے عوام جب سے ہندوستان کے ڈرامے، فلمیں گھروں میں دیکھنے کا رواج رائج کر چکے ہیں تب سے ان کی معاشرت کے انداز بھی ہمارے گھروں میں در آئے ہیں۔ ہماری بچیاں بھی انہی کی طرح کے لباس اور پہننے اوڑھنے کے ڈھنگ اپنا رہی ہیں اور بات چیت میں بھی کچھ نہ کچھ ہندی الفاظ استعمال ہونے لگے ہیں۔ اور ہمارے اصلاح کے ذمہ دار طبقوں میں شعلہ بیان مقرر ہیں جو اپنی شعلہ بیانی سے مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں اور دانشوروں سے لے کر مسجد کے خطیبوں تک کوئی مسلمانوں کو اسلام کے ان بنیادی اطوار و اقدار کی طرف متوجہ نہیں کرتا جن کی طرف قرآن حکیم متوجہ کرتا ہے۔ آپ ﷺ متوجہ فرماتے ہیں اور جو اسلام کی بنیاد ہیں۔ جب سے یہ بنیادی چیزیں ہمارے ہاتھ سے نکلی ہیں ہم رحمت الٰہی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ صرف بنیاد ہی نہیں چھوٹی ہم سے تو اللہ کی یاد بھی چھوٹ گئی ہے۔ ہم سے عبادات و فرائض پنجگانہ، تلاوت قرآن اور قرآن فہمی چھوٹ رہی ہیں اور حالت یہ ہے

کہ بڑے بڑے جہاندیدہ لوگوں کو حکمرانوں، سیاستدانوں، وزراء کو نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ سورۃ فاتحہ کا تلفظ درست نہیں اس کے ترجمہ کو نہیں جانتے اور اسلامی ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ پرانی بات ہے ایک مرتبہ صدر پاکستان نے مجھے طلب فرمایا میں ان سے ملنے گیا۔ ان کے دفتر میں دیوار پر ایک آیۃ کریمہ بڑے واضح خط میں لکھی ہوئی لگی تھی۔ ملاقات کے وقت صدر صاحب نے میری بڑی عزت افزائی کی۔ کرسی سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور پھر رخصت کرتے ہوئے وہ آیت دیکھ کر پڑھی اور غلط پڑھی۔ مقام حیرت ہے کہ اسلامی ملک کا سربراہ ہو اور ایک آیت دیکھ کر بھی درست نہ پڑھ سکے پھر اس سے کیا توقع رکھیں کہ وہ ملک میں اسلامی تہذیب کو اجاگر کرے گا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا۔

یہی بات یہاں فرمائی جا رہی ہے **يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ** اللہ کریم یہ چاہتے ہیں کہ تمام بنیادی باتوں کی ہدایت کر دی جائے جیسی کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دی گئی تھیں کہ اللہ کے پسندیدہ طریقے کون سے ہیں اور یہ کہ تمام بہترین طریقے اسوۂ رسول ﷺ میں ہی ہیں۔

اے مسلمانو! جن باتوں کو تم چھوٹا سمجھ کر لاپرواہی برتتے ہو وہ چھوٹی نہیں ہیں۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ اور کسی کلمہ گو کے لئے یہ تصور کرنا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کو معمولی سمجھے اس سے بڑا جرم کوئی نہیں۔ یہ تو اپنے اوپر بہت ہی بڑا ظلم ہے کہ ہم زبان سے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں اور ذاتی زندگی میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طور اطوار چھوڑ دیں۔ جب ہم عملاً آپ ﷺ کے طریقوں کو اور سنت سُنیہ کو چھوڑ دیتے ہیں تو ہمارا وجود زبان حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک سنت کی کوئی اہمیت نہیں۔

اللہ کریم نے ہمیں بروقت متنبہ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا جو تا قیامت لوگوں کو تعلیمات نبوت کے ذریعے، برکات نبوت کے ذریعے متنبہ کرتے رہیں گے اور قلبی و باطنی طور پر برکات نبوت کے ذریعے نیکی کو مرغوب اور برائی کو ناقابل قبول بناتے رہیں گے۔ اور بندے کے افعال پر مرتب ہونے والے نتائج سے باخبر فرماتے رہیں گے۔ یاد رکھیئے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ دنیا میں ہی سامنے آ جاتا ہے اور حتمی و آخری نتیجہ آخرت میں سامنے آئے گا۔ دنیا میں نتائج تین طرح سے برآمد ہوتے ہیں۔ اول یہ ہے کہ برائی کرنے والا ذلیل و رسوا ہو کر یہ نتیجہ خود بھگتتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس بدعملی کا نتیجہ قوم کو بھگتنا پڑتا ہے اور قومی کردار پر حرف آتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس کی بدعملی کا اثر کائنات بسیط میں پھیل جاتا ہے۔ وہ مزید برائی کا سبب بن

جاتا ہے۔ یوں ہر برائی کرنے والا ذمہ دار ہے کہ اس نے کائنات کو تاریک کرنے میں اپنا حصہ ڈالا۔ یوم حشر ان تینوں نتائج کی ذمہ داری قبول کرنی پڑے گی اور ان تینوں کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اللہ کریم نے فرمایا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ کریم یہ چاہتے ہیں کہ تم پر ہر اچھائی برائی کی وضاحت کر دی جائے اور پہلی اقوام کے طور طریقے بھی تمہیں بتلا دیئے جائیں کہ جو اقوام کامیاب ہوئیں وہ وہی تھیں جنہوں نے اپنے قومی شعار اپنائے، ان کی حفاظت کی اور جو اقوام تباہ ہوئیں ان کی تباہی کے بنیادی عوامل ہی یہی تھے کہ انہوں نے اپنے قومی شعار چھوڑ دیئے، دوسری قوموں کے حلیے اپنائے، بودوباش سے پہننے اوڑھنے تک کے انداز اپنائے چنانچہ ان کی اپنی قومیت ختم ہوگئی اور وہ دوسری تہذیب میں مدغم ہوئے۔ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ اللہ کریم کو یہ بات پسند ہے کہ تم اپنی کوتاہیوں سے توبہ کرو، اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو، آئندہ غلطی کرنے سے باز آجاؤ تاکہ تم اللہ کی مغفرت کو پالو۔ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے بندوں کو معاف کرے۔ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وہ سب سے بہتر جاننے والا ہے کسی کی کوئی بات اس سے چھپی نہیں رہ سکتی اور وہی حکیم ہے۔ ہر عمل پر نتیجہ مرتب کرنا اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے یہ کبھی ممکن نہیں کہ بونے والا تھوہر بوئے اور اس پر اللہ آم کا پھل لگا دے۔ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ تقاضائے حکمت بھی یہی ہے کہ اگر برائی کرو گے تو برائی ہی ملے گی۔ نیکی کرو گے تو نیکی ہی ملے گی۔ اسوۂ حسنہ ﷺ کو اپناؤ گے تو اللہ کے مقرب بن جاؤ گے۔ دنیا میں بھی عزت پاؤ گے، آخرت میں بھی عزت پاؤ گے۔ اگر اسے چھوڑتے چلے جاؤ گے تو گویا خودکشی کر رہے ہو، اپنی تہذیب اپنی قومی ہلاکت کا سامان کر رہے ہو۔ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۫ اللہ پاک تو چاہتے ہیں کہ اپنی رحمت سے تم پر متوجہ ہوں اور تمہاری توبہ قبول فرمائیں۔ اس ذات عظیم کو یہ بات پسند ہے کہ تم توبہ کرو اور وہ تمہیں معاف کرے البتہ اس نے توبہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر تم توبہ نہ کرو تو وہ مجبور نہیں کہ تمہارے پیچھے بھاگتا پھرے۔ دونوں راستوں میں سے کس راستے کا انتخاب کرتے ہو تو فیصلہ تمہارا ہے۔ ایک طرف اللہ کی عظمت ہے اللہ کی کتاب اور اللہ کا رسول ﷺ ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو خواہشات نفس کے اسیر ہو گئے۔ جو انسان ہوتے ہوئے انسانی تہذیب پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ انسان ہوتے ہوئے انسانیت کے لئے باعث شرم ہیں۔ نہ ان کا کردار انسانی ہے، نہ اخلاق و حیا ہے۔ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم سب کو بھی کھینچ کر اسی گمراہی میں لے جائیں۔ وَ یُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ چھوٹی برائی سے شروع

کر کے بڑی برائی کی طرف لے جائیں۔ اپنے ساتھ برائی بے حیائی اور فحاشی میں آگے سے آگے لے جاتے جائیں۔ قرآن حکیم ہمیشہ زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے اور وہی ارشاد فرماتا ہے کہ جو ہر زمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کی بات قرآن حکیم نے بتادی ہے کہ اس آیت کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ ایک طرف تہذیب مغرب ہے جو محض خواہشات نفسانی کی پیروی ہے اور دوسری طرف دین برحق ہے جو اللہ کی رضا پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس طرف اللہ کی رحمت بندے کی مغفرت چاہنے کی منتظر ہے بندہ خواہ بے شمار غلطیاں کر چکا ہو جب بھی سچے دل سے توبہ کرے آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عزم کرے نیکی کی توفیق مانگے تو رب کریم کی بے کراں بخشش کو پالے گا۔ اللہ کو توبہ قبول کرنا بہت پسند ہے۔ اللہ کو تمہاری توبہ بہت پسند ہے لہٰذا یہ بھول جاؤ کہ تم نے کتنے گناہ کئے ہیں یہ دیکھو کہ اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے وہ معاف کر دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ

کسی یکجائی سے عہد غلامی کرلو
ملت احمد مرسل ﷺ کو مقامی کرلو

یہ طے کرلو کہ مجھے وہ کرنا ہے جو میرے حبیب ﷺ کو پسند ہے۔ میں اس حلیے میں دکھائی دینا چاہتا ہوں جو حضور ﷺ دیکھیں تو پسند فرمائیں، میں اس طرح دوستی و دشمنی کرنا چاہتا ہوں جس کی خبر میرے نبی کریم ﷺ تک جائے تو آپ ﷺ مسکرا دیں کہ اس نے ٹھیک کیا میرے حکم کے مطابق کیا۔ اللہ تو اپنے بندوں کی راہ دیکھ رہا ہے اس کا در رحمت وا ہے کوئی مانگنے والا بھی تو ہو!

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کی نشاندہی اس آیت میں کی جارہی ہے کہ گمراہ قومیں اور راہ گم کردہ لوگ جو خواہشات نفس کے اسیر ہیں وہ سب مل کر ایک قوم بن کر ایک تہذیب بن کر مسلمانوں کو بھی خواہشات نفس کے راستے پر ہی ڈال دینا چاہتے ہیں۔ آج تمام گمراہ لوگوں کی ایک تہذیب ہے جسے تہذیب مغرب کہتے ہیں پوری دنیا پر ان کا طریقہ کار ایک سا ہے، خواہشات نفس کی پیروی ایک سی ہے برائی، بے حیائی اور بدکاری ایک سی ہے ان کی معیشت اور معاشرت کے انداز و اطوار ایک سے ہیں۔

تو اے اللہ کے مسلمان و مومن بندو! ان سے بچ کر رہو یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح خواہشاتِ نفس کے اسیر بنے رہو اور یہ رفتہ رفتہ تمہیں برائی میں دھکیلتے چلے جائیں اور برائی کی انتہا تک تمہیں لے جائیں لیکن یاد رکھو یہ راستہ شیطان کا ہے مومن کے لئے یہ مقام فکر ہے اور ایک سوالیہ نشان ہے کیا ہم اپنے ہاتھوں حضور اکرم ﷺ کی سنتیں تج دیں گے اور اہل مغرب کے رواجات اپنائیں گے؟ اللہ نہ کرے کہ ایسا کبھی ہو۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ دین برحق اپنے نزول سے لے کر قیام قیامت تک قائم رہے گا یہ کسی کامحتاج نہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ پروردگار عالم نے لے رکھا ہے۔ وہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر آیت 9) ہم نے یہ کتاب نازل کی ہے اور ہمارے ہی ذمے اس کی حفاظت ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ قرآن محفوظ رہے گا۔ قرآن کا متن بھی وہی رہے گا۔ مفاہیم بھی وہی رہیں گے۔ قرآن کو جاننے والے بھی رہیں گے اور قرآن پر عمل کرنے والے بھی رہیں گے۔ اسلام افراد کا محتاج نہیں۔ اسے حفاظت الٰہیہ حاصل ہے۔ یہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ جو اسلام کا دامن چھوڑے گا' اسلام کے خلاف سازش کرے گا' اسلام کو نقصان پہنچانے والا ہوگا تو وہ گھاٹے میں رہے گا' وہ رسوا ہوگا اور جہنم میں جائے گا۔ اگر کوئی قوم ترکِ سنت کی مرتکب ہوگی نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین برحق کو چھوڑے گی تو اللہ کسی دوسری قوم کو ایمان کی توفیق عطا کر دے گا اور وہ اسلام کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اسلام تو باقی رہے گا۔ اسلام کو چھوڑنے والے اسلام کی برکتوں سے محروم ہو کر گمراہ تہذیبوں میں مدغم ہو جائیں گے۔ سو معیشت ہو یا معاشرت سب میں صرف اسلامی تہذیب ہی امن وسکون کی ضمانت دیتی ہے لہٰذا جب بھی مرد وعورت کا رشتہ وتعلق غیر شرعی طریقے سے بنتا ہے تو اس گھر میں اس خاندان میں فساد ہوتا ہے جو معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔

فرمایا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ اسلامی تہذیب کے بارے جتنے قوانین شرعی ارشاد ہوئے ہیں خواہ نکاح وطلاق کے ہیں یا رشتے ناتے جوڑنے کے بارے میں یا دیگر رشتہ داروں اور معاشرے کی تعمیر کے متعلق ہیں وہ سب انسان کے لئے آسان رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر جبر وزیادتی نہیں تعلقات قائم کرنے اور قائم رکھنے کے تمام شرعی طریقے ہی آسان ہیں اس لئے کہ جس اللہ کریم نے انسان کو تخلیق کیا ہے یہ اسی کے بنائے ہوئے ضابطے ہیں اور اللہ کریم ہی جانتے ہیں کہ انسان کتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے لہٰذا شریعت مطہرہ نے ہر رشتے پر اتنا ہی بوجھ رکھا ہے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے اور جو کام وہ نہیں کر سکتا اس کا اسے مکلّف ہی نہیں ٹھہرایا۔ اللہ کی یہ رحمت ہے کہ وہ تو چاہتا ہے کہ شریعت مطہرہ کے اصولوں پر تم لوگ اپنی زندگیاں گزارو تا کہ انسان کے بنائے ہوئے رسومات ورواجات کا بوجھ تم پر سے اتر جائے اور انسان تو تخلیقی طور پر ہی کمزور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ فرمایا تقاضائے ایمان یہ ہے کہ ایک دوسرے کا مال دھوکے سے حاصل نہ کیا جائے۔ جب کوئی دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر جائز وناجائز کی پرواہ کئے بغیر مال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بے شمار لوگوں کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔

مال حرام کا حصول تقاضائے ایمان کے منافی ہے:

ایمان کا تقاضا ہے کہ اموال دنیا میں کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے۔ ایمان لانے کے بعد جب اللہ کو خالق و رازق مان لیا، مال کو اللہ کی ملکیت جانا تو پھر اس کے حکم کے مطابق مال ضرور حاصل کرنا چاہیے لیکن ناجائز طریقوں سے نہیں بلکہ جائز وسائل سے اور حلال طریقے سے۔ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ جیسے باہمی رضامندی سے تجارت، ملازمت یا مزدوری ہوتی ہے جس میں جانبین کی رضامندی سے تنخواہ یا مزدوری طے ہو جاتی ہے کاروبار کی شرائط پہلے سے طے کر لی جاتی ہیں یا کاشتکاری میں بھی حصول مال کے مختلف جائز طریقے ہیں جو باہم طے کر لئے جاتے ہیں۔ یوں حصول رزق کے چار معروف ذرائع ملازمت تجارت، مزدوری اور کاشتکاری ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع کسی ایک طبقے کے استحصال پر بنیاد رکھتے ہیں مثلاً دھوکہ دہی، اشیائے ضرورت کو مہنگے داموں فروخت کرنا، طے شدہ کوالٹی کا مال مہیا نہ کرنا جوئے کے ذریعے مال حاصل کرنا یہ سب طریقے ناجائز ہیں اور ایمان کے ساتھ یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا جائے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور آپس میں کسی کو قتل نہ کرو۔ خود کو اور لوگوں کو قتل نہ کرو نہ اپنے آپ کو قتل کرو نہ اپنے لوگوں کو قتل کرو۔

خودکش حملوں کا اسلام میں کوئی جواز نہیں:

آج یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ اپنے وجود سے بارود باندھ کر خود کو اور دوسروں کو قتل کیا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔ ملک میں خودکش حملے کرنا، بم دھماکے کرنا اور اس پر جنت جانے کی امید رکھنا قطعاً ناجائز ہے ایسا کرنا حرام موت مرنا ہے اور دوسروں کے قتل کا گناہ خودکش دھماکہ کرنیوالے کے سر ہے۔ ایسی کاروائیاں کرنے کا کوئی شرعی جواز نہیں اور کسی طرح سے بھی اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ملک میں ایک آئین قانون اور دستور ہے جسے ملکی اقدامات سے شکایت ہے وہ بندے قتل کرنے کے بجائے قانون کے پاس جائے قانون میں شنوائی نہیں ہوتی پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اللہ کریم عادل ہے۔ اللہ ظالم کو زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ اگر کلمہ پڑھنے والی عدالت بھی نہیں سنتی تو ایک عدالت ہے جس میں ہم سب کو جانا ہے۔ اللہ کریم پر بھروسہ کیا جائے تو ظالم اور ظلم کی عمر کم ہوتی ہے اور ظالم اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے لیکن کسی ذاتی رنجش کی بناء پر حکومت سے کسی سیاسی ناراضگی کے باعث خودکش حملے کرنا یا کروانا اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ قطعاً نہیں ہے

اور کہیں نہیں ہے بلکہ واضح حکم ہے کہ اپنے آپ کو، اپنی جانوں کو قتل مت کرو یعنی جو دوسروں کو قتل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو بھی ساتھ ہی قتل کر رہا ہے۔ جنہیں اس نے قتل کیا وہ بھی اس کے مسلمان بھائی تھے اس کا قتل بھی جائز نہیں تھا اور پھر انہیں قتل کرنے والا بھی عموماً کم ہی بچا کرتا ہے سو وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ بہت واضح حکم ہے۔

جہاد میں دشمن کے مقابل ہر طریقے سے وار کیا جاتا ہے۔ اس میں اگر لشکر اسلامی برسرپیکار ہو تو عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی بعض جانباز دشمن کی صفوں میں گھس جاتے، جوش جہاد میں بہت سے کافروں کو قتل کرتے اور بعض اوقات خود بھی شہید ہو جاتے تھے۔ ایسے واقعات تاریخ کا حصہ ہیں کہ مسلمان مجاہد دشمن کی صفوں میں گھس جاتے اور لڑتے لڑتے صفیں چیرتے ہوئے دوسری طرف سے باہر نکل آتے۔ ادھر سے پلٹ کر پھر حملہ آور ہوتے اور لڑتے لڑتے دوسری طرف نکل آتے اور اس طرح بعض جانباز زخمی ہو جاتے اور بعض شہید۔ اسی طرح مسلمان مجاہد جہاد میں خودکش حملہ کریں تو یہ اعلیٰ درجے کی شہادت ہوگی۔ لیکن یہ صرف جہاد کے ساتھ مخصوص ہے۔ موجودہ مروج خودکش حملے سے ان کی کوئی مماثلت نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ اللہ کریم تمہارے ساتھ از حد مہربان ہے تمہارے بہت سے گناہوں پر درگزر کرتا ہے لیکن تم اتنے دلیر نہ ہو جاؤ کہ اس کی مخلوق کو تباہ کرتے پھرو وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اور جو باز نہ آیا اور جس نے حد سے گزر کر اور ظلماً لوگوں کے قتل عام کا سلسلہ جاری رکھا تو اللہ کو ایسے لوگوں کے ایمان کی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ ناروا قتل کرنا ایمان کے منافی ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے اور کردار اس کا گواہ ہے۔ جس کا کردار ایمان کے خلاف ہے اس کا دعویٰ بے حقیقت ہے۔ جو کردار ایمان کے منافی ہے اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ ہر گناہ دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کر دیتا ہے اگر آدمی تائب نہ ہو مسلسل گناہ کرتا رہے باز نہ آئے تو مسلسل گناہ اس کے قلب پر سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ایسی حالت میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ آیت 7) دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ یعنی توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہاں بھی یہی ارشاد ہے کہ اگر کوئی حد سے گزر کر اللہ کی مخلوق کو بے وجہ قتل کرتا رہا لوگوں کیساتھ ظلم کرتا رہا تو عنقریب جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ قرآن حکیم میں کہیں بھی مومن کے ساتھ بحالت ایمان جہنم کی وعید نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایسا شخص ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے

گا اور آخرت میں جہنم کے عذاب کا حقدار بن بیٹھے گا۔ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ اور اللہ کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ مجرم کو وہ سزا دے جیسا کہ اس کا جرم ہے۔

گناہ کبیرہ کیا ہیں؟

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ فرمایا اگر بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو گے تو بھول چوک اللہ کریم معاف فرمادیں گے۔ گناہ کبیرہ کیا ہیں؟ علماء نے اس پر بڑی مفید اور طویل بحثیں فرمائی ہیں بعض حضرات نے کبائر کی فہرست بنادی ہے اس ضمن میں علماء نے ایک بہت اچھا اصول دیا ہے وہ یہ کہ جس گناہ پر قرآن میں سزا کی وعید آئی ہے جہنم یا اُخروی سزا جس کا نتیجہ بتائی گئی ہے وہ کبیرہ گناہ ہیں یعنی تمام اعمال جن سے روکا گیا ہے۔ جن پر سزا کی وعید آئی ہے۔ جن کی اُخروی سزا سے ڈرایا گیا ہے۔ جن پر آخرت کے عذاب کی خبر دی گئی ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ گناہ صغیرہ ہیں بعض اوقات انسان نیک اعمال بھی کرتا ہے لیکن اس میں خلوص نہیں ہوتا خشوع وخضوع نہیں ہوتا یا طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہوتا یا کوئی اور غلطی ہو جاتی ہے تو فرمایا کہ اگر کوئی کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے عظمت الٰہی پر یقین ہے۔ وہ اطاعت الٰہی کیلئے کوشاں ہے اور اتباع نبی کریم ﷺ کیلئے اپنی بھرپور کوشش کر رہا ہے پھر بھی بحیثیت انسان کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے، کوئی نامناسب لفظ ادا ہو جاتا ہے، اعمال میں خلوص نہیں ہوتا۔ طریقہ سُنّتِ نبوی ﷺ سے ہٹا ہوا ہوتا ہے تو جو غلطیاں سہواً ہو جاتی ہیں اللہ کریم اسے معاف فرمادیتے ہیں ورنہ صغیرہ گناہ بھی گناہ ہی ہوتا ہے۔ اس نظر سے دیکھا جائے کہ ہر گناہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے تو یہ خود بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لحاظ سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا لیکن اسے بھول چوک قرار دینا اور کبائر سے بچنے والوں کو صغائر کی معافی دینا اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ فرمایا جن گناہوں پر وعید آئی ہے ان سے بچنے کی کوشش کی جائے تو اللہ کریم بھول چوک کو معاف فرمائے گا۔ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ اور جنت الفردوس جیسا بہترین ٹھکانہ دے گا جو اللہ کی رضامندی کا مظہر ہے اور اس میں داخل کرے گا جو اسکے قرب کا مظہر ہے۔

دنیا میں پرامن اور باعزت زندگی گزارنے کے اصول:

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ دنیا میں پرامن اور آرام سے رہنے کا ایک اصول ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جیسا جس کا مقام ومرتبہ ہے اس کے مطابق جو

ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں وہ انہیں ادا کرنے کی فکر کرے دوسرے کے حقوق چھیننے کی فکر نہ کرے۔ اصولی بات یہ ہے کہ اپنی کوشش کرو، محنت کرو، جتنا سیکھ سکتے ہو سیکھو، جتنا کام کر سکتے ہو کرو، اچھی روزی کماؤ اچھا عہدہ رکھو لیکن دوسروں سے مقابلے کر کے حسد نہ کرو، اپنے سے اوپر والوں کو دیکھ کر خواہ مخواہ ویسا بننے کی آرزو نہ کرو۔ اس ایک اصول نے انسانی زندگی کے بیشتر مسائل حل کر دیئے ہیں۔ فرمایا اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ دنیوی اعتبار سے اور دینی و علمی اعتبار سے بھی استعداد کار کے اعتبار سے بھی فضیلت دی ہے اور سب کا محاسبہ و مواخذہ ان کے خلوص اور استعداد کار کے مطابق ہوگا۔ آپ ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اگر امیر اپنی استطاعت کے مطابق زیادہ خرچ کرتا ہے اور غریب اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرتا ہے تو غریب کا انفاق امیر کی نسبت درجے میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ عنداللہ مقدار کو نہیں خلوص کو دیکھا جاتا ہے آدمی کے محنت و مجاہدے کو دیکھا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی تو اصل زندگی کی ابتداء ہے۔ یہاں یہی آزمائش ہے کہ کون اپنے مالک کے ساتھ کتنا مخلص ہے؟ سو اس میں نہ پڑے رہو کہ فلاں کے پاس جو چیز ہے وہ مجھے مل جائے بلکہ جس کو اللہ نے جو چیز دی وہ اس پر قانع رہے۔ بہتر کرنے کی کوشش ضرور کرے لیکن لوگوں کے پاس جو کچھ ہے ان کی طرف سے نظریں ہٹالے۔ اپنے مقام کو پہچانے، اس کے مطابق عائد کردہ اپنی ذمہ داری پوری کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

ہمارے معاشرے میں فساد کا بڑا سبب یہی رویہ ہے کہ کسی دوسرے کے پاس جو کچھ ہے وہی سب کچھ میرے پاس بھی ہونا چاہئے۔ یہ مرض حکومت کے ایوانوں سے لے کر گھروں تک عام ہے کہ جو فلاں کے پاس سے میرے پاس آجائے۔ اس سے چھین لیا جائے یا اس کے پاس بھی نہ رہے، ضائع ہو جائے۔ اکسٹھ برس سے ہر آنے والی حکومت کو اپوزیشن والے چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ اس حکومت کو گرانے کے حربے ہوتے رہتے ہیں۔ اگر سیاستدان اپنے کردار پر قناعت کرتے، کبھی حکومت میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے، دیانتداری سے عوام کے لئے کام کرتے اور اپوزیشن دیانتداری سے حکومت کو بہتر طریقے سے حکومت چلانے کے مشورے دیتی۔ انہیں بہتر کام کرنے پر مجبور کرتی تو اچھے نتائج برآمد ہوتے۔ فرمایا ہر کوئی اپنی ذمہ داری پوری کرے اور جو اللہ نے دیا ہے اس پر قناعت کرے۔ اپنے حصے کی محنت کرتا رہے اور یہ یاد رکھے کہ یہ نعمت نہ اس کے پاس رہے گی نہ کسی دوسرے کے پاس۔ اقتدار و اختیار، مال وزر اور دنیا کی ہر نعمت زائل ہونے والی چیز ہے۔ آخر اللہ کریم کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اللہ نے اپنے نظام کو چلانے کے لئے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن مواخذہ بھی ان سے اسی حساب سے ہوگا لہٰذا جسے اللہ نے کوئی مقام و مرتبہ دیا ہے وہ اپنے مقام کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرے انہیں ادا کرنے کی فکر کرے دوسرے سے چھیننے کی فکر نہ کرے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ انسان بنیادی طور پر انسان ہے۔ عورت ہو یا مرد دونوں افرادِ انسانیت ہیں۔ دونوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ دونوں کی ذمہ داریاں اللہ نے تقسیم کر دی ہیں۔ دونوں کو اللہ کی بارگاہ میں جواب دینا ہے۔ کامیاب وہی ہوگا جو اپنی ذمہ داریاں اچھے طریقے سے ادا کرے گا۔ اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائے گا۔ لہٰذا اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ مرد یہ سوچے کہ اسے عورت کیوں نہ بنایا اور عورت یہ سوچے کہ وہ عورت کیوں ہے؟ وہ مرد کیوں نہیں ہے؟ آج ہمارے معاشرے میں اللہ کریم کی اس تقسیم پر اعتراض کیا جا رہا ہے کہ نوعمر لڑکوں نے مونچھ داڑھی صاف کر کے عورتوں کی طرح لمبے بال رکھے ہیں اور لڑکیوں نے بال کٹوا کر لڑکوں جیسا لباس پہن رکھا ہے۔ مرد عورتوں کی طرح بننا سنورنا پسند کرتے ہیں اور عورتیں مردوں کی طرح نظر آنا پسند کرتی ہیں۔ یہ روش معاشرے کی تباہی کا سبب ہے۔ یہی مسابقت مال و زر، عہدے واقتدار اور امارت وغربت میں جاری ہے۔ اللہ کریم اس روش سے باز رکھنے کے لئے فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ نے جو مقام دیا ہے وہ اس پر خوش رہے۔ اس کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ جسے خاتون بنایا ہے وہ مرد بننے کے بجائے بحیثیت خاتون اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور اللہ کے نزدیک اپنا اجر پائے۔ مرد اپنی حیثیت کو پہچانے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو۔

بہتر سے بہترین کے لئے کوشش اور دعا منع نہیں:

فرمایا وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ کام کرو، محنت کرو اور اللہ کریم سے جتنا زیادہ مانگ سکتے ہو مانگو۔ اس سے اس کا کرم مانگو، اس کی مہربانی مانگو، زیادہ وسیع اور کشادہ رزقِ حلال مانگو، انفاق فی سبیل اللہ کا حوصلہ مانگو اور توفیق مانگو، عہدہ مانگو، جو چاہو مانگو لیکن مانگنے کا سلیقہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھو۔ جو انقلاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے نہ قیامت تک ملنا ممکن ہے۔ اللہ کا ہر نبیؑ انقلاب آفرین تھا لیکن اپنے زمانے اور اپنی قوم تک محدود۔ اللہ نے انہیں بھیجا ہی ایک وقت مقرر کیلئے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ساری انسانیت، سارے زمانوں اور قیامت تک کے لئے ہے لیکن اس آسمان نے وہ نظارہ دیکھا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے۔ پھر ایمان لانے والے بڑھے، بڑھتے بڑھتے تھوڑے عرصے میں روئے زمین پر ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ دنیائے کفر نے اس انقلاب کو روکنے کی بڑی کوشش کی۔ بالآخر معاملہ میدانِ بدر تک جا پہنچا۔ غزوہ بدر اپنی حیثیت میں بے مثال ہے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گواہ ہے کہ تقریباً نہتے تین سو تیرہ کے مقابل تین گنا زیادہ ہر طرح کے وسائل سے لیس

لشکرِ جرار تھا۔ ہر جانباز کو جہاد کے دوران جو راشن ملا وہ پانچ کھجوریں تھیں جن پر دن بھر گزارہ کرنا تھا۔ دنیوی اسباب و وسائل کے اعتبار سے کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن اس مسلح لشکرِ جرار کو اتنی بری شکست ہوئی کہ اس کے بعد ان کی کمر ٹوٹ گئی اور تین سو تیرہ صحابہؓ فاتح بنے۔ اس کی اصل وجہ کیا تھی؟ اس کی اصل وجہ نبی کریم ﷺ کی وہ دعا تھی جو آپ ﷺ نے عریشِ بدر میں فرمائی لیکن اسکا سلیقہ کیا تھا؟ آپ ﷺ نے تمام ظاہری، عقلی اور دنیاوی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال فرمایا۔ جنگی حکمتِ عملی اپنائی، فوجی ضابطے استعمال فرمائے، پوزیشنیں بنا کر صحابہؓ کو صف آرا فرمایا اور پھر اس جگہ تشریف لے گئے جو صحابہؓ نے آپ ﷺ کیلئے تیار کی تھی۔ جسے آج کی زبان میں کمانڈ پوسٹ کہہ سکتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ساتھ تھے۔ وہاں حضور اکرم ﷺ نے بارگاہِ الوہیت میں دستِ دعا بلند فرمائے اور فتح کی دعا کی اور اپنی محنت سے تیار کردہ جماعت صحابہؓ کو کل پونجی بنا کر ارشاد فرمایا کہ رب کریم میں یہ سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ اگر آج ان لوگوں کو یہاں شکست ہوئی تو قیامت تک کوئی پیشانی تیرے سجدے سے آشنا نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ اس الحاح وزاری سے اللہ کے حضور دعا فرما رہے تھے کہ چادر مبارک آپ ﷺ کے دوش مبارک سے ڈھلک گئی اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ کافی ہے اب بس کردیں۔ آپ کی دعا خالی نہیں جائے گی۔ بدر میں فتح کا سبب وہ دعا ہے جو حضور ﷺ نے فرمائی اور جس کے آخر میں فرمایا **يَارَبِّ اِنْ تَهْلِكَ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ فَلَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَداً** ''اے میرے پروردگار جانبازوں کا یہ گروہ اگر ہلاک ہوجائے گا تو پھر اس زمین پر تیری عبادت کبھی نہیں کی جائے گی''

دعا کا سلیقہ سیکھنا ہو تو یومِ بدر حضور ﷺ کے طریقے کو دیکھئے۔ سنت طریقہ ہر ایک کے لئے یہی ہے کہ اگر کوئی طالب علم کامیابی چاہتا ہے تو محنت سے پڑھے۔ اساتذہ سے جا جا کر پوچھے، ساتھیوں سے مدد لے، نوٹس تیار کرے اور پوری محنت کرکے اللہ کریم سے دعا کرے کہ اللہ کریم مجھے کامیابی عطا کر۔ کوئی تجارت میں، دکانداری میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے لوگوں سے مشورے کرنے چاہئیں، تجارتی اصولوں کے مطابق محنت کرنی چاہئے۔ لین دین کے اسلامی اصول اپنانے چاہئیں۔ پھر کامیابی کی دعا کرنی چاہئے۔ حکومت و اقتدار چاہتے ہو تو اللہ سے مدد مانگو دوسروں سے چھیننے کے درپے کیوں ہو؟ جو دوسروں کو دے سکتا ہے وہ تمہیں بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اس کا سلیقہ اور طریقہ وہی ہے کہ جو نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے۔ اسکا سلیقہ یہ ہے کہ حصول دولت وحکومت کے کچھ تقاضے ہیں۔ اس کے تقاضے پورے کرو۔ اسباب مہیا کرو۔ جو تمہارے بس میں ہے وہ ضرور کرو پھر اللہ سے مانگو، دوسروں پر نظر نہ رکھو، لوگوں سے چھیننے کی کوشش نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یقیناً اللہ ہر چیز سے واقف ہے وہ تمہارے حال سے بھی واقف

ہے۔تمہاری آرزوؤں سے بھی واقف ہے۔تمہاری خواہشات سے بھی واقف ہے۔اب تمہارے ذمے ہے کہ تم اللہ کی مرضیات پر اپنی پوری زندگی لگادوتا کہ کامیابی پاسکو۔

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

ہر ایسے مال کیلئے اللہ کریم نے احکام عطا کر دیئے ہیں جو مال والدین یا عزیز رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ انسان دنیا میں رہتے ہوئے گھر جائیداد بناتا ہے پھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ایسے اموال کے لئے اللہ کریم نے ورثاء مقرر فرمادیئے ہیں اور ورثاء کے لئے تقسیم بھی مقرر کردی ہے سو جو تقسیم اللہ کریم نے مقرر فرمادی ہے۔ اُسے اس انداز سے لیا جانا چاہیے کہ یہ اسی کا نصیب ہے، اسکا حق ہے، اس کی قسمت ہے، یہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہے۔عموماً ہوتا یہ ہے کہ مرد زیادہ لے لیتے ہیں بیٹیوں کو نہیں دیتے۔ یہ بہت زیادتی ہے۔جس کا جو حصہ اللہ کریم نے مقرر فرمادیا ہے وہ حصہ اس کو ملنا چاہئے۔اور یہ سمجھ کر دینا چاہئے کہ یہ اسی کے نصیب کا ہے۔اسی کی قسمت کا ہے اور اسکا حساب آخرت میں اسی کو دینا ہے لہٰذا اسی کو دینا چاہئے۔جعلسازی سے ہیرا پھیری سے کچھ حصہ رکھ لینا یہ ظلم ہے اور اس حصے کا جواب بھی ظالم کو خود دینا ہوگا اور اس بات کا بندے کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا کہ ایسا کیوں کیا؟ پھر یہ حساب بھی ہوگا کہ اس مال کو کہاں خرچ کیا؟ یوں دہرے گناہ کا دہرا عذاب ہوگا۔ایک مال غصب کرنے کا اور دوسرا کسی کا مال خرچ کرنے کا گناہ الگ ہوگا۔ یہ مال جب بندہ اپنی ذات پر اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے گا تو یہ خرچ بھی ناروا ہوگا۔ یوں ایک غلط قدم کئی طرح کے گناہ کا باعث ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ اللہ ہر شے سے ہر وقت ذاتی طور پر آگاہ ہے وہ خود واقف ہے کہ کون اس کی اطاعت کر رہا ہے اور کون اس کی اطاعت سے روگردانی کر رہا ہے۔ بندہ مومن کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ دنیا کے چند سکوں کے عوض یا زمین کے ایک ٹکڑے کے عوض وہ اللہ کریم کی نافرمانی کرے۔جس کا جو حصہ اللہ نے مقرر کردیا ہے وہ اس تک پہنچانا چاہئے کہ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ دراصل مال و دولت، اختیار واقتدار، اللہ کی زمین، اس کی کائنات، سب کچھ اللہ کا ہے۔وہ اپنی پسند سے مختلف چیزیں مختلف لوگوں کو مختلف اوقات میں استعمال کے لئے دیتا رہتا ہے۔ یہ اس کی اپنی تقسیم ہے اور دنیا میں یہ اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کی نسلیں فقیر ہو جاتی ہیں اور فقیروں کی نسلیں حکومت کرتی ہیں۔غریبوں کی نسلیں امیر ہو جاتی ہیں اور امراٗ کی اولاد غربت کے دن بسر کرتی ہے۔صحت مند لوگ بیمار ہو جاتے ہیں اور بیمار صحت مند ہو جاتے ہیں۔لہٰذا اللہ کی تقسیم کو بہترین سمجھا جائے اور جس کا جو حق ہے اس میں سے کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔

سورۃ النساء آیات 34 تا 42 رکوع 6

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ مرد کی اطاعت کرتی ہیں، مرد کی عدم موجودگی میں بھی عزت و آبرو کی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تمہیں ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو انکو زبانی نصیحت کرو ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈ و بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں ﴿۳۴﴾ اور اگر تمہیں ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق فرما دینگے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں ﴿۳۵﴾ اور تم اللہ تعالےٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غربا کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دُور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ

بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوئے شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔ ﴿۳۶﴾ جو کہ بخل کرتے ہوں اور دُوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہیں اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ﴿۳۷﴾ اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ پر اور آخرت کے دن پر اعتقاد نہیں رکھتے اور شیطان جس کا مصاحب ہو اس کا وہ بُرا مصاحب ہے ﴿۳۸﴾ اور اُن پر کیا مصیبت نازل ہو جائے گی اگر وہ لوگ اللہ تعالےٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں اور اللہ نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے رہا کریں اور اللہ تعالےٰ انکو خوب جانتے ہیں ﴿۳۹﴾ بلاشبہ اللہ تعالےٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کریں گے اور اگر ایک نیکی ہوگی تو اس کو کئی گنا کر دیں گے اور اپنے پاس سے اور اَجرِ عظیم دیں گے ﴿۴۰﴾ سو اس وقت بھی کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر کرینگے ﴿۴۱﴾ اس روز جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ اس بات کی آرزو کرینگے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا اخفا نہ کر سکیں گے۔ ﴿۴۲﴾

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا اللہ کی اپنی تقسیم ہے:

اللہ کریم نے جس کو جتنی فضیلت دی ہے اتنی ہی اس کی جوابدہی بھی رکھی ہے۔ مردوں کو اللہ کریم

نے عورتوں کی نسبت طاقتور بنایا ہے۔ مردوں کو عورتوں پر قوّام بنایا ہے۔ قوّام کے معنی طاقتور کے بھی ہیں اور حاکم کے بھی ہیں۔ عمومی قاعدہ یہ ہے کہ دنیا میں عورت مرد کے تابع ہو کر رہتی ہے۔ دین و دنیا کے معاملات میں گھر کا پالیسی ساز مرد ہوتا ہے اور دینی و دنیاوی معاملات کا ذمہ دار بھی مرد ہے اور معاملات کا فیصلہ بھی مرد کرتا ہے۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے کہ اس نے ایسا بنا دیا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت میں مرد و عورت دونوں انسان ہیں۔ دونوں قابل عزت ہیں۔ اللہ نے جس طرح کے فرائض خاتون کے ذمے رکھے، تخلیقی طور پر ویسا ہی وجود بھی عطا کر دیا اور جس طرح کے فرائض مرد کے ذمے رکھے اس طرح کی قوت اس کے وجود کو عطا کر دی لہٰذا مرد و عورت کو ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے اپنے فرائض کی فکر کرنی چاہئے اور اللہ کے سامنے سرخرو ہونے کا خیال رکھ کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئے۔ مرد و عورت میں اللہ نے جو تفریق رکھی ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو یہ اس کی اپنی تقسیم ہے اور فضیلت کی یہ تفریق اللہ نے ہر چیز میں رکھی ہے۔ نباتات، حیوانات و جمادات میں یہ واضح نظر آتی ہے۔ تمام پہاڑوں میں سے کوئی زیادہ بلند ہے۔ سب دریاؤں کی وسعت و گہرائی ایک جیسی نہیں ہے۔ ساری زمینیں ایک جیسی نہیں نہ ہی سب پرندے ایک جیسی خصوصیات رکھتے ہیں اور سارے جانور بھی ایک جیسے نہیں ۔ ہر نوع میں کوئی نہ کوئی افضل ہے۔ اسی طرح انسان ہونے میں سب برابر ہیں لیکن ہر ایک کی اپنی خصوصیات بھی ہیں اور عمومی قاعدہ یہ ہے کہ دنیوی اعتبار سے مرد عورت سے زیادہ طاقتور ہے اور قوّام ہونے کی حیثیت میں اس کا فیصلہ گھر میں نافذ ہوتا ہے اور اس فیصلے کے نفاذ کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے کہ اس سے اپنے خاندان کی جوابدہی بھی ہونی ہے صرف یہی نہیں کہ دنیا میں مرد کی حکومت ہے بلکہ دنیا میں گھر کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے اور جوابدہی بھی اسی سے ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ تم میں سے ہر کوئی حکمران ہے اور اپنے گھر پر تو ہر ایک کی حکومت ہے تو اس سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ بعض لوگوں کی خاندان میں بات سنی جاتی ہے تو جہاں تک جس کے فیصلے دنیا میں نافذ ہوں گے اتنے لوگوں کے بارے اس سے سوال بھی کیا جائے گا۔ اگر مرد کو اللہ نے حاکم بنایا ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے بچوں کی تربیت ٹھیک کی؟ بیوی کے حقوق ادا کئے یا اپنی طاقت کے زعم میں بیوی بچوں کی حق تلفی ہی کرتا رہا۔ سو اللہ نے جس کو جتنی فضیلت دی ہے اتنی ہی اس کی جوابدہی بھی رکھی ہے۔ جن معاشروں میں مرد و عورت اپنے اپنے مقام پر نہیں رہتے، اپنی اپنی ذمہ داریاں نہیں پوری کرتے، ان میں انسانیت یا انس نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ اگر اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے تو ان پر لازم

ہے کہ وہ محنت کر کے کما کر لائیں اور یہ بھی کہ جو کمائیں اس میں بچوں کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی اور والدین کا بھی حق ہے۔ غرباء و مساکین کا بھی حق ہے لہٰذا مرد صالح اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے۔

مثالی بیوی کی نشانیاں:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ خواتین کی فضیلت یہ ہے کہ وہ نیک ہوں، صالح ہوں، باعمل ہوں ان کا عقیدہ بھی درست ہو اور ان کا کردار بھی مستحسن ہو۔ ایک مسلمان عورت کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ صالح ہو، قناعت کرنے والی ہو، احکام کی پابندی کرنے والی ہو، خواہشاتِ نفس میں آ کر نافرمانی نہ کرے اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کی آبرو کی حفاظت کرنے والی ہو۔ یہ مسلمان خاتون کے اوصاف ہیں۔

عورتوں کی سرکشی و بددماغی کی اصلاح کا طریقہ اور اس کے درجے:

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ عورت ہونے کا حق ادا نہیں کرتیں بلکہ بددماغ ہوتی ہیں نہ اعمالِ صالحہ کی صلاحیت، نہ عبادت کا ذوق، نہ مرد کی فرمانبرداری، نہ مرد کے حقوق کی حفاظت۔ اس طرح کے سرکش رویے کا پہلا علاج یہ ہے کہ انہیں سمجھایا جائے۔ مرد ایسی عورت کو سمجھانے کی کوشش کرے یہ نہیں کہ ذرا سی غلطی پر طلاق دے دی، گھر سے نکال دیا، پھر چند ماہ بعد اسی عورت کا خیال ستایا تو لگے حیلے کرنے کہ ارادہ طلاق دینے کا نہیں تھا۔ یوں طلاق دینے میں جلد بازی کی اور بعد میں ناجائز طریقے سے حلال کرنے کی کوشش کی۔ مرد کے لئے یہ روا نہیں۔ اگر اللہ نے گھر کی سربراہی مرد کو دی ہے تو عورت کو اس کا بے دام غلام نہیں بنا دیا۔ وہ انسان ہے اس کے انسانی حقوق ہیں۔ اگر وہ اچھے طریقے سے اپنی ذمہ داری نبھائے تو وہ بہت عزت کی مستحق ہے۔ لیکن بحیثیت انسان اس سے غلطی ہو جائے یا اس کے دماغ میں خلل آ جائے اور وہ بددماغی پر اتر آئے تو مرد کو چاہئے کہ پہلے درجے میں وہ اسے سمجھائے۔ اگر سمجھ جائے اور توبہ کرے تو اس سے درگزر کیا جائے اور اپنے خاندان کو بہتر طریقے سے چلانے کی کوشش کی جائے۔ پھر بھی باز نہ آئے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس سے ناراض ہو جائے۔ اپنے بستر سے اسے دور کر دے لیکن اسے گھر سے نہ نکالے۔ اس کے اخراجات پورے کرتا رہے لیکن اس سے کچھ دن پیار و محبت کی باتیں نہ کرے۔ اس سے الگ رہے تاکہ اسے احساس ہو کہ اس نے کچھ غلط کیا ہے اور اسے اصلاح کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اس پر بھی نہیں سمجھتی تو ہلکا پھلکا مارا جا سکتا ہے۔ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ اسے سمجھانے کے لئے، غلط کام سے روکنے کے لئے

یہ تیسرا درجہ ہے کہ سزا بھی دی جائے البتہ مارنے کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایت یاد رہنی چاہئے کہ جس خاتون کو اس کی سرکشی پر تیسرے درجے کی سزا دی جائے تو بھی چہرے پر نہ مارا جائے، بدن پر جہاں مارا جائے تو اتنا جس سے اسے نشان نہ پڑے۔ اسلئے کہ یہ مارنا ایذا دینے کے لئے نہیں بلکہ اصلاح پر آمادہ کرنے کے لئے ہے۔ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اگر وہ بات مان لے اور اپنی اصلاح کرلے تو پھر گزشتہ کو بھول جانا چاہئے اور اس پر زیادتی کرنے کے بہانے نہیں ڈھونڈنے چاہئیں۔ آئندہ کا خیال رکھنا چاہئے۔ یاد رکھو کہ مرد کو بھی اور عورت کو بھی اللہ کے حضور جواب دینا ہے کہ دونوں ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ یقیناً اللہ بہت عظمت کا مالک ہے۔ لوگ مخلوق ہو کر اپنے خالق کی نافرمانی کرتے ہیں۔ محتاج ہو کر اپنے اس پروردگار کی نافرمانی کرتے ہیں جو انہیں ہر وقت پالتا ہے۔ انسانوں سے ہمہ وقت کوئی نہ کوئی غلطی کوتاہی ہوتی ہے۔ ادنیٰ مخلوق ہو کر بندہ عظیم رب کی نافرمانی کرتا ہے اور اتنی عظمت کے باوجود وہ درگزر فرماتا ہے۔ اس کی مخلوق جب اس کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہے تو وہ معاف فرما دیتا ہے اور ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لئے اسے توفیق عطا کر دیتا ہے۔ بندے کو سوچنا چاہئے کہ وہ عظیم ذات خالق و مالک ہو کر مخلوق کی غلطیاں برداشت فرماتا ہے اور توبہ کرنے، رجوع کرنے پر معاف فرما دیتا ہے تو بندہ تو خود مخلوق ہے اسے اپنی حیثیت کا احساس رکھنا چاہئے اور اپنے جیسے انسان کے لئے درگزر کا رویہ اپنانا چاہیے اور خاتون ہو یا کوئی اور ماتحت ان سے درگزر کرنا چاہئے خصوصاً جب وہ اصلاح پذیر ہوں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اگر پہلے بیان کردہ امور کی پاسداری کرنے کے باوجود میاں بیوی میں چپقلش جاری ہے۔ بیوی نہیں مان رہی یا میاں نہیں مان رہا۔ بیوی کہتی ہے میاں کا قصور ہے۔ میاں کہتا ہے کہ بیوی کا قصور ہے تو پھر دونوں خاندانوں میں سے دو بزرگوں کو لو۔ دو سنجیدہ آدمی ثالث بنالو۔ ایک مرد کے خاندان سے جو میاں کی بات سنے۔ ایک خاتون کے خاندان سے جو خاتون کی بات سنے پھر وہ دونوں بزرگ سنجیدگی سے آپس میں طے کریں کہ کس کا کتنا قصور ہے۔ اسطرح ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔ یہ زندگی گزارنے کا اسلامی طریقہ کار ہے۔ لیکن ہوتا کیا ہے؟ بات کا پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہوئی۔ طلاق پہلے ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اللہ کے احکام کا اتباع کریں اور شرعی طریقے سے کریں تو نوبت یہاں تک نہ پہنچے۔ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ ثالثین اصلاح کی کوشش کریں لیکن یہ میاں بیوی کی نیتوں پر ہے کہ اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہوا تو اللہ ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ آپس میں موافقت پیدا کر دے گا اور ایک خاندان اجڑنے سے بچ جائے گا۔ بظاہر تو فوراً

طلاق دے دی جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس طرح دونوں خاندانوں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دو خاندان جو ایک دوسرے کے معاون بنتے تھے ان میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ چھوٹے بچے کسی قابل نہیں رہتے۔ گھر ٹوٹ جاتے ہیں اور بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جلد بازی میں فیصلے نہ کیا کرو اور یہ یاد رکھو کہ تم مخلوق ہو اللہ کے محتاج ہو اور میدان حشر میں اللہ کے سامنے جوابدہ بھی ہو۔

فرمایا اگر دونوں میاں بیوی مخلص ہوئے، انہیں کسی بات پر غلطی لگی، ان کا ارادہ بگاڑ کا نہیں تھا تو اللہ کریم ان کی اصلاح کر دے گا اور ان کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ اللہ کریم علم بھی رکھتا ہے اور باخبر بھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان کی نیت اور ارادے کیا ہیں۔ اصل بات یہ ہے بندہ اس بات کا خیال رکھے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا کہ اللہ کی عبادت کرنی ہے اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہیں کرنا۔ اسی بات کی وضاحت نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے کہ مومن کی دنیا بھی اس کا دین ہے یعنی دنیا کا ہر کام وہ اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہے۔ دین یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے لہٰذا مومن جب دنیوی امور میں اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی دنیا بھی دین ہوتی ہے۔

اللہ کے بندو! تم ایک دوسرے کو فتح نہ کرتے رہا کرو کہ بھائی، بھائیوں کو، پڑوسی، پڑوسیوں کو، رشتہ دار، رشتہ داروں کو نیچا دکھانے میں اپنی ساری قوت ضائع کرتے رہتے ہیں، فرمایا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں اپنی قوت صرف کرنے کے بجائے ساری طاقت اس بات پر لگا دو کہ تم کس درجے میں اللہ کی اطاعت کرتے ہو وَاعْبُدُوا اللّٰهَ اور اللہ کی عبادت کرو وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا اس کی ذات اور اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

شرکِ خفی:

بتوں کی پوجا کرنا، سورج یا آگ کی پوجا کرنا، ارواح اور فرشتوں کی عبادت کرنا کھلا شرک ہے اور اسے سمجھنا آسان ہے۔ شرک کی وہ قسم جو دلوں میں پوشیدہ ہے اسے اہلِ علم شرکِ خفی کہتے ہیں۔ یہ وہ شرک ہے کہ جو مدد اللہ سے مانگنی چاہئے اس کی امید اللہ کے سوا کسی دوسرے پر رکھ دی جائے اور یہ سمجھا جائے کہ یہ میرے کام کر دے گا اور اسکی رضامندی کے لئے اللہ کی نافرمانی کر دی جائے تو جسکو راضی کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے دراصل اسی کو عبادت کہتے ہیں اور عند اللہ یہ اسی بندے کی عبادت ہو رہی ہوتی ہے اللہ کی نہیں۔ اسلئے کہ عبادت اطاعت کا نام ہے اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ **لا طاعة المخلوق فی**

معصیة الخالق کہ اللہ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ بندوں کی ایسی اطاعت جو اللہ کی نافرمانی کر کے کی جائے، انہیں اپنا کارسازِ کُل مان کر اللہ کے احکام کو چھوڑا جائے، انہی سے اپنی امیدیں وابستہ کی جائیں تو یہ شرک خفی ہے اور بدترین فعل ہے۔ اللہ ہمیں معاف کرے ہماری اکثریت اسی میں مبتلا ہے۔ آج پورے پاکستان کے معاشی حالات درست نہیں ہیں تو جس کے کاروبار میں نقصان ہوتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ملک کے معاشی حالات درست نہیں ہیں اور اس کے کاروبار میں نقصان اس سبب سے آرہا ہے بلکہ وہ یہ یقین کئے بیٹھا ہے کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اگر کسی کی اولاد نہیں ہے تو وہ کہتا ہے کہ کسی جادوگر نے اسکی اولاد روک دی ہے۔ مسلمان کا تو یہ یقین ہے کہ جن ارواح کو اللہ نے پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے انہیں پیدا ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے تو کہتے ہیں کہ فلاں نے جادو کر دیا تھا لہٰذا وہ مر گیا۔ کیا یہ سب شرک نہیں ہے؟ اللہ کی کائنات کا نظام اتنا وسیع اور اتنا پیچیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اسے مکمل طور پر سمجھ ہی نہیں سکتا لہٰذا اسکی دی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا ہی اس نظام کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور زندگی پرسکون گزرتی ہے اور اللہ کے نظام میں کوئی کسی طور دخیل نہیں ہو سکتا بلکہ دخل اندازی تو دور کی بات ہے اسے کما حقہ سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ سائنسدانوں کی موجودہ تحقیق کے مطابق دنیا کی تمام معلوم مخلوق کے D.N.A کا مجموعی حجم اتنا ہے کہ اگر اسے ایک چمچ پر رکھا جائے تو بھی جگہ خالی بچ جائے گی اور ہر وجود کے D.N.A میں اس کی پوری زندگی کی کتاب موجود ہے۔ جس میں اس وجود کے پیدا ہونے سے مرنے تک کی تمام وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کا ریکارڈ ہے۔ یہاں تک تفصیل موجود ہے کہ اس کا قد کاٹھ، اس کی صحت کیسی ہوگی؟ اس کی عمر کے کتنے سال مہینے اور گھنٹے گزرنے کے بعد اسکا ایک بال سفید ہوگا۔ آنکھوں کی بینائی کب ختم ہونا شروع ہوگی۔ یعنی اس کے وجود کا پورا پروگرام، زندگی کی پوری روئیداد اس ایک D. N. A میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ **وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ** (16 سورۃ ق) میں تمہاری شہ رگ سے بھی قریب تر ہوں۔ شہ رگ بھی ذات باری کے دست قدرت میں ہے۔ شہ رگ بھی D.N.A سے بنی ہے اور اللہ کے بنائے ہوئے پروگرام کی پابند ہے تو پھر کون سا جادوگر ہے جو اللہ کے نظام میں مداخلت کر کے کسی کا کچھ بگاڑ سکے یا اللہ کے پروگرام سے ہٹ کر کسی کا کچھ سنوار سکے تو فرمایا اس بات کا خیال رکھو کہ ایک دوسرے کو فتح کرنے میں اپنی عمر ضائع نہ کر دو۔ بلکہ یقین کر لو تمہیں زندگی اللہ کا قرب تلاش کرنے کے لئے دی گئی ہے۔ اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کرو اور اللہ نے جو طاقت وقوت دی ہے اس کو اللہ کی رضا جوئی پر صرف کرو۔ **وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا** اور اللہ

کی عبادت کرو۔ بچوں کی اچھی پرورش کرنا بھی عبادت ہے۔ بیوی سے حُسنِ سلوک کرنا بھی عبادت ہے۔ اہل خانہ سے، بہن بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا بھی عبادت ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک:

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بندے پر پہلا حق اس کے والدین کا ہے اور اس آیتِ مبارکہ میں صرف حق کی بات نہیں۔ حق اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس سے بڑھ کر حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین کی دلجوئی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس چیز کی وہ خواہش کریں اگر وہ اس کے بس میں ہے تو والدین پر خرچ کرے اور کسی صورت والدین سے گستاخی کی اجازت نہیں۔ حتیٰ کہ کافر والدین سے بھی گستاخی کا کوئی جواز نہیں۔ ان کے والدین ہونے کا ادب وہیں رہے گا۔ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اطاعت نہیں ہوگی لیکن ان سے بات احترام سے کرے گا۔ بیٹے کے مال پر والدین کا پورا حق ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ جو کچھ کما کر لاتا ہے اس کے والد محترم سب خرچ کر دیتے ہیں۔ وہ انہیں اس بات سے کس طرح روکے کہ انکی دل آزاری یا گستاخی نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم بھی اور تمہارا مال بھی تمہارے والد کی ملکیت ہے۔ اگر تمہارے والد خرچ کرنے میں غلطی کر رہے ہیں تو اللہ ان سے حساب لینے والا ہے۔ تم ان سے حساب نہیں لے سکتے''۔ فرمایا والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آؤ' اچھائی کرو، ان کی عادات اور رویوں سے درگزر کرو، اپنی توجہ اللہ کی رضا کے حصول پر رکھو۔

وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آؤ۔ ان سے حُسنِ سلوک کرو، مروت کا برتاؤ کرو، غلطی ہونے پر بھی انہیں معاف کر دو، زیادتی کریں تو جائز حد تک برداشت اور درگزر کرو اور یہ سب کام اللہ کی رضا کے لئے کرو۔ یقیناً نیکی کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ اور مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ کچھ لوگ بے بس ہوتے ہیں ان کے پاس وسائل زندگی نہیں ہوتے۔ بعض کی صحت اچھی نہیں ہوتی۔ انہیں بھی اللہ کی مخلوق سمجھو۔ انسان سمجھو۔ جس قدر گنجائش ہو ان پر خرچ کرو۔ ان سے بات ان کی سطح پر کرو اور متکبرانہ انداز نہ اپناؤ۔ ہوسکتا ہے تمہارا ان کی تھوڑی سی دلجوئی کرنا تمہاری بہت سی خطائیں معاف کرانے کا سبب بن جائے۔ **وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ** اپنے پڑوسیوں سے نیک برتاؤ کرو۔ انہیں تکلیف نہ دو۔ وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے جاؤ۔ کسی مدد کی ضرورت ہو تو مدد کرو۔ **الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ** ایسے لوگ جن کے ساتھ کسی مجلس میں واسطہ پڑتا ہے وہ ساتھ بیٹھ جاتے ہیں، ملنے کو آ جاتے ہیں **وَابْنِ السَّبِيْلِ** ساتھ سفر

کررہے ہوتے ہیں توان کیلئے سہولت پیدا کرو۔ انہیں تنگ نہ ہونے دو۔ پریشان نہ کرو۔ ناپسندیدہ حرکات نہ کرو کہ دوسروں کو جگہ ہی نہ دو اور مسافروں ، پردیسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو۔ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اور جولوگ تمہارے اختیار میں دیئے گئے ہیں غلام ہوں یا ملازم تو اس بات کو دھیان میں رکھو کہ مالک تم نہیں ہو۔کل دنیا کا مالک وہ ہے جس نے جہان بنایا ہے اور اپنے جہان میں تمہیں اختیار دے دیا ہے اوران کا حصہ تمہارے مال میں رکھ دیا ہے۔تمہارے ذریعے سے انہیں وسائلِ معاش دیئے ہیں۔ وہ تمہاری ملازمت کرتے ہیں تو ان کے حقوق کا خیال رکھو۔ ان کا جو حق ہے وہ بروقت ادا کرو۔ ان سے اس طرح پیش نہ آؤ جیسے وہ انسان ہی نہیں۔ انہیں اپنے جیسا انسان سمجھ کر احترام دو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴿٣٦﴾ جولوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔فخر وغرور کرتے ہیں۔کسی زعم میں مبتلا ہوکر اکڑتے ہیں۔اپنی بڑائی کے وہم میں مبتلا ہوکر دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ان کے حقوق چھینتے ہیں تو اللہ ایسے لوگوں کو کبھی پسند نہیں فرماتا۔ جو شخص اپنی بڑائی کا اسیر ہوجاتا ہے اس کا تکبرانہ کردار معاشرے کے لئے اس قدر نقصان دہ ہوتا ہے کہ یہ آیۂ کریمہ اسکا نتیجہ بتارہی ہے۔ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔اگر یہ صاحبِ مال ہوں تو مال میں بخل کرتے ہیں۔صاحبِ علم ہوں تو علم پہنچانے میں بخل کرتے ہیں۔صاحبِ اقتدار ہوں تو عدل وانصاف کرنے کے بجائے حیلوں حوالوں سے اپنے اقتدار کو طول دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر متکبر اور شیخی خور شخص کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتا اور خود کو دوسروں پر مسلط رکھنے کے حربے کرتا رہتا ہے۔ وطنِ عزیز میں ایک ایسا طبقہ ہے جن کے پاس بے پناہ دولت ہے، جاگیریں ہیں، کروڑوں روپے خرچ کر کے وہ الیکشن لڑ سکتے ہیں۔لیکن ان کے پڑوس میں کوئی بھوکا رہے یا مفلس اس کی خبرگیری نہیں کرتے۔ وہ عوام کے پیسوں پر عیش کرتے ہیں لیکن انہیں عام آدمی کی تعلیم کی فکر نہیں ہوتی۔ اپنے ہی ملازمین اور مزارعوں کے بچوں کو تعلیم کی سہولت میسر ہونے نہیں دیتے۔اپنی اولاد کو برطانیہ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں تک تعلیم دلواتے ہیں۔اپنے بچوں کے لئے تعلیم کی اہمیت کا اس قدر احساس ہے لیکن غریب کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کی اولاد کی رسائی تعلیم تک نہ ہونے پائے اور غریب کے لئے کوئی سکول نہ ہو۔ان کی اپنی صحت کو معمولی خطرہ لاحق ہو تو اعلیٰ ہسپتالوں تک جا پہنچتے ہیں بلکہ ملک سے باہر جا کر علاج کرواتے ہیں اور غریب آدمی مرتا رہے اسے درد کو آرام دینے والی ایک گولی بھی نہیں ملتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو خود بخل کرتے ہیں۔اپنی فرضی بڑائی کو قائم رکھنے اور بڑھاوا دینے کے لئے لوگوں کے حقوق دباتے ہیں۔ وَيَاْمُرُوْنَ

اَلنَّاسَ بِالْبُخْلِ اور دوسروں کو بھی اسکی تعلیم دیتے ہیں۔ اپنی نسلوں کو اپنے دوست احباب کو اسی روش کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہی کچھ سکھاتے ہیں۔ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ط اللہ نے جو نعمتیں اپنے کرم سے انہیں دے رکھی ہیں انہیں وہ دوسروں سے روک لیتے ہیں اور یہ بیماری اب دین پڑھانے والے طبقے میں بھی سرایت کرگئی ہے۔ اللہ معاف فرمائے دینی علم رکھنے والوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا اتنا دین پڑھ جائے کہ ان کی اجارہ داری کے لئے خطرہ بن جائے۔ یہ وہ عادات ہیں جو یہود و نصاریٰ کے علماء میں پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے خاندانوں کو ہی پڑھاتے اور نسلاً درنسلاً گدی نشین بنادیتے لیکن دوسروں کو اس طرف نہیں آنے دیتے تھے۔ ہندوؤں میں بھی برہمن اونچی ذات ہے ہر اچھی چیز تک ان کی رسائی ہے۔ جو برہمن کے حقوق ہیں وہ کسی دوسرے کے نہیں۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کے ربی اور پادری دین کی باتوں کو ایک خاص دائرہ اثر تک محدود رکھتے ہیں۔

دین اسلام اللہ کی امانت ہے اللہ کے رسول ﷺ کی امانت ہے اور ساری انسانیت کیلئے ہے:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (بخاری) اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ جس بندہ مومن کے پاس میرا ایک جملہ بھی ہو وہ اس کے پاس امانت ہے وہ اسے میری طرف سے دوسروں تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ ساری انسانیت کے نبی ﷺ ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے ارشادِ عالی، سنتِ مطہرہ، آپ ﷺ کے قول و فعل کا کوئی جملہ، کوئی طریقہ اگر کسی کے پاس ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بہت بڑا عالم ہی ہو تو بات کرے بلکہ وہ اتنی ہی بات آگے پہنچادے بغیر کوئی کمی بیشی کئے۔ لیکن اسے خود تک روک کر نہ رکھے۔ نہ اس کام کو اپنی بڑائی کا ذریعہ بنائے نہ حصول زر کا ذریعہ بنائے۔ صرف حکم پورا کرتے ہوئے وہی بات دوسروں تک پہنچادے۔ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۳۷﴾ فرمایا وہ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں تک پہنچانے سے روکنا۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دین کو چھپانا، اس میں آمیزش کرنا، مال کے عوض غلط باتیں پھیلانا۔ دین کے نام پر غلط رسومات و رواجات بنانا، ان کی ترویج کرنا، ان کی اشاعت کرنا۔ یہ تمام افعال مومنین کے نہیں ہوسکتے۔ یہ عادتیں ان کی ہیں جنہیں نورِ ایمان نصیب نہیں۔ یہ افعال کافر کے ہیں، مومن کے نہیں۔ مومن تو وہ ہے کہ جسے اللہ نے جو دیا وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ دوسروں کے آرام کا خیال رکھتا ہے۔ ان کی تعلیم، روزگار کے ذرائع بہم پہنچانے کا احساس رکھتا ہے تو کافر جیسا عمل کرنے والے کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کفر کا انجام کیا ہے۔ کافروں کے لئے اللہ نے بڑے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ عذاب الٰہی کا تو نام ہی دل دہلا دینے کے لئے کافی ہے۔ پھر

اس عذاب میں ذلت آمیزی بھی ہو تو اللہ اس سے پناہ دے۔ بندے کو عمل کرتے ہوئے، سوچتے ہوئے، پڑھتے ہوئے، بیان کرتے ہوئے یہ احساس رکھنا چاہئے کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ کیا مشورہ دے رہا ہے یا اس کا عمل کیا ہے؟

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

فرمایا ان لوگوں میں ایک اور برائی ہے۔ وہ یہ کہ اگر کبھی مال کو خرچ کرنا ہو تو کسی کی بہتری پر خرچ نہیں کرتے۔ حقداروں پر خرچ نہیں کرتے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے بے دریغ مال خرچ کرتے ہیں۔ رِئَآءَ النَّاسِ لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے، اپنا رعب جمانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھنے کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا اللہ پر ایمان نہیں۔ اگر انہیں اللہ پر ایمان نصیب ہوتا تو آخرت پر بھی ایمان نصیب ہوتا۔ وہ یقیناً اللہ کے نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتے۔ آپ ﷺ کی غلامی کرتے اور اللہ کی مخلوق کا لحاظ کرتے۔ وہ کام کرتے جس میں اللہ راضی ہوتا۔

دراصل بات یہ ہے کہ نتائج کردار پر مرتب ہوتے ہیں زبانی دعوؤں پر نہیں۔ اگر کوئی نام دین محمد رکھ لے لیکن اس کا کردار مومنوں سے مختلف ہو تو وہ نام اس کے کام نہیں آئے گا۔

دلوں میں یقین کی کمی ہو تو کردار میں کافرانہ اعمال غالب آجاتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ دل وزبان سے اللہ پر، اللہ کے رسول ﷺ پر، آخرت پر، ایمان نصیب ہو جائے تو یہ ایمان اتباعِ رسول ﷺ پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں رہتا۔ اس میں سمجھوتوں کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ پورے خلوص کے ساتھ اتباعِ رسول ﷺ کرنا پڑتا ہے اور ریاکاری کرنے والوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یقین کی کمی ہے۔ اس کمی کے باعث ان کے کردار پر کافرانہ اعمال غالب آجاتے ہیں اور یوں شیطان ان کا رفیق کار بن جاتا ہے۔ انہیں مشورے دیتا ہے، انہیں ترغیب دیتا ہے۔ انہیں برائی پر مزید آمادہ کرتا ہے اور یہ مزید برائی میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا جس بندے کے ساتھ شیطان کی قربت ہوگی۔ جس کے ساتھ شیطان لگ گیا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔ شیطان تو نوعِ انسانی کا دشمن ہے۔ وہ تو کافر کا بھی دشمن ہے۔ وہ کافر سے بھی رعایت نہیں کرتا۔ اسے مزید گناہوں میں دھکیلتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ بندہ جو ایمان کا دعویٰ بھی رکھے اور شیطان سے دوستی بھی کرے۔ لہٰذا اپنے کردار کو دیکھنا چاہئے اس لئے کہ دنیا میں دو ہی طبقے ہیں، حزب اللہ اور حزب الشیطان۔ ایک اللہ کا لشکر ہے۔ دوسرا شیطان کا۔ ہر اطاعت گزار بندہ اللہ کا سپاہی ہے۔ اللہ کی اطاعت چھوڑ

کر شیطان کی اطاعت کرنے والے اسی کے ساتھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا الکفر مِلَّةٌ وَّاحِدٌ کفر ایک ہی ملت ہے۔ اس میں کفر کی تمام اقسام آ جاتی ہیں۔ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے لیکن سب میں قدرِ مشترک کفر ہے۔ لہٰذا سارے کافر، کافر ہوتے ہیں اور سارے مومن، مومن ہوتے ہیں۔ تو مومن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کفر کا کردار اپنائے۔ اس لئے کہ نتائج کردار پر مرتب ہوتے ہیں زبانی دعووں پر نہیں۔ لہٰذا مومن کو یہ دیکھنا چاہئے کہ شیطان کی قربت اور دوستی کا انجام کتنا بھیانک ہے۔ کفر کی یہ بڑی مصیبت ہے کہ زندگی میں شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الانعام آیت 121) اور شیاطین اپنے دوستوں کو مشورے دیتے ہیں اور غلط طریقے سکھاتے ہیں۔ شیطان جس کا مصاحب بن جاتا ہے پھر وہ اسے کفر میں لے جا کر دم لیتا ہے۔ اور کفر کیلئے اللہ نے بڑے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

وَ مَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ انہیں کیا ہو جاتا اگر یہ اللہ پر ایمان لے آتے۔ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ اور اللہ نے جو نعمتیں دی تھیں ان کے ذریعے وہ دوسروں کی عزت کا خیال رکھتے۔ ان کے اموال اور حقوق کا خیال رکھتے۔ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اور اللہ انہیں خوب جانتا ہے۔

زندگی تو چند روزہ ہے اور ہر آدمی ذاتی طور پر اپنے کردار سے آگاہ ہے اور کردار کا دائرہ کار بھی عموماً مختصر سا ہوتا ہے۔ ہم بمشکل صبح سے شام کرتے ہیں بہت ہمت کریں تو بچوں کے لئے روزی پیدا کرتے ہیں۔ اپنی ذاتی زندگی کا سامان مہیا کرتے ہیں اور اسی میں زندگی بیت جاتی ہے۔ اتنی سی کاوش میں بھی اگر ہم نے اللہ کا حکم نہ مانا۔ نبی کریم ﷺ کا اتباع نہ کیا۔ روزِ حشر کو سامنے نہ رکھا۔ تو زندگی پھر ضائع ہوگئی۔ بندے کے لئے یہ لمحہ فکر یہ ہے کہ وہ زندگی کو قیمتی سمجھے۔ یہی فرمایا جا رہا ہے کہ ان نافرمانوں کو کیا ہو جاتا ہے اگر یہ اللہ پر ایمان لے آتے۔ اور اس عذابِ عظیم سے بچ جاتے۔ فرمایا جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں جان لینا چاہئے کہ ان کی ہر حرکت و سکوت سے اللہ ذاتی طور پر واقف ہے۔ ان کی سوچ، ان کے ارادے اور ان کے عمل میں کوئی شے اللہ سے چھپی ہوئی نہیں۔ اور مجرم کی تو داستان ہی یہ ہے کہ ہر مجرم چاہتا ہے کہ وہ لوگوں سے چھپ کر جرم کرے۔ لیکن اللہ کو حاضر ناظر جاننے والا، علیم و خبیر ماننے والا، اللہ کے روبرو اس کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہے اور اگر نافرمانی کرتا ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ اسکے ماننے میں کمی یا کمزوری ہے۔ جس طرح ماننا چاہئے ویسے نہیں مان رہا۔ جس طرح کسی پیاسے کو پانی کا پیالہ مل جائے لیکن کوئی کہہ دے کہ اس پیالے میں زہر ہے تو وہ پیاسا رہنا برداشت کرلے گا لیکن وہ پانی نہیں پئے گا جب تک اس بات کی تحقیق نہ کرلے کہ کہنے

والا صحیح کہہ رہا ہے یا غلط۔ یہ کہنے والے کی ذات پر منحصر ہے کہ وہ کتنا قابل اعتبار ہے۔ اگر کہنے والے پر یقین ہے کہ وہ حق کہہ رہا ہے تو خواہ کتنی ہی پیاس ہو بندہ پیالہ پھینک دے گا نہ زہریلہ پانی رہے نہ ایسا برتن رہے۔ جب عام دنیوی امور میں یقین کی طاقت یوں کارفرما ہوتی ہے تو دین کے معاملے میں اس یقین کی اہمیت کس قدر زیادہ ہے۔

کائنات میں ایسا کون ہے جو ہر طالب کو یقین وایمان سے بہرہ ور کر سکے سوائے اللہ کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے۔ آپ ﷺ وہ ہستی ہیں جن کی صداقت پر دشمنوں نے بھی گواہی دی اور جن کے ارشاد مبارک پر اللہ کریم نے بڑے خوبصورت انداز میں گواہی دی۔ جب فرمایا وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (النجم آیات 3-4) میرا نبی کریم ﷺ دین کے معاملے میں لب کشائی نہیں کرتا جب تک اللہ کی طرف سے وحی نہیں آتی۔

جب ہمیں یہ یقین نصیب ہو جائے کہ قرآن حکیم نبی کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جاری ہوا اور احادیث مبارکہ میں الفاظ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ مفاہیم اللہ کے ہیں جو وحی الٰہی ہے اور اصدق الصادقین ہستی نبی کریم ﷺ ایک ایک عمل کے بارے ہدایت فرما رہے ہیں کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو کہ منع کئے گئے کام کرنے سے اللہ کی بارگاہ سے دور ہو جاؤ گے تو پھر ہم کس جرأت سے وہ کام کرتے ہیں اور اگر ہم کرتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ والا صفات کیساتھ ہمارا یقین نہیں ہے۔ اس طریقے سے ہر بندہ اپنے ایمان کا جائزہ لے سکتا ہے کہ اپنے کردار کے حوالے سے پہچان سکتا ہے کہ اس کا اپنے نبی کریم ﷺ سے ایمان ویقین کا کتنا تعلق ہے۔ لیکن ہماری یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم سب دوسروں کے عیب تلاش کرتے رہتے ہیں اور سارا دن اسطرح کی گفتگو کرتے ہیں کہ فلاں نے جھوٹ بولا، فلاں نے یہ غلط کیا یا وہ غلط کیا اور چوبیس گھنٹوں میں ہمارے پاس فکر کے لئے چوبیس سیکنڈ بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنا محاسبہ کر سکیں کہ مجھے میرے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے کیا حکم دیا ہے؟ شریعت نے کیا بتایا اور میری سوچ کیا بتا رہی ہے؟ مساجد میں جو لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ دن دہاڑے ڈکیتیاں کر رہے ہیں۔ مسافر لوٹے جا رہے ہیں۔ کیا ان کاموں میں ملوث لوگوں کو کوئی خیال ہے کہ حضور ﷺ ان سے اس بات پر خفا ہوں گے؟ اور اللہ انہیں اس بات پر کتنی سزا دے گا؟ جب دنیا میں ایسے انسانوں کی بھرمار ہو تو پھر نوبت یہاں آن پہنچتی ہے کہ ہمارے دیہاتی علاقوں میں خواتین گھاس کاٹنے جاتی ہیں، لکڑیاں جمع کرتی ہیں اور ان کے گھر والے انہیں بے دھڑک

جنگل میں بھیج دیتے ہیں لیکن گاؤں کے بازار میں کچھ خریدنے کے لئے بھیجنے کی جرأت نہیں کرتے یعنی جنگلی درندوں سے ڈر نہیں لگتا لیکن انسانوں سے ڈر لگتا ہے۔ گمراہی کا یہ عالم ہو چکا ہے کہ اپنے نبی کریم ﷺ سے تعلق توڑ کر گمراہی کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جنگل ویرانے میں چارہ کاٹنے ،لکڑیاں لانے یا گھاس کاٹنے کے لئے ہم بچیوں کو بھیج دیتے ہیں لیکن کسی دوکاندار سے سودا لینے نہیں بھیج سکتے۔ جن انسانوں سے اتنا خطرہ ہو کہ یہ توہین کریں گے، آبرو میں خیانت کریں گے تو اس انسان کی انسانیت کا کیا فائدہ اور پھر اس پر دعویٰ اسلام بھی ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہے! لوگ گھر سے حصولِ معاش کے لئے نکلتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ حکومت نے گرفتار کر لیا اور پھر رقم لے کر چھوڑ دیا۔ اب عام چور اچکے ہی نہیں کرسی صدارت پر بیٹھنے والے بھی اغوا کر رہے ہیں۔ اگر گلہ بان ہی اپنی بھیڑوں کو مارنا شروع کر دے تو پاسبانی کون کرے گا اور وہ گلہ کب تک قائم رہے گا؟ عوام کو تحفظ دینا ان کے حقوق کی حفاظت کرنا یہ کام جن کے ذمے تھا وہی لوٹ مچانے لگے۔ ہر نئی حکومت کی طرح یہ حکومت بھی وہی نعرے دہرا رہی ہے کہ اقتدار میں آ کر وہ عوام کو حقوق دیں گے لیکن انہی لیڈرانِ کرام سے اگر پوچھا جائے کہ عام آدمی کا حق کیا ہے جو حکومت کے ذمے ہے تو شاید وہ بتا ہی نہیں سکتے۔

اسلامی حکومت ہو تو اس پر لازم ہے کہ مومن تو مومن کوئی غیر مسلم جو ملک کا شہری ہے اس کی جان کی حفاظت کی جائے ، اس کے مال کی، آبرو کی حفاظت کی جائے۔ اسے اور اس کے اہل وعیال کو تمام شہری حقوق حاصل ہوں علاج وتعلیم اور رہائش کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔ اور یہ نعرے لگانے والے اور کھوکھلے وعدوں پر اقتدار میں آنے والے کیا کرتے ہیں؟ ایچسن کالج اور برن ہال میں کس طبقے کے بچے پڑھ سکتے ہیں؟ انہی اداروں کے ملازمین کے بچوں کو کیا وہاں پڑھنے کی اجازت ہے یا ان کے لئے علیحدہ سکول ہیں جہاں یہ نظام ہو وہاں حکمران عوام کو کیا حق دیں گے؟

سیلاب آجائے تو غریبوں کو سود پر پانچ پانچ ہزار دیئے جاتے ہیں۔ سود کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے مکان ضبط کر کے نیلام کر دیئے جاتے ہیں پھر ان میں سے جس کے پاس کچھ زمین ہو وہ بیچ کر گھر بچا لیتا ہے۔ یہ کیسا نظام ہے کہ غریب کو قرض معاف نہیں ہوتا اور طبقہ امراً کا کھربوں کا قرض معاف ہو جاتا ہے۔ پچھلے ایک سال کی فہرست دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتنے امیروں نے قومی خزانہ سے قرض لیا اور حکومت نے معاف کر دیا۔ صاحب اقتدار نے پچاس ارب قرض لینے والوں کو قرض معاف کر دیا اور پانچ ہزار والے نادہندہ کا مکان نیلام کر دیا۔ جو حکومت جا رہی ہے اسکے داغ ہائے نمایاں سامنے ہیں۔ آنے

والے اقتدار کے حریص ہیں ان کا اپنا ایجنڈا ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اس کردار کے لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے رہیں ان کا کردار ظالمانہ ہے اور ظلم کافر کرتا ہے مومن نہیں کرتا اور ظالم کو وہی نتائج بھگتنے ہوں گے جو کافر کو جھیلنے ہوں گے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ سے کسی کا کچھ پوشیدہ ہے۔ وہ ذات ہر ایک سے ہر وقت باخبر ہے۔ عوام کو تو حکمران نو سال سے اقتصادی ترقی کے اعداد و شمار دکھاتے رہے کہ ملک میں موبائل فون ہر ایک کے پاس آ گیا ہے یہ ترقی کی علامت ہے۔ گاؤں تک موٹر سائیکلیں زیرِ استعمال ہیں۔ یہ ترقی ہے اور تبدیلی حکومت کیساتھ ہی اعلان ہو گیا کہ ملک معاشی طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ خزانے میں جو کچھ تھا وہ حکمران طبقے کی نذر ہو گیا ہے اور جرائم غریب کے لئے رہ گئے تو ان عرش نشینوں کو نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ بھی ہمارے جیسے ہیں۔ اسی مٹی سے بنے ہیں اور اس مٹی میں چند ہاتھ زمین میں انہیں بھی دفن ہونا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ عوام کو پتہ نہیں چلنے دیں گے۔ لیکن یاد رکھو لوگوں نے ان کا حساب نہیں لینا ہے۔ حساب اس نے لینا ہے جو ہر لمحے سے واقف ہے۔ **وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾** فرمایا اللہ کریم تمہیں خوب جانتے ہیں۔ تمہاری کوئی سوچ، کوئی ارادہ، کوئی حرکت اور کوئی عمل اللہ سے پوشیدہ نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اللہ خوانخواہ کسی کو سزا دے۔ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ** رائی سے بھی کم تر مقدار میں بھی اللہ کریم کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ یہ اسکی شان کے خلاف ہے۔ وہ عدل کرتا ہے۔ اس کے عدل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنے کی تیاری کرو۔ اس کی شانِ عدل بھی بہت بلند ہے اور اس کی شانِ کریمی کی کوئی حد نہیں۔ وہ فرماتا ہے **وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾** اللہ کریم کسی عمل کرنے والے کے عمل کا حق نہیں رکھتا۔ بندہ جو نیکی کرتا ہے وہ تھوڑی ہوتی ہے اور اللہ کریم جو اجر دیتا ہے وہ بے شمار گنا زیادہ ہوتا ہے۔ جبکہ گناہ پر سزا بڑھا کر نہیں دیتا۔ اتنی ہی دیتا ہے کہ جتنی مقرر ہو۔ اللہ اپنے بندوں کو ان کی نیکیوں پر اجر اپنی شان کے مطابق بڑھا کر دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے ولی تھے۔ صاحبِ حال تھے اور صوفیاء میں ان کا بہت بلند مقام ہے۔ وہ امیر آدمی تھے۔ توشہ خانے میں اللہ کی نعمتوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ ایک دن ان کے پاس ایک خاتون ایک چھوٹا سا پیالہ لے کر شہد لینے آئی کہ اس کا بچہ بیمار تھا اور اسے شہد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اپنے ملازم سے کہا کہ توشہ خانے سے شہد کا ایک مشکیزہ لا کر اس خاتون کو دے دو۔ اس زمانے میں بکری کی کھال کے مشکیزے بنا کر اس میں شہد ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ ملازم نے شہد دے دیا اور خاتون کے جانے کے بعد

عرض کی کہ وہ خاتون تو صرف ایک پیالہ شہد لینے آئی تھی آپ نے اسے اتنا بڑا مشکیزہ دے دیا؟ انہوں نے فرمایا مجھے اللہ نے ایسے بیسوں مشکیزے دے رکھے ہیں۔ مجھے اللہ سے شرم نہ آتی اگر میں اسے ایک پیالہ دے دیتا کہ اللہ نے تو مجھے اتنا دیا ہوا ہے اور میں اسکے بندوں کو اتنا کم دوں۔ اس نے اپنی حیثیت کے مطابق سوال کیا تھا میں نے اللہ کی دی ہوئی اپنی حیثیت کے مطابق دے دیا۔

سوچئے اگر اللہ کے بندوں کا یہ عالم ہے تو پھر اللہ خود نیکی کا بدلہ کتنا دے گا! **وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً** اگر تم چھوٹی سی بھی نیکی کرو گے **يُّضٰعِفْهَا** اللہ اسے بڑھائے گا اور بدلہ اپنی شان کے مطابق دے گا۔ **وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا** ﴿۴۰﴾ وہ اپنی طرف سے اتنا دے گا کہ اسے تم شمار نہیں کر سکو گے اور یہی کہو گے کہ بہت زیادہ بہت ہی زیادہ اور بہت بڑا معاوضہ ملا ہے۔

پھر حیرت ہے کہ اتنے کریم ربّ کا حکم چھوڑ کر یہ شیطان کی بات مانتے ہیں جو انہیں لے کر دوزخ میں جاتا ہے سو بندے کو اپنی سوچوں، اپنے ارادوں اور اپنے کردار کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ اپنا حساب اس دن سے پہلے کرو جب تم سے حساب لیا جائے گا۔ موت سے پہلے اپنا محاسبہ کرتے رہو۔ خود کو دار دنیا کی مہلت عمل کے زمانے میں ہی تلاش کرلو۔ دنیا میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اپنے آپ کو تلاش کر لیتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور جو قدم غلط جگہ پڑ چکا ہو وہ اسے اٹھا لیتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور اپنی صحیح جگہ آجاتا ہے۔ جو اس کے لئے بحیثیت مومن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر فرمائی ہے۔ **فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا** ﴿۴۱﴾ وہ وقت کتنا عجیب ہو گا جب ہر امت میں سے گواہ لائے جائیں گے۔ فرمایا اس وقت لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدانِ حشر میں تمام انسانوں کو اپنی اپنی امتوں میں جمع ہونا پڑے گا اور ان کے نبیؑ کو گواہی کے لئے طلب کیا جائے گا اور انسانوں پر یہ بڑا کڑا وقت ہوگا۔

زمین و زمان کی فضا نورِ نبوت سے کبھی خالی نہیں رہتی:

دراصل انسانیت کی ابتداء سے قیامِ قیامت تک کوئی فرد ایسا نہیں ہے کہ جو کسی نہ کسی نبیؑ کی امت میں سے نہ ہو۔ دنیا میں ہمیشہ سے انبیاء کرامؑ تسلسل سے تشریف لاتے رہے ہیں اور تعلیمات و برکاتِ نبوت دنیا سے کبھی ختم نہیں ہوئیں۔ اللہ کریم ہر عہد میں نیا نبی مبعوث فرماتے رہے بلکہ ایک وقت میں مختلف علاقوں میں مختلف قوموں میں متعدد نبیؑ ہوئے بلکہ ایک ایک اُمت میں کئی کئی نبیؑ رہے یعنی انسانیت کی کوئی جماعت ایسی نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا طبقہ ہے جو رسالت کی روشنی سے خالی رہا ہو۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے پانچ چھ سو

سال کا دور ایسا ہے کہ عیسیٰؑ کی بعثت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات تک کوئی نبی نہیں ملتا۔ اسے عہدِ فترت کہتے ہیں لیکن اس عہد میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعلیماتِ نبوت دنیا سے ختم ہو گئیں۔ اللہ کریم نے ہر دور میں یہ آسانیاں فرما دی ہیں۔ کسی زمانے کا کوئی فرد کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں ساری زندگی اس تک تعلیماتِ نبوت نہ پہنچی ہوں تو وہ شب و روز کے آمد و رفت، موسموں کے تغیر و تبدل اور اللہ کی کائنات کو دیکھ کر یہ اندازہ کر لے کہ کوئی اس کا بنانے والا بھی ہے اور اس کو چلانے والا بھی ہے اور وہ یہ مان لے کہ اتنا عظیم الشان نظام بغیر کسی چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو وہ عند اللہ مسلمان شمار ہوگا۔ یہی اس کا اسلام ہوگا۔ عہدِ فترت میں بھی یہی معیار رہا اور آج بھی یہی اصول ہے کہ جہاں کسی تک ساری زندگی تعلیماتِ نبوت نہ پہنچیں۔ وہ نظامِ کائنات پر تدبر کر کے اللہ کی واحدانیت پر ضرور ایمان لا سکتا ہے۔ سو کوئی عہد بھی رسالت کی برکات سے خالی نہیں رہا۔ عہد فترت بھی نہیں۔ ہر ہر فرد تک برکاتِ بنوت و رسالت کا نہ پہنچنا اور بات ہے اور دنیا سے نابود ہو جانا دوسری بات ہے۔

صحابہؓ میں حضرت سلمان فارسیؓ اس کی مثال ہیں۔ ان کی پوری زندگی تلاشِ حق کی جستجو میں گزری۔ بہت صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کر کے آخری عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ تلاش حق کے لئے بے شمار سفر کئے۔ وقت کے عالموں، راہبوں کے پاس گئے۔ کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اپنے سفر میں ایک عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ وہ عالم لوگوں سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے۔ گاہے بگاہے کچھ لوگ ان کے پاس آ جاتے، بیٹھتے اور پھر چلے جاتے لیکن وہ کسی سے کلام نہیں فرماتے تھے۔ صحابیؓ رسول فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں ڈیرا ڈال دیا اور عرض کی کہ تلاشِ حق میں میری رہنمائی فرمائیں لیکن وہ خاموش رہے پھر جب ان کا وقت موعود آ پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس وقت دنیا میں آخری آدمی ہوں جس کے پاس وہ سچا دین ہے جو عیسیٰؑ لائے تھے لیکن لوگوں نے رسومات و رواجات کو دین بنا کر اصل دین سے اپنے آپ کو اتنا دور کر لیا ہے کہ اگر میں سچے دین کی بات کروں تو لوگ مجھے بے دین کہہ کر قتل کر دیں گے۔ فرمایا اب چونکہ میرا وقت قریب آ گیا ہے لہٰذا اب اگر میں تمہیں دینِ عیسوی کی تعلیم کروں تو تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اسلئے کہ اب نئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آن پہنچا ہے اب میں تمہاری یہ رہنمائی کر سکتا ہوں کہ جب میرا وصال ہوگا تو وہی لمحہ ہوگا جب نئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہو رہا ہوگا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بطحا میں مبعوث ہوں گے۔ جب میری روح قبض ہو گی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعلان ہو رہا ہوگا۔ اسلئے کہ زمین و زمان کی فضا نورِ نبوت سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ لہٰذا میرے دنیا سے رخصت ہو جانے

کے بعد میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر تم اپنا سفر جاری رکھنا۔ پھر ان بزرگ کا وصال ہو گیا تو کچھ عرصہ بعد بنو کلاب کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ میں عرب کے لئے روانہ ہوا۔ وادی القریٰ پہنچے تو ان لوگوں نے بدعہدی کی اور مجھے غلام بتا کر یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہاں سے مجھے مدینہ منورہ کے ایک شخص نے خرید لیا اور میں وہیں غلامی کے دن گزارتا رہا اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے دار الہجرت ہونے کی تمام علامتیں موجود پا کر وقت مقررہ کا انتظار کرتا رہا۔ ماہ و سال اسی طرح گزرتے رہے۔ بالآخر آپ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی اور مجھے اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور تمام عمر کی بے چینی کو قرار آ گیا۔

اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ واضح ہو جائے کہ اللہ کریم نے کسی اُمت، کسی جماعت اور کسی زمانے کو کسی نبیؑ کی نبوت کے بغیر جاری نہیں رکھا۔ اس آیۂ مبارکہ میں بھی یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اس وقت کیا حال ہو گا جب سب انسانوں پر گواہ لائے جائیں گے اور جب اللہ کے نبیؑ اور رسولؑ یہ شہادت دے رہے ہوں گے کہ انہوں نے اللہ کے دین کو من وعن لوگوں تک پہنچا دیا تھا پھر لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو اس کے ذمہ دار لوگ خود ہیں۔ اس وقت نافرمان لوگ انکار کر دیں گے کہ اللہ کا دین تو ان تک پہنچا ہی نہیں۔ انہیں تو کسی نے احکام الٰہی نہیں بتائے۔ اس وقت اللہ کریم اُمتِ مرحومہ کو حضور ﷺ کی امت کو طلب فرمائیں گے اور آپ ﷺ کے اُمتی یہ شہادت دیں گے کہ انبیائے کرام حق فرما رہے ہیں اور منکرین جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آپ کا دین ہمیں پہنچایا۔ آپ کی کتاب پہنچائی۔ اس کتاب قرآن حکیم نے ہمیں واقعات بتائے کہ کس طرح انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور کس طرح انہوں نے حق تبلیغ ادا کیا لہٰذا ہم آپ کے عطا کردہ قرآن حکیم کی باتوں کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ امت کے گواہوں کے اس انبوہ پر آپ ﷺ کی شہادت ہو گی۔ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ یہ افراد واقعی میرے اُمتی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرا پیغام قبول کیا اور اپنی زندگیاں میری اطاعت اور میری غلامی کے لئے وقف کر دیں۔ جن کی موت و حیات اور روزمرہ کے معمولات زندگی میرے حکم کے مطابق تھے۔

یہ صرف پہلی امتوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اُمت مرحومہ کو بھی اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا ہمارا روزمرہ کا معمول زندگی، جینا و مرنا اس قابل ہے کہ حضور ﷺ اسے قبول فرمائیں گے کہ یہ میرا اُمتی ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ وہ لوگ جو خود کو مسلمان کہتے رہے۔ جو بعثتِ عالی کے بعد دنیا میں آئے اور اسلام کا دعویٰ کرتے رہے۔ وہ اٹھ کر اس طرف دوڑیں گے جہاں حضور ﷺ اور لوائے الحمد یعنی حمد کا جھنڈا ہو گا تاکہ اسکے سایے میں آ سکیں۔ تب حضور ﷺ اللہ کریم کی بارگاہ میں عرض

کریں گے کہ ان لوگوں کو مجھ سے دور رکھ میری طرف نہ آنے دے اور ساتھ ہی اسکی وجہ عرض کریں گے **یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا** ○ (الفرقان آیت 30) کہ یہ وہ لوگ ہیں دنیا میں انہوں نے قرآن کریم کو اپنی زندگیوں میں داخل ہونے نہیں دیا تھا۔ ان کا کردار قرآن کے خلاف تھا۔ ان کے معمولات زندگی اللہ کے حکم کے خلاف تھے۔ انہوں نے اللہ کی کتاب کو ماننے کا حق ادا نہیں کیا۔ اور اسی طرز پر زندگی گزار آئے لہٰذا اب انہیں حق نہیں پہنچتا کہ یہ میری بارگاہ میں حاضر ہوں۔

اللہ کریم یاد دلا رہے ہیں کہ اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء کو گواہی دینے کے لئے بلایا جائے گا۔ اس وقت تمہی لوگوں میں سے کچھ خوش نصیب وہ ہوں گے جو سچے ایماندار اور حضور ﷺ کی غلامی میں زندگی بسر کر کے سرخرو ہوں گے۔ جو پہلی اُمتوں کے منکرین پر گواہ ہوں گے اور جن پر حضور ﷺ شہادت دیں گے اور انہیں اپنائیں گے کہ یا اللہ! تیرے یہ بندے میرے اُمتی ہیں اور حضور ﷺ کا اپنانا اُمتی کے اس دردِ دل پر ہوگا، اس محبت پر ہوگا، اس ایمان و یقین پر ہوگا اور اس نسبت پر ہوگا جو اسے آقائے نامدار ﷺ سے نصیب ہوئی ہوگی۔

محبت کا دعویٰ تو ہم کرتے ہیں لیکن محبت کے معیار پر خود کو پرکھنا چاہئے محبت کا اصول ہے کہ **ان المحب لمن یحب مطیع** محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا غلام ہو جاتا ہے اس کی ہر بات مانتا چلا جاتا ہے سو حضور ﷺ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیاں حضور ﷺ کے اتباع میں بسر کریں اپنے معمولات کو حضور ﷺ کی غلامی میں لے جائیں۔

دو طرح کے لوگ:

فرمایا **یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ** وہ دن دونوں طرح کے لوگوں کیلئے بہت بھاری ہوگا۔ ایک وہ جنہوں نے کفر کیا۔ حضور ﷺ کی دعوت کو قبول ہی نہ کیا اور دوسرے **وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ** وہ جنہوں نے قبول کرنے کا دعویٰ کیا لیکن رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور زندگی آپ ﷺ کے احکام کے خلاف گزاری۔ تو وہ اس دن آرزو کریں گے **لَوۡ تُسَوّٰی بِھِمُ الۡاَرۡضُ** ؕ کاش وہ پھر عدم میں معدوم کر دیئے جائیں۔ انہیں پھر خاک کے اجزاء میں منتقل کر دیا جائے۔ ان کے وجود ریزہ ریزہ ہو جائیں اور وہ مٹی میں مل جائیں لیکن اسوقت ایسا نہیں ہوگا۔ **وَ لَا یَکۡتُمُوۡنَ اللّٰہَ حَدِیۡثًا** ﴿۴۲﴾ بلکہ وہ وقت تو ایسا ہوگا کہ کوئی ذرا سی بات بھی اللہ سے چھپا نہیں سکے گا۔ ہر چیز سامنے ہوگی کس نے کیا سوچا؟ کیا کہا؟ کس کے دل میں اللہ کے ساتھ اللہ کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کتنا خلوص ہے؟ یہ ساری کیفیات اور تمام واقعات سامنے ہوں گے۔

النساء آیات 43 تا 50 رکوع 7

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو اور حالت جنابت میں بھی باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے یہاں تک کہ غسل کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمّم کر لیا کرو یعنی (اس زمین پر دوبار ہاتھ مار کر) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر (ہاتھ) پھر لیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں ﴿۴۳﴾ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک بڑا حصہ ملا ہے وہ لوگ گمراہی کو اختیار کر رہے ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ تم راہ سے بے راہ ہو جاؤ ﴿۴۴﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی رفیق ہے اور اللہ تعالیٰ کافی حامی ہے ﴿۴۵﴾ یہ لوگ جو یہودیوں میں سے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور یہ کلمات

کہتے ہیں **سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا** ہم نے سنا اور نہ مانا اور **وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ** تو سُن (ہماری) نہ سنی جائے (تیری) اور **رَاعِنَا** اس طور پر کہ اپنی زبانوں کو پھیر کر اور دین میں طعنہ زنی کی نیت سے اور اگر یہ لوگ یہ کلمات کہتے **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** ہم نے سن لیا اور اطاعت کی اور **وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا** (حضور ﷺ) ہماری بات سنئے اور ہم پر نظرِ التفات فرمایئے، تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور موقع کی بات تھی مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لائیں گے ہاں مگر تھوڑے سے ﴿۴۶﴾ اے وہ لوگو جو کتاب دیئے گئے ہو تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے جو تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو بالکل مٹا ڈالیں اور ان کو ان کی الٹی جانب کی طرف بنا دیں یا ان پر ہم ایسی لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر ہی رہتا ہے ﴿۴۷﴾ بے شک اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشتا جو اس کا شریک کرے اور شرک کے سوا دوسرے گناہ جسے چاہے بخشتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا ہی گناہ کیا ﴿۴۸﴾ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتاتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بنا دیں اور اُن پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا ﴿۴۹﴾ دیکھ تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور یہی بات صریح مجرم ہونے کے لیے کافی ہے ﴿۵۰﴾

صلوٰۃ اللہ کا انعام ہے اور ہر ایک کیلئے ہے:

صلوٰۃ اللہ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ اگر کوئی اس کی قدر پہچان سکے تو اسے پتہ چلے کہ اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور اللہ جل شانہٗ نے اپنی رحمت کو کتنا عام کر دیا ہے کہ ہر مسلمان مرد یا عورت دن میں پانچ مرتبہ اللہ سے روبرو ہو کر محو گفتگو ہوتا ہے۔ اللہ کی عظمت بیان کرتا ہے۔ رکوع و سجود کرتا ہے۔ اللہ کریم کے اس عظیم انعام کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے **الصلوٰۃ معراج المومنین او کما قال رسول اللہ**

صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا صلوٰۃ مومن کی معراج ہے اور یہ کہ صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے شخص کے سامنے سے نہ گزرو فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ (بخاری) کہ وہ تو اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ درد دل کہہ رہا ہے۔ وہ متوجہ الی اللہ ہے۔ اپنے رب سے اپنی کہہ رہا ہے تو اسکے اور رب کے درمیان نہ آؤ۔ اللہ کریم نے اپنی اس نعمت کو ہر ایک کے لئے عام کر دیا ہے کہ بندہ جب نیند سے بیدار ہو تو وضو سے فارغ ہو کر سب سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو۔ اس کی عظمت کا اقرار کرے۔ اس کی توحید کا اقرار کرے۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرے پھر اپنی عاجزی کا اقرار کرے۔ خود کو طالب بنا کر اللہ سے ہدایت مانگے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یا اللہ! مجھے ہدایت اور صحیح راستہ پر قائم رکھ۔ اس راستے پر چلنے کی توفیق بخش جس پر تیرے انعام یافتہ لوگ چلے۔ ہمیں ہدایت کی توفیق عطا فرما جو تو نے اپنے پیارے بندوں کو عطا فرمائی۔ یوں بندہ اپنی حاضری بارگاہ الٰہی میں لگوا کر اپنا دن شروع کرے۔ سورج ڈھلے جب دوپہر کے کھانے کے لے وقفہ کرے تو صرف کھانا ہی نہ کھائے، صرف تھکاوٹ دور نہ کرے بلکہ صلوٰۃ ظہر بھی ادا کرے۔ اللہ کے حضور حاضر ہو کر عرض کرے کہ صبح حاضر ہوا تھا تیری توفیق سے آدھا دن تیری یاد کے ساتھ گزرا۔ اب باقی وقت کے لئے بھی خیر کر۔ اسی احساسِ تشکر کے ساتھ عصر پڑھے۔ مغرب پڑھے اور سونے سے پہلے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کی عظمت بیان کرے۔ اپنے عجز کا اظہار کرے اور دنیا و آخرت کی فلاح مانگے۔ اور اللہ کریم کا یہ انعام صرف وڈیروں، نوابوں، اور دولت مندوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے ہے۔ اسکے لئے بھی جس کی زمانے بھر میں کوئی بات تک سننا گوارہ نہیں کرتا۔ اللہ کی بارگاہ ہر ایک کے لئے کھلی ہے۔ ہر ایک کو اجازت ہے۔ جو چاہے حاضر ہو سکتا ہے۔ خواہ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کیساتھ، اپنی کمزوریوں خامیوں اور گناہوں کے ساتھ حاضر ہو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جب وہ میری بارگاہ میں پیشانی رکھ کر میری عظمت بیان کرتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ اللہ کا یہ انعام ہر اس فرد کے لئے ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان لے آئے جو حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔

سُکٰرٰی کا مفہوم:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى سُکٰرٰی سے مراد انسان کی وہ حالت ہے جس میں اس کے حواس درست نہ ہوں۔ زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہو اس کا مفہوم خود سمجھ نہ آ رہا ہو۔ نیند کا غلبہ ہو، غنودگی چھا رہی ہو اور اس قدر غلبہ ہو کہ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اسے خود بھی پتہ نہ ہو کہ وہ کیا لفظ ادا کر رہا ہے تو ایسی حالت میں صلوٰۃ ادا نہ کرے۔

اس آیت کے نزول سے پہلے حرمتِ شراب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور شراب عربوں کی گھٹی میں رچی ہوئی تھی لیکن کچھ صالح مزاج لوگ تھے جو عہد جاہلیت میں بھی شراب پینا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد تو بے شمار لوگوں نے شراب پینا چھوڑ دیا کہ جس حالت میں نماز ادا نہیں ہوسکتی اس حال میں زندگی بسر کرنے کا کیا فائدہ۔ تو سکرٰی سے مراد نشہ کی حالت ہے۔ خواہ وہ نشہ شراب کا ہو یا کسی بھی وجہ سے ہو۔ حواس کا مختل ہو جانا جس کے نتیجے میں انسان خود اپنے آپ سے غافل ہو جائے۔ **حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ** صلوٰۃ اس حالت میں ادا کرو کہ تمہیں خود پتہ ہو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اللہ کی بارگاہ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اس کے حضور کھڑے ہو کر اس سے مناجات کرتے ہوئے، اپنے دکھ بیان کرتے ہوئے، اپنے لئے ہدایت طلب کرتے ہوئے، عرض گزار ہونے والے کو سمجھ ہو کہ وہ کیا عرض کر رہا ہے۔ لہٰذا سکرٰی کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں نشے کی حالت بھی مراد ہے اور وہ حالت بھی مراد ہے جس میں بندے کو یہ احساس نہ رہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ خواہ ایسا بیماری کی وجہ سے ہو یا کسی نشے کے باعث ہو، تھکاوٹ کی وجہ سے، بھوک کے غلبے کی وجہ سے ایسی بیقراری ہو یا نیند کا غلبہ ہو۔ اور ہمارا تو یہ حال ہے کہ ہم نیت چار رکعت کی کرتے ہیں اور یہ یاد نہیں رہتا کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا دو۔ کبھی آدھی پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں۔ کبھی چار کی پانچ یا چھ پڑھ جاتے ہیں تو ایسی مدہوشی میں صلوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ کریم نے وضو کا حکم دیا ہے کہ اس طرح ہاتھ منہ دھونے سے بندہ تازہ دم ہو جاتا ہے حواس قائم کر کے تسلی سے ایک ایک جملہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

دورانِ صلوٰۃ وساوس آئیں تو کیا کرنا چاہئے:

وساوس کا راستہ بند کرنا چاہئے۔ جب انسان صلوٰۃ کی طرف متوجہ ہی نہ ہو۔ اُسے یاد ہی نہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہے تو انسانی ذہن کچھ اور سوچنے لگ جاتا ہے اور شیطان کو وساوس ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اگر صلوٰۃ میں پڑھی جانے والی سورتوں کے معنی یاد ہوں تو ذہن ان معانی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسانی ذہن ایک وقت میں ایک ہی کام کرتا ہے۔ دو چیزوں پر یکساں توجہ نہیں رکھتا اس لئے اگر معنی اور مفہوم پر غور و فکر ہو تو عظمتِ الٰہی کا احساس رہتا ہے اور شیطان کو دخل اندازی کا موقع نہیں ملتا یا بہت کم ملتا ہے۔ اگر اس کے باوجود وساوس آئیں تو اس کا علاج ارشاد نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ فرمایا کہ وسواس کی طرف توجہ نہ کی جائے اور وساوس کا رد کیا جائے۔ بندے کی اس محنت پر اسے جہاد کا ثواب ملتا ہے۔ تو شیطان اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ ہماری ادائیگی صلوٰۃ پر ہمارے درجات بڑھانے کا سامان کرتا رہے۔ اگر ہم پہلے سے اللہ کی

طرف متوجہ ہونے کے لئے ظاہری، باطنی توجہ کو اللہ کی طرف رکھنے کی کوشش کرتے رہیں تو وہ خود بھی ایسے بندے کی توجہ خراب کرنے سے کتراتا ہے کہ اگر اب اس نے وساوس ڈالے اور بندے نے رد کر دیئے تو اسے جہاد کا ثواب ملے گا لہٰذا وہ کتراتا ہے کہ اسے جہاد کا ثواب کیوں ملے۔ **وَ لَا جُنُبًا** کسی پر حالت جنابت ہو تو وہ بغیر غسل کیے صلوٰۃ ادا نہ کرے۔ **اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا** یا مسافر ہو اور پانی کا انتظام نہ ہو تو پھر کیا کرے؟ فرمایا جب تک غسل نہ کرلے صلوٰۃ ادا نہ کرے یعنی حالت ناپاکی میں ادائیگی صلوٰۃ نہ کرے **وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى** اور اگر تم بیمار ہو **اَوْ عَلٰى سَفَرٍ** یا سفر میں ہو **اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ** یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہے **اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ** یا اپنی زوجہ کے ساتھ رہا ہے **فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً** اور تمہیں پانی نہیں مل رہا **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** ﴿۴۳﴾ تو تیمّم کرلو۔ جو پاک بھی ہے اور مبارک بھی۔

تیمّم کی آسانی آلِ ابوبکرؓ کے سبب نصیب ہوئی:

ایک سفر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ اثنائے راہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار کہیں گر گیا۔ آپ ﷺ نے ہار کے تلاش کا حکم دیا اور آپ ﷺ بی بی صاحبہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما ہوئے۔ جہاں رکے تھے وہ جگہ ایسی تھی کہ پانی دستیاب نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ادائیگی صلوٰۃ کی فکر لاحق تھی۔ وہؓ خانہ نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضور ﷺ آرام فرما رہے ہیں تو سرگوشیوں کے انداز میں اپنی بیٹی عائشہؓ کو خفا ہونے لگے کہ آپ کے ہار گم کرنے کے سبب پورے لشکر کی ادائیگی صلوٰۃ مشکل ہو رہی ہے۔ اس وقت اللہ کریم نے تیمّم کی آیت نازل فرما دی اور ہار کی گمشدگی اس آیت، اس حکم، اس انعام کے نزول کا سبب بن گئی۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اے آلِ ابوبکرؓ اللہ آپؓ کو جزائے خیر دے۔ آپؓ کے سبب یہ نعمت اُمت کو عطا ہوئی۔ آپ ﷺ کی امت سے پہلے کسی اُمت کو تیمّم کی سعادت نصیب نہ ہوئی۔

تیمّم کے احکام و مسائل:

فرمایا اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ پانی تک رسائی نہ ہو یا مرض مانع ہو یا کوئی تکلیف دہ دشمن یا موذی جانور مانع ہو تو **فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا** جن صورتوں میں تیمّم کی اجازت ہے وہ یہ ہیں۔ پانی نہ ملتا ہو یا ملنے کی امید نہ ہو یا پانی تو موجود ہو لیکن پانی تک پہنچنے میں دشمن کا خطرہ ہو یا اتنا بیمار ہو کہ وضو نہ کر سکتا ہو۔ اور پانی سے بیماری بڑھنے کا خدشہ ہو۔

کن چیزوں سے تیمّم درست ہے:

مٹی اور مٹی کی قسم میں داخل چیزوں سے تیمّم درست ہے۔ مثلاً مٹی، ریت، پتھر، چونا وغیرہ جو چیز مٹی کے حکم میں نہ ہو اس سے تیمّم درست نہیں۔ جیسے سونا، چاندی، گیہوں، کپڑا، دھات، اناج وغیرہ۔ ہاں اگر ان چیزوں پر گرد وغبار ہو تو اس گرد وغبار پر تیمّم درست ہے۔ جو چیز آگ میں جلنے سے راکھ ہو جائے یا گل جائے اس پر تیمّم جائز نہیں۔ ہڈی یا گوبر پر تیمّم نہیں ہوگا۔ اینٹ یا سیمنٹ وغیرہ یا مٹی کی جو جنس آگ پر پکائی جاتی ہے اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا۔

تیمّم کا طریقہ:

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ مسح کرو ایک مرتبہ چہرے پر اور ایک مرتبہ بازوؤں پر۔ تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک مٹی پر لگائیں یا ماریں اور دونوں ہاتھوں کو ہلکا سا جھاڑ لیں تاکہ فالتو مٹی اتر جائے پھر دونوں ہاتھوں کو پورے چہرے پر خوب اچھی طرح پھیر لیں۔ اگر بال برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ گئی تو تیمّم نہ ہوگا لہٰذا پوری تسلی کے ساتھ چہرے پر ہاتھ پھیرے جائیں۔ انگوٹھی اور بازو میں پہنے گئے زیور کو بھی ہلا لیا جائے۔ عینک، گھڑی وغیرہ اتار لی جائے۔ پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر پہلے کی طرح جھاڑ کر دونوں بازو کہنیوں سمیت ملے اور ملتے ہوئے بال برابر جگہ نہ چھوڑے۔ انگلیوں کا خلال کرلے ان دو امور کے مکمل ہونے سے تیمّم ہوگیا۔ تیمّم کے شروع میں تیمّم کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرنے کا ارادہ اور نیت کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اللہ کریم معاف کرنے والے اور بخشنے والے ہیں۔ جو ذات پانی سے دھونے پر پاکیزگی عطا کرنے پر قادر ہے وہ تیمّم سے اس سے زیادہ پاکیزگی عطا کرنے پر قادر ہے۔ نیکی کا بس یہی تصور ہے کہ نیکی وہ بات ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو پسند ہے۔ یہ بات طے ہے کہ تیمّم اللہ کو پسند ہے۔ اس سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے لہٰذا اس تردد میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ غسل کی جگہ تیمّم کرلیا ہے تو پاکیزگی کیسے ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ وضو کرنے سے جلد پاک ہوتی ہے اور تیمّم کرنے سے ہڈیوں کا گودا تک پاک ہوجاتا ہے۔

تیمّم کب تک قائم رہتا ہے:

تیمّم اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک پانی نہ ملے۔ جو چیز پانی حاصل کرنے سے مانع تھی وہ

بیماری تھی یا دشمن کا خطرہ تو جب یہ موانع ختم ہو جائے تو پھر تیمّم بھی ختم ہو جائے گا۔ اگر غسل واجب ہے تو پانی ملتے ہی واجب غسل کرنا پڑے گا اور اگر وضو کی ضرورت ہے تو وضو کرنا پڑے گا اور جو ادائیگی صلوٰۃ حالت تیمّم میں ہوئی وہ درست ہے۔ جب پانی دستیاب ہو گیا تو اگلی ادائیگی صلوٰۃ وضو کے بعد کرنا ہوگی۔ اگر کسی پر غسل واجب تھا تو اسے غسل کرنا ہوگا کیونکہ تیمّم کا حکم پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے تھا۔ جب وجہ ختم ہوگئی تو حکم بھی ختم ہو گیا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ پہلی امتوں میں یہ مرض در آیا کہ جنہیں کتاب میں سے کچھ کچھ علم حاصل ہوا انہوں نے اسے ذریعہ معاش بنالیا اور فتویٰ فروشی کردی۔

دین ذریعۂ معاش نہیں ہے:

دین پڑھنا، پڑھانا، سمجھنا، سمجھانا ایک رضا کارانہ عمل ہے اور معاش کے لئے محنت کرنا ایک جدا اور لازمی ذمہ داری ہے۔ حصولِ معاش کے ذرائع بھی معروف ہیں۔ کاروبار، تجارت، ملازمت اور مزدوری یہ چاروں درست ذرائع آمدن ہیں اور یہ ہر مسلمان مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کے لئے رزقِ حلال کمائے اور یہ کام ہر پیر کے لئے، مرید کے لئے، استاد کیلئے، مولوی کے لئے اور شاگرد کے لئے لازم ہے کہ چاروں معروف ذرائع میں سے کسی نہ کسی معروف ذریعۂ معاش کو اپنائے۔ دین ذریعۂ معاش نہیں ہے اور اگر دین کو پیشہ بنالیا تو پھر وہ دین نہیں رہتا، پیشہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ معاش کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔

فرمایا اہلِ کتاب کی گمراہی کا سبب یہ بن گیا کہ ان میں سے جنہیں کتاب کا کچھ علم حاصل ہوا اسے انہوں نے ذریعۂ معاش بنالیا۔ علمِ دین کو بیچنے لگ گئے اور بیچتے ہوئے غلط فتوے بیچنے لگے۔ علمِ دین کو چھپانا بھی شروع کر دیا۔ عام لوگوں پر ظاہر نہ کرتے تھے تا کہ علمِ دین پر ان کی اجارہ داری رہے۔ لوگ ان کے پاس ہی جائیں اور ان کی کمائی کا ذریعہ بنا رہے۔ خود تو گمراہی خرید چکے اب مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو خبردار کیا جارہا ہے کہ مسلمان اس ڈگر پر مت چلیں۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾** اللہ کریم تمہارے دشمنوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمہارا بہترین کارساز ہے اور مددگار ہے۔ گمراہ لوگ اپنے لئے تو گمراہی خرید چکے ہیں اب مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں لیکن جو خلوصِ دل سے اطاعتِ الٰہی کرے اسے حفاظت الٰہیہ نصیب ہوتی

ہے۔ دنیا میں انسان بہت سے خطرات کی زد میں رہتا ہے۔ معاشی خطرات ہوں یا صحت کے، جان کے یا بیماری کے، بھوک کے یا افلاس کے یا رشتہ داروں کے، دار دنیا میں یہ خطرات رہتے ہیں لیکن اگر تم اللہ کے ساتھ ہو تو اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور ان سے بچانا بھی اسے آتا ہے لہٰذا اللہ کے ساتھ رہو جب اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اللہ پر اعتبار بھی کرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اللہ کی نافرمانی کر کے ان خطرات سے بچ سکو گے۔ اللہ کی نافرمانی کر کے نہ بیماری سے بچ پاؤ گے نہ افلاس سے، نہ مال بچا سکو گے، نہ زیادہ کما سکو گے۔ ظاہری فائدہ نظر بھی آئے تو حقیقی فائدہ نہیں ہوتا اس میں خیر و برکت نہیں رہتی۔

جب اللہ دوست ہو تو بس وہی کافی ہے دوستی کے لئے۔ بس اللہ کافی ہے پھر کسی اور کی ضرورت نہیں۔ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ اور جب کہیں مدد کی ضرورت ہو تو مددگار بھی وہی کافی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ادب، ایمان کی قبولیت کی دلیل ہے اور عنداللہ مقبول نہ ہونے کا سبب بارگاہِ نبوی ﷺ کا ادب نہ کرنا ہے

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

نبی کریم ﷺ کی عظمت اور آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی کا ادب ایمان کی قبولیت کی بنیاد ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں یہ ایک دعویٰ ہے اور اللہ کریم اسے قبول فرمائے تو پھر یہ حقیقت بنتا ہے اور اگر عنداللہ مقبول نہ ہو تو نرا دعویٰ کرنے کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہ ہونے کا بڑا سبب بارگاہِ رسالت پناہی کا ادب نہ ہونا اور اس بارگاہ کی عظمت کا خیال نہ کرنا ہے۔

اس آیت میں یہود بے بہبود کا ذکر ہے کہ اپنے دین میں تحریف کر کے یہ کافر ہو گئے اور بعثت نبوی ﷺ پر منافق ہو گئے۔ بظاہر اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا لیکن اپنے اندر کفر رکھا۔ اسلام دشمنی رکھی۔ اس خبث باطن کے حامل لوگ جب بارگاہ رسالت پناہی میں بات کرتے تو ان کا انداز بڑا عجیب ہوتا یعنی وہ کہتے سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا کہ ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد عالی سن لیا لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے۔ وہ زبانی کہتے تھے کہ ہم نے سن لیا جو آپ ﷺ نے فرمایا لیکن ان کا کردار اس پر گواہی نہیں دیتا تھا اور وہ ارشاد

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ مطلق سننے کو سمع کہتے ہیں جب اس سے پہلے الف آجائے تو اس سے مراد وہ سننا ہے جس پر عمل بھی کیا جاتا ہو۔ یہود کہتے **وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ** کہ ہم نے تو محض بات کرنی ہے اس پر عمل نہیں کرنا۔ عمل کرنے کے لئے ہم نے سننا نہیں ہے۔ **وَّ رَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ** اور یہ اپنی زبان کو مڑوڑ کر اور دین میں طعن کے خیال سے ایسا کرتے ہیں ورنہ لفظ راعنا سے مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا میں سمجھ نہیں سکا۔ براہِ کرم رعایت کیجئے اور بات کو دہرا دیجئے۔ جس طرح ایسے موقعوں پر انگریزی میں PARDON کہتے ہیں اسی طرح عربی میں راعنا کہتے ہیں لیکن یہود ''راعنا'' کو اس طرح ادا کرتے کہ اس سے راعی کہنا مراد ہوتا۔ راعی کے معنی ہیں چرواہا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عملاً یہ طنز کرتے کہ یہ تو بکریوں کے چرواہے تھے آج نبوت کا دعویٰ کئے بیٹھے ہیں اور ریاست کے سربراہ بن گئے ہیں۔ اس سے ان کی مراد طعن کرنا ہوتا تھا تو فرمایا **وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِ** ط ان حرکتوں سے ان کا مقصد یہ ہے کہ دین پر طعن کریں اور دین کی عظمت کو گھٹائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بلند:

اللہ کریم نے ایسے الفاظ کا استعمال ہی بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام قرار دے دیا اور حکم فرمایا کہ **لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا** (البقرہ آیت 104) کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں تو کسی کو یہ جرأت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ توجہ سے نہ سنے اور اگر بقاضائے بشریت غلطی یا سستی ہوگئی تو پھر بھی راعنا نہ کہا جائے بلکہ انظرنا کہا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ مجمع خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہر کسی کو بآسانی سنائی دیتی تھی۔ جیسے حجۃ الوداع پر سوا لاکھ صحابہؓ شریک تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم لہجے میں ارشاد فرما رہے تھے تو جو صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے سن رہے تھے جتنی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی اتنی ہی آواز انہیں بھی سنائی دے رہی تھی جو مجمعے میں بہت دور کھڑے تھے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں پھر یہ ضرورت ہی کیوں پیش آئی کہ کہا جائے کہ دوبارہ ارشاد فرمایئے **واسمعوا** اللہ کریم فرماتے ہیں لیکن اگر ضرورت پیش آجائے پھر راعنا مت کہیں کیونکہ یہ ایک ایسا لفظ ہے جس میں توہین کا پہلو نکلتا ہے لہٰذا انظرنا کہا جائے کہ ہماری طرف نظر کرم فرمائیں۔ اس بات سے علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایسا کوئی ذومعنی لفظ استعمال کرنا جس کے کسی ایک معنی سے توہینِ رسالت کا پہلو نکلتا ہو تو ایسا لفظ استعمال کرنے والے بندے

کا ایمان سلب ہو جائے گا۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی عظیم بارگاہ ہے کہ یہاں سرزد ہونے والی غیر شعوری بے ادبی بھی بندے کے ایمان کو لے ڈوبتی ہے۔ اللہ کریم سورہ الحجرات میں فرماتے ہیں اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات آیت 2) بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بے ادبی پر سزا یہ ہے کہ تمہارے سارے اعمال، ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ غیر ارادی طور پر ہونے والی گستاخی بھی معاف نہیں ہوتی۔ بندے کے جہاد اور تبلیغ، انفاق اور تمام عبادات ضائع ہو جاتی ہیں اور جس نے عمداً یہ کام کیا وہ اللہ کی بارگاہ سے رد ہو جاتا ہے۔ اسکا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات کو موضوع بنا کر مناظرے کرتے ہیں اور بحث کرتے ہیں کہ ذاتِ عالی میں یہ کمالات تھے اور یہ نہیں تھے تو یہ عمل اتنا خطرناک ہے کہ لوگوں کے ایمان و اعمال کے سلب ہونے کا خطرہ ہے۔ چیزوں کو بھی تولا جائے تو تولنے کا آلہ یا ترازو ان کے مطابق ہوتا ہے اگر کوئی مشین سو کلو وزن تول سکتی ہے تو اس پر دو سو کلو وزن نہیں تولا جا سکتا۔ اسی طرح انسانی ذوات کا موازنہ کیا جائے تو ان لوگوں کو کرنا چاہئے جو اس ذات سے درجے میں بلند ہوں اپنے سے کم درجے والوں کا تو موازنہ کیا جا سکتا ہے اپنے سے اوپر والوں کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ غلط بات اب رواج بن گئی ہے جس بندے کو کوئی چوکیدار نہیں رکھتا وہ سربراہِ مملکت پر تنقید کرتا پھرتا ہے۔ دنیاوی طور پر بھی یہ ایک غلط طریقہ ہے۔ اور بارگاہِ نبوت تو اتنی حساس اور نازک جگہ ہے کہ وہاں غیر شعوری طور پر بھی گستاخی ہو گئی تو سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ایمان سلب ہو جائے گا اور بندہ شیطان کی طرح مردود ہو جائے گا۔ لہٰذا بھول کر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ سادہ سا ایمان لاالہ الااللہ ہے اللہ واحد لاشریک ہے۔ اس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں۔ وہ اکیلا عبادت کا مستحق ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں۔ ختم المرسلین ہیں۔ نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہت خوبصورت مصرعہ کہا تھا کسی نے

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

اللہ کریم بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کے بعد افضل ترین ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور بات ختم۔ ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ یہ کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور یہ نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کے ساتھ لفظ ''نہیں'' کا استعمال گستاخی ہے۔ اور ذات عالی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی و گستاخی گزشتہ نیک اعمال کو ضائع کر دیتی ہے اور ایمان تک سلب ہو جاتا ہے۔

فرمایا یہ یہودیوں کا طریقہ تھا۔ یہودیوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں ان کے علمانے عمداً یہ سکھایا کہ صبح کے وقت اسلام قبول کر لو وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران آیت 72) کہ

تمہارے قبول کر کے انکار کرنے سے کچھ تو مسلمانوں کو دھچکا لگے گا۔ کچھ لوگ جو نومسلم ہیں انہیں شبہات پیدا ہوں گے۔ یہود میں سے ہی کچھ ایسے منافق تھے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں بظاہر بڑے ادب سے گزارش کرتے لیکن الفاظ ایسے ذومعنی استعمال کرتے جن سے توہینِ رسالت ﷺ کا پہلو نکلتا تھا اس کے بارے میں فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے آپ ﷺ کا ارشادِ عالی سنا اور دل و جان سے قبول کیا اور ہم آپ ﷺ کی اطاعت کریں گے۔ آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کریں گے اور رَاعِنَا جیسا ذومعنی لفظ استعمال نہ کرتے۔ وانظرنا کہہ کر آپ ﷺ کی نظرِ کرم کے خواستگار ہوتے تو یہ بات بہت خوبصورت، بہت مضبوط اور ان کے حق میں بہتر ہوتی۔ لیکن انہوں نے جو رویہ اختیار کیا وہ کفر تھا۔ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور بارگاہِ الٰہی سے راندے گئے۔ مردود و ملعون ہو گئے اور انہیں اسلام نصیب نہ ہوا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ ہاں یہودیوں میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو گستاخی کے مرتکب نہیں ہوتے اور جو واقعی عظمتِ رسالت ﷺ کے قائل ہیں انہیں ایمان نصیب ہوگا۔ لیکن وہ تھوڑے لوگ ہوں گے۔ بہت اچھے اور اکابر صحابہؓ بھی یہود میں سے ہوئے لیکن وہ تھوڑے لوگ تھے اکثریت کفر پر ہی رہی۔

اللہ کا بڑا انعام! احساسِ ندامت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ پھر اللہ کریم نے کہا کہ تم وہ لوگ ہو جن کی طرف صاحبِ کتاب نبیؑ مبعوث ہوئے اور تم اہلِ کتاب کہلائے لیکن تم نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی۔ خود غرضی میں مبتلا ہو کر اللہ کے احکام بدل دیئے تو اب تمہارے پاس اچھا موقع ہے کہ جو جرائم کر چکے ہو ان کی تلافی کر لو۔ میرے اس نبی ﷺ کا دامن تھام لو اور جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے اس پر ایمان لے آؤ۔ قرآن میں جو کچھ نازل ہوا ہے وہ انہی عقائد کی تصدیق کرتا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ جو تمہاری کتابوں میں نازل ہوئے تھے۔ تمام الہامی کتابوں میں، عقیدے میں، کوئی تبدیلی نہیں کیونکہ عقیدہ خبر سے تعلق رکھتا ہے اللہ کی واحدانیت ہر نبیؑ کا پیغام رہا ہے اور ہر نبیؑ کے کلمے کا پہلا جزو ہے لا الہ الا اللہ۔ اسی طرح ہر الہامی کتاب میں توحیدِ باری کا تذکرہ ہے۔ ملائکہ کے وجود کا تذکرہ ہے۔ یوم حشر اور جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب کا تذکرہ ہے۔ البتہ احکام و قوانین، اوامر و نواہی حکم ہوتے ہیں اور احکام میں زمانے کی ضرورت کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے۔ ہر اُمت کی ضرورت دوسری اُمت سے اور زمانے سے مختلف تھی۔ لہٰذا احکام میں تبدیلی آتی رہی۔ وقت کے مطابق احکام بدلتے رہے لیکن خبر نہیں بدلتی تو فرمایا

قرآن نے کوئی نیا عقیدہ پیش نہیں کیا قرآن حکیم نے انہی باتوں کی تصدیق کی ہے جو تمہاری کتابوں میں نازل ہوئی تھیں۔

انسان کے عقیدہ و عمل میں خرابی کے باعث عذابِ الٰہی درجہ بدرجہ نازل ہوتا ہے:

سو اے اہل کتاب! اسلام جیسی نعمت کو قبول کرلو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ **مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا** تمہارے چہروں کو مسخ کر ڈالیں۔ تمہاری شکلیں مکروہ ہو جائیں اور تمہارے دل میں اتنی سیاہی بھر دی جائے جس سے تمہاری شکلیں مکروہ ہو جائیں۔ **فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدۡبَارِهَاۤ** اور ہم تمہیں اُلٹا کر دیں یعنی تمہارے کردار اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے نیکی کی توفیق سلب ہو جائے اور تم اُلٹے کاموں کی طرف مڑ جاؤ، برائی کی طرف لگ جاؤ اور تمہارا منہ تمہاری پشت کی طرف کردیں۔ یہ محاورہ تب بولا جاتا ہے جب کوئی سیدھے راستے کے مخالف جانا چاہے تو اسے سیدھے راستے سے پھیر دیا جاتا ہے پھر ان کے اندر کی نحوست انکے چہروں پر آجاتی ہے۔ کردار اتنا مسخ ہو جاتا ہے کہ برائی برائی نہیں لگتی۔ بندہ برائی میں دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔

اللہ پاک تنبیہ فرمارہے ہیں کہ اس وقت سے پہلے پہلے حق قبول کرلو **اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ‌ؕ** اس سے پہلے کہ تم پر لعنت آئے جیسی لعنت یہود کے ان قبیلوں پر آئی تھی جنہیں اصحاب سبت یا ہفتہ کے روز والے کہتے ہیں۔ جنہیں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئے تھے۔ **وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا** ﴿۴۷﴾ اور یہ یاد رکھو کہ اللہ کی بارگاہ سے جو فیصلہ ہو جاتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ پھر اسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی تو اس سے پہلے کہ تمہاری بربادی کا فیصلہ صادر ہو جائے تم پر اللہ کی بارگاہ کی رحمت روک لی جائے یعنی تم لعنت زدہ ہو جاؤ کہ لعنت کا معنی رحمت سے محرومی ہے سو اس سے پہلے کہ تم پر رحمت کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ تمہارا خبثِ باطن تمہارے چہروں سے عیاں ہو جائے۔ تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں۔ تم مسلسل برائی میں لگ جاؤ اور تمہیں یہ احساس بھی نہ رہے کہ کس دلدل میں دھنستے جارہے ہو۔ برائیوں سے تائب ہو جاؤ اور اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میں آجاؤ۔ انسانی کردار کے باعث عذابِ الٰہی کی یہ ساری کیفیتیں درجہ بدرجہ آتی ہیں لیکن ان کا شعور بھی تب ہی نصیب ہوتا ہے جب کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وابستہ ہو اور اگر اس بارگاہ سے کٹ جائے تو شعور اور ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ کوئی برائی، برائی نہیں لگتی۔ اس کی کڑواہٹ اور نحوست کو اس کے اردگرد کے لوگ محسوس کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ خود اس میں مبتلا ہونے کے باوجود بے خبر رہتا ہے۔ یہ بھی عذاب کی ایک صورت ہے کہ بندے سے برائی کا احساس مٹ جائے۔

شرک پر مرنے والا اگر زندگی میں توبہ نہیں کرتا تو اس کی بخشش کا کوئی راستہ نہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰٓى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں کسی طرح کسی کو شریک مانا جائے اور اس عقیدے پر بندے کی موت ہو جائے تو اس کی بخشش کا کوئی راستہ نہیں۔ تمام فیصلے قیامت کو سنائے جائیں گے۔ میدانِ حشر میں حساب کتاب کے بعد فیصلہ ہوگا کہ کون جنت کا مستحق ٹھہرا اور کون جہنم کا اور جو حشر میں جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ (ال عمران آیت 185) وہ منزل مراد کو پہنچ گیا لیکن جس نے شرک کیا اور مشرکانہ عقیدے پر اس کی موت ہوگئی تو اس کا فیصلہ اللہ کریم نے دنیا میں سنا دیا کہ شرک پر مرنے والا اگر زندگی میں توبہ نہیں کرتا تو اس کی بخشش کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ اور شرک کے علاوہ جتنے گناہ بھی لے کر دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم قادر مطلق ہے۔ اس کی اپنی مرضی جسے چاہے بخشے یہ اس کا اپنا کرم ہے۔

مفسرینِ کرام اور شارحینِ حدیث نے اس موضوع پر ایک سوال اٹھایا ہے کہ شرک کے علاوہ اللہ چاہے تو سارے گناہ معاف کر دے تو گناہ گار کو اللہ نے وہ حقوق معاف کر دیئے جو اس کی ذات سے وابستہ تھے کسی نے عبادت نہیں کی، اطاعت میں کمی کر دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کمی کر دی تو اللہ پاک نے معاف فرما دیا۔ لیکن جن انسانوں کے حقوق اس نے تلف کئے تھے۔ عامۃ الناس کے ساتھ جو زیادتی اس نے کی۔ وہ بے چارے کہاں گئے؟ ان کو کیا انصاف ملا؟ اس سوال کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ کریم جب کسی کو اپنی رحمت سے معاف کرے گا تو جن لوگوں کے حقوق اس کے ذمے ہوں گے اللہ ان مظلوموں کو ان حقوق کے بدلے اتنے انعامات عطا کرے گا، ان کے اتنے گناہ معاف کرے گا، ان کی اتنی سزائیں معاف کرے گا، اور ان کے اتنے درجات بلند کرے گا کہ وہ کہہ اٹھیں گے کہ یا اللہ ہم راضی ہیں۔ اب جو تیری مرضی، تو اسے معاف کر دے کہ تو نے ہمیں اتنا دے دیا جتنا ہمیں ویسے نہ ملتا۔ تو اللہ کی بارگاہ میں اندھیر نہیں انصاف ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی تو بنیادی اصول ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ جن کے حقوق ضائع ہوئے ہیں یا تو ان سے معاف کراؤ یا تمہاری نیکیاں انہیں دے دی جائیں گی اور اگر تمہاری نیکیاں کم ہو گئیں تو پھر ان کے گناہ تم پر لاد دیئے جائیں گے۔ یعنی کسی

نہ کسی طرح اسے برابر کیا جائے گا۔ یہ اللہ کا عدل ہے اور اللہ کا کرم یہ ہے کہ کسی شخص کے گناہ اپنے کرم سے معاف فرمادے گا۔تو اس کا سبب بھی اس شخص کا کوئی عمل ہوگا جو بارگاہِ الوہیت میں قبولیت پا جائے گا۔

حجاج بن یوسف تاریخِ اسلام کا ایک عظیم نام ہے۔ قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے۔اس سے پہلے قرآن حکیم پر اعراب نہیں ہوتے تھے کیونکہ عرب اتنی فصیح الزبان قوم تھی کہ انہیں اعراب کی مدد سے قرآن پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات بھی بغیر اعراب کے لکھے ہوئے ہیں۔ جب اسلام عرب سے باہر روئے زمین پر پھیلا تو غیر عرب لوگوں کو درست تلفظ کے ساتھ قرآن حکیم پڑھنے کے لئے اعراب کی ضرورت پڑی اور یہ سعادت حجاج بن یوسف کے نصیب میں آئی۔ محمد بن قاسم کو برصغیر میں بھیجنے والی ہستی بھی حجاج بن یوسف ہی ہے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور برصغیر میں اسلام پھیلانے کا سہرا محمد بن قاسم کے سر ہے۔ یہی حجاج بن یوسف تاریخِ اسلام کی ایک متنازع شخصیت بھی ہے اور متنازع اس لئے کہ بہت سے اکابر صحابہؓ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔خصوصاً اس نے حضرت ابن زبیرؓ کی مکہ مکرمہ پر حکومت ختم کی ۔ انہیں سزا دی اور شہید کر دیا۔ اس پر یہ متنازع ہستی بن گئی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ اس کے بہت مخالف تھے۔ خصوصاً ابن زبیرؓ کی شہادت کسی کو ہضم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ وہ پہلا بچہ تھا جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس نومولود کے منہ میں ڈالا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی حیثیت ہر لحاظ سے مسلمہ ہے اور کیوں نہ ہو جس کی پہلی غذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا اس میں کیا کمال نہیں ہوگا؟ حضرت عبداللہؓ بن زبیر صحابی بھی تھے، مجاہد بھی، عادل بھی، امانتدار بھی، عابد و زاہد بھی، حق گو بھی ۔ ہر پہلو سے اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے۔ ایسی ہستی کو حجاج بن یوسف نے شہید کیا۔ یہی بات صحابہ کرام کو اور تابعین کو، اہل اللہ کو، اللہ کے نیک بندوں کو برداشت نہیں ہوتی تھی بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ محمد بن قاسم کے والد قاسم حجاج کے بھائی تھے۔ وہ بیمار ہوئے اور عندالموت حجاج ان کی ملاقات کو گیا۔ حجاج اس وقت گورنر بھی تھا لیکن قاسم نے ملاقات سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ مرتے وقت ابن زبیرؓ کے قاتل کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ پھر جب حجاج بن یوسف کا وقت آخر آیا تو وہ بڑی سخت تکلیف میں تھا۔ اسے معدے وانتڑیوں میں تکلیف تھی سخت درد میں مبتلا تھا۔ طبیبوں نے جواب دے دیا تھا اور چند لمحوں کا ہی مہمان تھا۔ اس کی والدہ اس کے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔ اس نے والدہ سے کہا تم میرے مرنے پر کیوں روتی ہو؟ ہزاروں لوگوں کو تو میرے حکم سے قتل کیا گیا۔ آج میری باری ہے۔ انہوں نے فرمایا میں

تیرے مرنے پر نہیں رو رہی۔ مجھے تیرے مرنے کا غم نہیں۔ یہ تو اللہ کا نظام ہے۔ ہر ایک نے جانا ہے۔ دکھ یہ ہے کہ تیرے جرائم اتنے بڑے بڑے ہیں کہ قبر میں تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ میں اس غم سے رو رہی ہوں۔ حجاج کہنے لگا اماں! اگر میرا حساب کتاب اللہ تجھے سونپ دے تو تو میرے ساتھ کیا کرے گی؟ اگر اللہ تجھے اس پر اختیار دے دے کہ تو مجھے معاف کر دے یا سزا دے تو تو کیا کرے گی؟ والدہ نے کہا کہ تو جیسا بھی ہے میرا لختِ جگر ہے میں تمہیں معاف کر دوں گی تو حجاج نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے بھی زیادہ مہربان ہے اگر تو مجھے معاف کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے تو اس بارگاہ سے مجھے کیوں ناامید کرتی ہے۔ وہ بھی مجھے ضرور معاف کر دے گا۔ اس کے بعد اس کی موت ہوگئی۔ اس کے یہ اقوال حضرت حسن بصریؒ تک پہنچے تو انہوں نے فرمایا اللہ سے حسنِ ظن رکھ کر یہ وہاں بھی بچ گیا حالانکہ جب تک وہ حیات تھا اس کے سخت خلاف تھے لیکن بوقت نزع اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو کر، اللہ سے امید کرم رکھنے کا سن کر کہنے لگے؛ لگتا ہے یہ وہاں بھی بچ جائے گا۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے بشرطیکہ کوئی اس کے ساتھ اپنا ایمان درست کر لے۔ اور اس کی رحمت سے وابستہ ہو جائے۔ **وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ** کوئی اس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا۔ یہ اسکی پسند ہے جسے چاہے معاف کر دے۔ **وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا** ﴿۴۸﴾ لیکن اللہ کی ذات وصفات میں جس نے شرک کیا اور وہ بغیر توبہ کیے دنیا سے اٹھ گیا تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

پاکباز وہ ہے جس کا تعلق اللہ کریم سے درست ہو:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ فرمایا اے مخاطب تو نے ان لوگوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا نیک اور پارسا ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی پاکیزگی کے زعم میں گرفتار ہیں۔ بظاہر تو یہ آیت یہود و نصاریٰ کے علماء، پادری اور ربی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ اپنی پاکیزگی ظاہر کرنے کے لئے عجیب وغریب حلیہ بناتے ہیں۔ خاص لباس پہنتے ہیں تاکہ لوگ انہیں پہچان لیں کہ یہ پارسا لوگ ہیں۔ لیکن ہر پڑھنے والے کے لئے اس آیت میں عمومی پیغام ہے کہ جو لوگ مختلف حلیے اور مختلف لباس پہن کر مخصوص انداز بنا کر بڑے پاکباز بنتے ہیں خود کو عام لوگوں سے الگ کر کے بڑا خدا رسیدہ ظاہر کرتے ہیں اور انہیں اپنے پاکباز ہونے کا زعم ہے۔ فرمایا پاکبازی بنانے سے نہیں بنتی **بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ** جسے اللہ چاہتا ہے اسے پاک کر دیتا ہے۔ پاکباز وہ ہے جس کا تعلق اللہ کریم سے درست ہو اور اللہ اسے پاک کر دے۔ یہ کام حُلیے بنانے سے نہیں ہوتا۔ اس لئے اکابر صوفیاء نے

لکھا ہے کہ صوفی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسے لباس پہنے کہ جس سے یہ اظہار ہو کہ یہ صوفی ہے۔ جیسا کہ رواج ہوگیا ہے چوغے پہنے جاتے ہیں، پھر اس پر ایک چادر لے لی، ٹوپی پہنی، پھر پگڑی باندھی، پھر اس پر ایک پتلی سی چادر اوڑھ لی، ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رکھی تو حلیے بنا کر پاکبازی کا اظہار کرنا عنداللہ مقبول نہیں۔ بلکہ تصوف کا اصول یہ ہے کہ اللہ اللہ سیکھنے والا شخص اپنے عام لباس میں ہی رہے۔ بس ایک شرط ہے کہ حلیہ غیر شرعی نہ ہو ورنہ عام لباس ہی اختیار کرے۔ کاشتکار ہے تہ بند کرتہ پہنتا ہے تو وہی پہنے، سپاہی ہے تو اپنا سپاہیانہ لباس ہی پہنے۔ غرض جس لباس میں رہتا ہے اسی میں رہے۔ لباس سے ظاہر نہ کرے کہ وہ بڑا پارسا ہے کہ پارسائی حُلیے بنانے سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جو تنبیہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں پر قرآن حکیم نے کی ہے آج ہم خود اس کا شکار ہیں اور ہمارے مذہبی طبقے نے بھی اپنی پارسائی کے اظہار کے لئے کہیں عجیب و غریب حُلیے بنالئے ہیں اور کہیں عجیب سی مسکنت طاری کر رکھی ہے۔ فرمایا پارسائی اس طرح نہیں ملتی **بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ** اللہ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کر دیتا ہے۔

پاکیزگی سے مراد:

پاکیزگی سے مراد ہے کہ اس کا رویہ پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اسکی سوچیں کردار و گفتار پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔ دل پاکیزہ ہو کر سینہ مخزنِ انوار بن جاتا ہے۔ انوارات و تجلیات کا مرکز بن جاتا ہے۔ جب اللہ پاک کرتا ہے تو حلیہ بنا کر لوگوں کو دکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی **وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا** ﴿۴۹﴾ اور اللہ کریم ہرگز کسی کے ساتھ رائی برابر ظلم نہیں کرتا۔ جو بھی اللہ سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے، اسے اپنے دل میں بسانا چاہتا ہے، جو اس کی راہ میں چل نکلتا ہے وہ اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ اسے تزکیہ عطا فرماتا ہے۔ اسے اپنے قرب کے منازل عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے لئے اسباب بھی پیدا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** (العنکبوت آیت 69) جو لوگ میری ذات، میری رضا اور میرے قرب کے لئے محنت کرتے ہیں انہیں میں اپنی طرف آنے کے لئے راستے دکھا دیتا ہوں۔ محققین فرماتے ہیں کہ ایسے طالبوں کو اللہ ایسے لوگوں کی مجلس میں پہنچا دیتا ہے جو اس کی تربیت کرتے ہیں۔ اسے اللہ اللہ سکھاتے ہیں اور اسے اللہ کے قرب کے منازل نصیب ہوتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ لیکن یہ لوگ اپنا جائزہ لینے کے بجائے اپنے کردار، اپنی سوچوں اور اپنے افکار کا تجزیہ کرنے کے بجائے، اپنے طرزِ فکر اور

طرزِ عمل کو شریعت کے اندر لانے کے بجائے، شریعت کو اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کے لئے بدلنا چاہتے ہیں اور دیکھو یہ کتنا بڑا جھوٹ باندھ رہے ہیں۔

دنیا و آخرت کی رسوائی کے لئے یہی جرم کافی ہے:

یہی جرم کافی ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھا جائے اور جو حکم اللہ نے نہیں دیا اسے اللہ کا حکم بتا کر پیش کیا جائے۔ یہود کے علماء دین میں اسی طرح تحریف کرتے تھے کہ جو بات نیکی نہیں ہے اسے نیکی قرار دیا جائے اس سے ان کی آمدن ہوتی۔ ان کی عزت و وقار بلند ہوتا۔ تو وہ اپنے ذاتی منافع کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں کو بوسہ دلوانے کے لئے، خود کو مافوق الفطرت ثابت کرنے کے لئے، طرح طرح کے حیلے کرتے تھے۔ آج ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم نے بھی یہی عادات اپنائی ہیں۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ نام کے ساتھ تو بڑے بڑے سابقے لاحقے لگے ہوتے ہیں۔ حضرت، علامہ، فقیہہ، الدہر، امامِ شریعت اور بھی بہت کچھ لکھا جاتا ہے لیکن دو دو گھنٹے بدعات و رسومات کے ثبوت اور ان کی ترویج پر تقاریر کرتے ہیں۔ حالانکہ خود بھی جانتے ہیں کہ وہ خود بھی جس رسم کو وہ ثابت کرنے میں زور صرف کر رہے ہیں نہ وہ شریعتِ مطہرہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ نہ صحابہ کرام رضوان اللہ سے، نہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اگر غلطی سے لوگوں نے کچھ رواج اپنا لئے تو بجائے عامۃ الناس کی اصلاح کرنے کے ان کو ثابت کرنے پر زور لگا رہے ہیں۔ محض اس لئے کہ انہیں آمدن بھی ہوتی رہے اور اپنی پارسائی کا زعم بھی برقرار رہے۔ یہی فرمایا جا رہا ہے اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ط دیکھو یہ اللہ پر جھوٹ بولنے میں کتنی دلیری دکھا رہے ہیں کہ جو کام کرنے کا اللہ نے حکم نہیں دیا اسے یہ کہتے ہیں کہ یہ دین ہے، شریعت ہے اور باعث ثواب ہے حالانکہ یہ تو صرف اللہ کو زیب دیتا ہے کہ وہ حکم دے اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کا کام ہے کہ وہ بتائیں کہ یہ کام دین ہے۔ اس کام کا یہ انداز دین ہے۔ اس کے بعد کسی کی کوئی حیثیت نہیں کہ اپنی طرف سے بات گھڑ کر اسے دین بنا کر پیش کرے۔ وَ كَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ فرمایا ان کا یہ جرم انہیں لے ڈوبنے کے لئے کافی ہے۔ دنیا و آخرت کی رسوائی، اللہ کی رحمت سے محرومی کے لئے یہی ایک جرم کافی ہے کہ جو حکم اللہ نے نہیں دیا، اللہ کے نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا اسے دین ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

سورۃ النساء آیات 59 - 51 رکوع 8

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ
كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾
اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ
لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا
یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى
مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ
الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ
مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ
سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ
نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا
لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾ وَ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ
اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٘ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ
یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا

حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ
اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حِصّہ مِلا ہے (پھر باوجود اس کے) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں ﴿۵۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہ پاؤ گے ﴿۵۲﴾ ہاں کیا ان کے پاس کوئی حِصّہ ہے سلطنت کا سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو ذرا سی چیز بھی نہ دیتے ﴿۵۳﴾ یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں۔ سو ہم نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کو کتاب بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے ﴿۵۴﴾ سو ان میں سے بعض تو اس پر ایمان لائے اور بعض ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے اور دوزخ کی آتش سوزاں کافی ہے ﴿۵۵﴾ بلاشک جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہوئے ہم ان کو عنقریب ایک سخت آگ میں داخل کریں گے۔ جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ

عذاب ہی بھگتتے رہیں بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں ﴿۵۶﴾ اور جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغ میں داخل کرینگے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہونگی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اُن کے واسطے ان میں پاک صاف بیبیاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ میں داخل کرینگے ﴿۵۷﴾ بے شک تم کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادیا کرو اور یہ کہ جب لوگوں کا تصفیہ کیا کرو تو عدل سے تصفیہ کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے بلاشک اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب دیکھتے ہیں۔ ﴿۵۸﴾ اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جولوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حوالہ کردیا کرو اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہی بات بہت اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے ﴿۵۹﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾

فرمایا ان کا کردار دیکھو کہ پہلے تو کتاب الٰہی میں تحریف کردی اور پھر علم کو بھی خیر باد کہہ دیا اور محض ضد میں آکر مشرکین کی جماعت کو حضور ﷺ کی جماعت پر ترجیح دینے لگے۔ تحریف کرنے کے بعد جو علم باقی بچ گیا اس پر بھی عمل نہیں کرتے بلکہ **یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ** ان کا ایمان بتوں اور شیطانوں کے ساتھ ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اہل کتاب بھی ہوں اور شیاطین اور بتوں پر یقین بھی ہو۔ دراصل جب اللہ اور نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں ہوگا تو لازماً طاغوت کی غلامی ہوگی۔ یہود و نصاریٰ کے بے دین افراد اسی طرح شیطانوں اور بتوں پر یقین رکھتے تھے جیسے آج لوگوں کی اکثریت اس بات کی قائل ہوچکی ہے کہ اگر کسی کا کاروبار نہیں چل رہا یا بیٹے کو ملازمت نہیں مل رہی تو کسی نے جادو کردیا ہے اور رزق روک دیا ہے تو

جس بندے کا یہ عقیدہ ہے اس کا اللہ پر کیا ایمان ہے؟ یوں تو شیطان کی عبادت کوئی نہیں کرتا نہ خود کو شیطان کا پجاری کہتا ہے بلکہ اکثریت شیطان پر لعنت ہی کرتی ہے لیکن جادوگروں کے کاموں پر انہیں بڑا یقین ہے حالانکہ ہر مخلوق اللہ کے نظام کے تحت زندگی اور مابعد الموت تک ایک پروگرام کے مطابق رواں دواں ہے۔ انسانی وجود ہی کو مثال بنالیا جائے تو یہ وجود ہی کھربوں زرات سے جڑ کر بنا ہے اس میں نہایت چھوٹے CELL بنتے رہتے ہیں اور پہلے والے مرتے رہتے ہیں۔ ہر سیل اپنا مثیل پیدا کر کے ختم ہوجاتا ہے۔ سائنسی انکشاف کے تحت پتہ چلتا ہے کہ چھ ماہ میں سارے سیل تبدیل ہوجاتے ہیں۔ یہ اتنا نازک اور حساس نظام ہے' ایک دوسرے سے اتنا مربوط ہے کہ کوئی دوسرا اس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ بالفرض اگر کوئی مداخلت کر کے آنکھ کے ایک سیل کو ہی روک دے کہ وہ اپنا مثیل پیدا نہ کرے تو چند دنوں میں آنکھ ضائع ہوچکی ہوگی۔ بڑھاپا آنا بھی نظام قدرت ہے۔ ہر پیدا ہونے والا سیل پہلے سے کمزور پیدا ہوتا ہے۔ نتیجتاً قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کی مداخلت تسلیم کر لی جائے تو انسانی زندگی تباہ ہوجائے گی لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں۔ یہ صرف ایک اللہ ہے جو اپنی ہر تخلیق کو اپنے نظام کے تحت چلا رہا ہے۔ اسے کنٹرول کر رہا ہے دوسرا اس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ سائنس نے DNA کو تفصیلاً بیان کر کے قدرتِ باری پر ایک اور دلیل مہیا کر دی ہے کہ ہر شخص کا DNA دراصل اس کی کتابِ زندگی کی داستان ہے۔ اس میں اس انسان کے وجود میں وقوع پذیر ہونے والی تمام تبدیلیاں درج ہیں کہ کب اس کا پہلا بال سفید ہوگا، کب نظر کمزور ہوگی، کب اس کا دانت گرے گا۔ بھلا اتنے مربوط نظام اور طے شدہ پروگرام کو کون روک سکتا ہے اور اگر کوئی یہ مان لے کہ اللہ کے پروگرام کو کوئی اور روک سکتا ہے تو کیا یہی شرک نہیں ہے؟ قرآن حکیم اس آیۂ مبارکہ میں یہی بات بتا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ یہی کہا کرتے تھے کہ بت، شیطان اور جادوگر ایسا کرسکتے ہیں۔ جیسے آج کے مسلمان بہت آرام سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ کسی جادوگر نے ان کا کاروبار تباہ کر دیا ہے۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ کاروبار کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ کہیں اس نے ان اصولوں میں کوتاہی تو نہیں کی۔ اللہ بادشاہ ہے سب کے کام چلا رہا ہے لیکن کاروبار کا سبب اصول کی پاسداری ہوتی ہے۔

تجارت و کاروبار کا اصول یہ ہے:

کہ منافع فروخت میں نہیں خرید میں ہوتا ہے۔ جو چیز مارکیٹ میں دس روپے میں فروخت کرنی ہے

اسے اگر نو روپے میں خریدیں گے تو فی الفور ایک روپے کا منافع ہو جائے گا۔ اگر دس میں خریدیں گے تو مارکیٹ میں بھی دس کی بک رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ دس کی ہی بیچیں گے تو پھر کہیں گے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے' نقصان ہو گیا۔ اسطرح کی غلطیاں ہم سے ہوتی رہتی ہیں۔

پریشانی میں بندے کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے:

ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ سے دعا کریں کہ اللہ پاک مجھے توفیق دے کہ میں غلطیوں سے بچوں۔ مجھے کام کی سمجھ عطا کر اور میری روزی فراخ کر۔ میں یہ تنگی برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے ایک مرتبہ بخار ہوا اور ہفتہ بھر اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ دوا کھاتا کچھ کم ہو جاتا لیکن پھر زیادہ ہو جاتا۔ اسی میں چند روز گزر گئے تو میں نے اپنے شیخ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا اور اس میں یہ لکھا کہ حضرتؒ گاؤں میں ایوب نام کا ایک کمزور سا شخص تھا۔ پیشے کے لحاظ سے جولاہا تھا۔ اسے بخار بہت تیز ہوا۔ کئی دن گزر گئے تو اس نے دعا کی کہ یا اللہ میرا نام تو ایوب ضرور ہے لیکن میں ایوبؑ پیغمبر نہیں ہوں' ایوب جولاہا ہوں تو مجھ پر وہ امتحان نہ بھیج جو ایوبؑ پیغمبر پر تھے۔ میری حیثیت اور کمزوری کو مدنظر رکھ کر مجھ پر رحم فرما۔ میں نے عرض کی کہ حضرتؒ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ بن گیا ہے۔ میں بھی ایوب جولاہے جیسے ہوں اور مجھے بخار نہیں چھوڑ رہا۔ حضرتؒ بعد تک اس لطیفے سے محظوظ ہوتے رہے اور اللہ کے فضل سے میرا بخار اتر گیا۔ تو بندے کو ہر حال میں اللہ کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یا اللہ جو میرا نقصان ہوا ہے یقیناً میری جہالت اور میری کوتاہی سے ہوا ہے۔ تو تُو ارحم الرٰحمین ہے۔ مجھے اس کوتاہی سے بھی بچا اور کام کرنے کا سلیقہ بھی سکھا۔ میرے کام میں برکت بھی عطا فرما لیکن ہم یہ نہیں کرتے۔

اوہام مومن کو زیب نہیں دیتے:

غیر ملک سے ایک خط آیا کہ میری بیٹی کی شادی کسی نے روک رکھی ہے۔ بیٹوں کو نوکری نہیں ملتی۔ جادو کی وجہ سے بندش ہو گئی ہے۔ خاتون' اولاد سمیت ایتھنز میں بیٹھی ہیں اور جادو یہاں سے ہو گیا؟ یہ بات تو جادوگر خود کہتے ہیں کہ بندہ دریا سے پار ہو جائے تو ان کا جادو اثر نہیں کرتا۔ یہ لوگ سات سمندر پار بیٹھے ہیں۔ ایسے جادو کا دعویٰ تو جادوگروں کو بھی نہیں۔ یہ سب حماقتیں ہیں، اوہام ہیں۔ اور اوہام بھی تب ہی ہوتے ہیں جب اللہ پر اعتماد کم ہو اور بندہ حقائق سے منہ موڑ بیٹھے۔ جب اولاد کو مغرب کے معاشرے میں لے گئے اور بچے وہیں جوان ہو گئے تو اس میں بچوں کا کیا قصور۔ بچے اس معاشرے میں پلے اور ہم چاہیں کہ وہ ولی اللہ بن جائیں یہ کیسے ممکن ہے؟ ماحول اور معاشرہ تو ضرور متاثر کرے گا۔ مومن کو یہ اوہام زیب نہیں دیتے۔

مومن کا ایمان اللہ کی عظمت پر ہے اور اسکے کارساز ہونے پر یقین کا ہے۔ جہاں اس سے غلطی وکوتاہی ہوتو وہ اللہ کی مدد مانگے' اپنا قصور تلاش کرے' اصلاح احوال کرے۔

جہنم جانے کا سبب:

وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾

یہود ونصاریٰ کے بے دین علماء کا یہ شیوہ تھا کہ وہ دینداروں کو کہتے تھے کہ وہ بے دین ہیں۔ اللہ کریم یہود ونصاریٰ کے کردار کی نشاندہی کررہے ہیں کہ یہ کافروں اور مشرکوں سے کہتے ہیں کہ اگرچہ تمہارا دین بھی غلط ہے لیکن تم مسلمانوں سے پھر بھی بہتر ہو وہ تو بالکل ہی بے دین ہیں۔ یہود ونصاریٰ کا یہ عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾ؕ

اور یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔ جس پر اللہ کی لعنت ہو جائے دو عالم میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ۙ جولوگ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت پر اعتراض کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اور ایمان نہ لانے کے مختلف بہانے تراشتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ساتھ عالی شان مکان اور باغ ہوتا یا کوئی فرشتہ آتا اور دنیوی نعمتیں آپ ﷺ پر عام ہوتیں۔ وہ کیا سمجھتے ہیں کہ ان کی اللہ کریم کی سلطنت میں کوئی شراکت ہے کہ ایسے مشورے کرتے ہیں؟ بلکہ یہ فیصلے تو اس کے ہیں جو حاکم مطلق ہے۔ وہ کس کو کیا دیتا ہے یہ اس کی اپنی تقسیم ہے۔ دنیا کا مال، عالیشان محلات و باغات تو بدکاروں کے پاس بھی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ دنیا کی اہمیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو نہ دیتا اور اللہ کے نزدیک دائمی زندگی کی نعمتیں قیمتی ہیں تو کافر ان نعمتوں کو دیکھنے سے بھی محروم کر دیا جائے گا۔ کافر تو جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ اس کائنات کا اکیلا قادرِ مطلق صرف اللہ ہے۔ اس کا اپنا نظام ہے۔ اس نے انبیاءؑ کو حکومتیں اور سلطنتیں بھی دیں۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو بے مثال حکومت عطا کی۔ تو کیا سارے لوگوں کو ایمان نصیب ہو گیا؟ کائنات میں کس کو کیا عطا کرتا ہے یہ تقسیم اس کی اپنی ہے۔ کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ اللہ جب نبیؑ مبعوث فرماتا ہے تو یہ اس کا اپنا انتخاب ہوتا ہے اور نبی کو نسلِ انسانی کی رہنمائی کے لئے جس نور کی ضرورت ہے انسانوں کی ہدایت کے لئے قلوب کو منور کرنے کے لئے جن برکات کی ضرورت ہے' جن اسباب وذرائع کی' جن انسانوں کی ضرورت ہے وہ سب عطا فرما دیتا ہے۔ تو یہ اعتراض کرنے والے کون ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس فلاں چیز ہے اور فلاں نہیں ہے۔ کیا ان کا اللہ کریم کی سلطنت میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ کی مخلوق دانے

دانے کو ترس جاتی۔ یہ کسی کو رائی برابر کچھ نہ دیتے۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو لوگ سانس نہ لے سکتے دھوپ کی ایک کرن نہ حاصل کر سکتے اور ہر چیز اپنے لئے ہی روک کر رکھ لیتے۔ لیکن یہ کائنات تو اللہ کی ہے اور وہ خود اپنی رحمتیں کائنات میں تقسیم فرما رہا ہے۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ انہیں یہ حسد ہے کہ اللہ کریم کا اس ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا کرم کیوں ہے؟ اور یہ حسد انہیں ایمان قبول کرنے سے مانع ہے۔ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ اور ہم نے ابراہیمؑ کے خاندان میں نبوت و رسالت دی۔ کتابیں اور حکمت و دانائی بھی دی اور انہیں بڑی حکومت و ریاست بھی دی۔ یوسفؑ بہت بڑے ملک کے حکمران بھی بنے اور خاندانِ ابراہیمی میں کتاب بھی عطا ہوئی۔ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ یعنی کتاب ہدایت اور حکمت سے مراد اس کتاب کی تفصیل و تفسیر ہے کیونکہ وحی الٰہی کو جو ہستی قبول کرتی ہے اس کے مفاہیم کا جاننا بھی اسی ہستی کا منصب جلیلہ ہے۔ غیر نبی جب اللہ کی وحی سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اسے بغیر نبیؑ کے سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ ابراہیمؑ کے خاندان میں ہم نے کتاب، اس کی تفسیر اور بہت بڑی سلطنت یکجا کر دی تھی تو کیا اس وقت سارے لوگ ایمان لے آئے تھے؟

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ پھر بھی لوگ ایسے ہی رہے جن کو ایمان نصیب ہوا۔ وہ ایمان لے آئے اور جو بدنصیب رہنا چاہتے تھے وہ کفر پر اڑے رہے اور ضد پر قائم رہے۔ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ تو حقیقت یہ ہے کفر کا نتیجہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ آتشِ دوزخ کی سزا اتنا بڑا عذاب ہے کہ اس سے بڑی کسی سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا جو لوگ بھی ہماری آیتوں کا انکار کریں گے سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ وہ بہت جلد آگ میں داخل ہوں گے۔ دراصل انسان کے پاس بہت محدود سی فرصت ہے اور جس کی موت آ جاتی ہے اسکی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مماتہ فقد قامت قیامتہ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرنے والے کے لئے ایک طرح سے قیامت قائم ہو جاتی ہے کہ برزخ بھی ایک انتظار گاہ ہے۔ جس درجے کا آدمی ہوتا ہے انتظار گاہ میں اسکے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا جائے گا۔ جو کفر پر مرتا ہے اسکی قبر بھی دوزخ کی آگ سے بھر دی جاتی ہے۔ جیسے فرعون اور آل فرعون کے بارے میں قرآن حکیم میں آتا ہے مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوحؑ آیت 25) اپنے گناہوں کے سبب پانی میں غرق ہوئے۔ غرق تو پانی میں ہوئے لیکن آگ میں داخل ہو گئے۔ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا جہنم میں موت نہیں ہوگی، جلتے بھی رہیں گے، زندہ بھی رہیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی ہم نئی کھال پیدا کر دیں گے۔

لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط تا کہ زیادہ سے زیادہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ دنیا میں جب انسانی جلد کسی وجہ سے جل جائے اور زخم بن جائے پھر جب زخم مندمل ہو تو وہاں نئی جلد پیدا ہو جاتی ہے جو زیادہ حساس ہوتی ہے اسے ذرا بھی چھیڑیں تو تکلیف ہوتی ہے۔ یہی حال جہنمیوں کا ہوگا بلکہ اس سے بھی بدتر کہ وجود جل جانے کے ساتھ ہی نیا گوشت پوست دیا جائے گا تا کہ جلنے کی تکلیف حساس جلد پر زیادہ ہو۔ یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں دنیا میں انہیں بتا دیا گیا تھا اور زندگی کی مہلت دے کر اس عذاب سے بچنے کے راستے بھی سمجھا دیئے گئے تھے لیکن انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ اب وہ اللہ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾ اللہ کریم غالب ہیں۔ طاقت والے ہیں اور جو چاہے کر سکتے ہیں۔ یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ انہیں فرصتِ عمل دے رکھی ہے۔ تا کہ توبہ کر لیں، رجوع الی اللہ کر لیں اور اللہ کی بخشش کو پالیں جو اللہ نے عام کر رکھی ہے اور بہت وسیع بھی ہے لیکن جو ایسا نہیں کرتا اور کفر پر ہی مرتا ہے پھر اس کا وہی انجام ہوتا ہے جو پہلے بتایا گیا۔

جنت میں داخلے کا سبب:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لاتے ہیں پھر اس ایمان کے مطابق اپنی اصلاح کر لیتے ہیں تو ان کا کردار ایمان کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں ایمان کی بات ہوتی ہے وہاں عمل صالح کی بات لازماً ہوتی ہے۔ پورا قرآن حکیم پڑھ لیں ہر جگہ ایمان کے ساتھ عملِ صالح کی قید ہے۔ اس لئے اکثر آئمہ کرام نے عمل ہی کو ایمان قرار دیا ہے۔ صرف امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کا دعویٰ کرنا بھی ایک عمل ہے۔ لہٰذا جو ایمان کا دعویٰ کرے اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ باقی آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص دعویٰ کرے اور اس کا عمل اسلام کے خلاف ہو تو اس کا اسلام قابل اعتماد نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کئے ان کے لئے اللہ کے انعامات ہیں۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں انہیں نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے۔ تو اس ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کیا جائے۔ جس طرح کوئی شخص پانی پینے لگے اور کوئی قابلِ اعتبار شخص اسے بتا دے کہ اس پانی میں زہر ہے تو اگر وہ پھر بھی پانی پی لے تو کیا سمجھا جائے گا؟ یہی کہ اسے بتانے والے کی بات پر اعتبار نہیں۔ اسی طرح جو کہتا ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لایا ہے لیکن احکامِ الٰہی پر عمل نہیں کرتا تو گویا وہ اللہ کے سامنے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس لئے اللہ کریم نے بتایا ہے جہاں ایمان ہے وہاں عملِ صالح کی قید ہے۔ جو ایمان لاتے ہیں ان کا کردار ایمان کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط

جنت کی نعمتیں:

اللہ اپنے اطاعت گزاروں کو بہت جلد ان باغوں میں پہنچا دیں گے جن میں نہریں جاری ہیں۔ جہاں ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغات ہیں۔ جہاں کسی دکھ اور تکلیف کا خدشہ نہیں۔ جہاں کبھی خزاں نہیں آتی۔ جہاں نہ موت ہے نہ جدائی۔ نہ بیماری نہ دکھ، نہ افلاس نہ تنگی اور نہ مایوسی اور وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ لَهُمْ فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ز وہاں ان کی پاک وصاف بیویاں ہوں گی یعنی جو خواتین جنت جائیں گی اور جو جنت کی مخلوق ہے وہ ہر قسم کی آلائش سے پاک ہوگی۔ جنت میں داخل ہونے والے مردوں اور عورتوں کو وہ اخلاق عطا کر دیئے جائیں گے جو اہل جنت کے ہوں گے۔ وہاں کسی مرد وعورت سے کسی طرح کی کوئی ناپسندیدہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾ اور ہم انہیں بہت خوبصورت اور گھنے سایوں میں جگہ دیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل تک پہنچا دو۔

امانت کی ادائیگی کی صورتیں:

ایمان لانا اور عملِ صالح کرنا ضابطہ حیات ہے اور اسکی بنیاد اس بات پر ہے کہ بندہ ہر چیز کو اپنے تک محدود نہ رکھے۔ یہ سوچ نہ رکھے کہ ہر چیز اسی کے لئے رہے۔ دولت، عزت، اقتدار، عہدے سب پر خود ہی غاصب بن کر نہ بیٹھ رہے بلکہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾ جس شخص میں جو اہلیت ہے اس تک اللہ کی امانت پہنچا دی جائے۔ جس کے پاس علم ہے وہ آگے صاحبِ استعداد کو علم پہنچائے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ اپنے ساتھ محنت کرنے والوں کو ان کا جائز حصہ دے۔ جس کے پاس اقتدار ہے تو وہ صاحبِ قابلیت کو اقتدار میں شریک کرے۔ امانت کی ادائیگی کی یہ صورت تو معروف ہے کہ کوئی کسی کو امین بنا کر اپنی چیزیں اسے دیتا ہے کہ مقررہ وقت تک وہ حفاظت کرے اور پھر بعینہ واپس لوٹا دے لیکن امانت کا وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ تمام نعمتیں بندے کے پاس اللہ کی امانت ہیں انہیں صحیح جگہ پہنچانا حکم الٰہی ہے اور احکام الٰہی کی بجا آوری ہی آزمائش ہے۔ اللہ کی تقسیم ہی ایسی ہے کہ ایک شخص کو بہت سا رزق دے دیتا ہے اور اس میں بہت سے لوگوں کا حصہ رکھ دیتا ہے۔ کچھ اس پر فرائض ہوتے ہیں۔ اگر ان پر خرچ کرتا ہے، اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے تو اس نے اہل تک امانت پہنچا دی۔ اگر وہ مساکین و یتیم تک

زکوۃ پہنچا دیتا ہے تو یہ اس کے پاس ان کی امانت تھی' ان پر احسان نہ کرے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ جس کی امانت تھی اس تک پہنچا دی۔ اگر اس کے در پر کوئی مفلس آجاتا ہے اور وہ اس کی مدد کرتا ہے تو اسے یہ احساس ہونا چاہئے کہ اس کی جیب میں کسی اور کی روزی تھی جو اللہ کی دی ہوئی امانت تھی وہ اس نے اس کے اہل کو لوٹا دی تو یہ اس کا کسی پر احسان نہیں اپنے فرض کی ادائیگی ہے۔ اگر کسی کے پاس علم ظاہری ہے اور باطنی کمالات ہیں تو شیخ کا کام ہے کہ وہ اپنی طرف سے انہیں بھرپور توجہ دے تاکہ جس میں جو استعداد ہے اتنا حصہ وہ حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی امانت ہے کوئی فرد اسے اپنے تک محدود نہ کرے۔ اگر کوئی صاحبِ اقتدار ہے تو وہ ان لوگوں کو حکومت کے کاموں پر لگائے جن میں اس کام کی اہلیت ہے۔ تاکہ ملک آباد ہو اور لوگوں کو ان کے حقوق میسر آجائیں۔ لوگوں کو زندگی کے وسائل ملیں۔ اور ان تک عدل پہنچے۔ **وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ** ؕ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کی حیثیت پر آجاؤ یعنی کسی ایسی حیثیت میں آجاؤ کہ لوگوں کے درمیان تصفیئے کرواؤ' ان کے جھگڑوں کے فیصلے کرو' **اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ** ؕ تو عدل کے تقاضوں کے مطابق فیصلے کرو۔ کسی کی رعایت یا کسی کی طرفداری یا کسی کی ناجائز حمایت نہ کرو بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کرو۔ **اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ** ؕ اللہ جو حکم دیتا ہے یقیناً وہی بہترین ہوتا ہے۔

سب سے بہترین طریق کار وہ ہے جو اللہ نے عطا فرمایا:

احکامِ الٰہی اور شریعت کے قواعد وضوابط ہر اعتبار سے مکمل اور بہترین ہوتے ہیں۔ مختلف قوموں کے پاس زندگی گزارنے کے اپنے اپنے ضابطے ہیں۔ دنیا بھر کے دانشور، قانون دان، ماہرینِ سیاست ملک کیلئے قوانین و آئین و دستور بناتے ہیں۔ جس میں حقوق و فرائض متعین کئے جاتے ہیں۔ لیکن روئے زمین کے تمام آئین انسانوں نے اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لئے متعین کئے ہیں۔ تو ہوتا یہ ہے کہ جتنا وہ محتاج ہے جس کا حق متعین کیا جا رہا ہے ویسا ہی محتاج وہ بھی ہے جو کسی کا حق متعین کرنے بیٹھا ہے۔ جتنا محدود علم اس کا ہے جس کا حق متعین کیا جا رہا ہے اسی طرح کا محدود علم اسکا بھی ہے جو کسی دوسرے کا حق متعین کرنے بیٹھا ہے۔ اسی لئے جب انسان قوانین بناتے ہیں تو ان میں ترامیم کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اس لئے کہ وہ قابلِ عمل نہیں ہوتے۔ جیسے ہمارے ملک کے حکمران اور اُن کی قانون ساز اسمبلی' ممبرانِ اسمبلی سرکاری ائرکنڈیشنڈ گاڑیوں میں آتے جاتے ہیں' ائرکنڈیشنڈ کمروں میں رہتے ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ عوام پٹرول کا خرچ کیسے پورا کرسکتی ہے؟ اور بجلی کے بغیر کاروبار، رہائش، تعلیم کیسے ممکن ہے؟ انہیں کیا احساس ہے کہ جو مزدور اس چلچلاتی دھوپ میں سر پر بوجھ اٹھا کر تعمیر کا کام کررہا ہے اسے کیا مزدوری ملنی چاہئے؟ اسلئے کہ وہ قانون دان تو

دھوپ کی تپش سے آشنا ہی نہیں نہ اس مزدور کی ضرورت سے آگاہ ہے کیونکہ اسکی تو گاڑی سرکاری ہے۔ تیل بھی سرکاری۔ خواہ کتنا ہی مہنگا ہو جائے اسے تو مفت ہی ملتا ہے۔ اس کی جیب سے تیل کی قیمت نہیں جاتی۔ بجلی کا بل نہیں جاتا اور پھر بھی مسلسل بجلی کی فراہمی نصیب ہے تو اسے کیسے احساس ہوگا؟ اگر غریب کو آٹا نہیں ملتا تو وزیراعظم اور صدر کے ہاں ممبرانِ اسمبلی کے ہاں تو فاقوں کی نوبت نہیں آتی۔ ان کے ہاں تو ضروریاتِ زندگی بآسانی دستیاب ہیں بلکہ فراوانی سے مہیا ہیں۔ پوری دنیا میں جہاں انسان، انسانوں کے لئے قوانین بناتے ہیں وہ ان قوانین کو نافذ کرنے کے بعد تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان محدود علم، محدود اہلیت وقابلیت اور محدود وسعتِ نظر رکھتا ہے۔ اللہ کریم خالق ہے اور ساری مخلوق اس کی ہے وہ اپنی ساری مخلوق کی ہر ضرورت سے ہر وقت واقف ہے۔ وہ عادل ہے اور صحیح عدل وہی کرتا ہے۔ لہٰذا جو قوانین و دساتیر اللہ نے بنادیئے ہیں، جو اسالیب زندگی اللہ نے عطا کردیئے ہیں وہ سب سے بہترین ہیں۔ ہمارے آج کے مسلمان حکمران دین سے بغاوت کو روشن خیالی سمجھتے ہیں اور دین پر عمل کو قدامت پسندی کہتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ یقیناً اللہ ہی ہر حال سے واقف ہے۔ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ہر ایک کی سن رہا ہے۔ ہر ایک کے دکھ سے آشنا ہے۔ ہر ضرورت مند کی ضرورت سے آگاہ ہے اور اپنی بے شمار مخلوق کو تمہاری مداخلت کے بغیر پال رہا ہے۔ کتنی مخلوق سمندروں میں پل رہی ہے۔ کتنی مخلوق فضاء میں ہے۔ کتنی زمین پر ہے۔ کیا تم سب مخلوقات سے آگاہ ہو؟ انسان تو ان سب کا پورا علم بھی نہیں رکھ سکتا کجا یہ کہ ان کو پالنے کا اہتمام کرے۔ جو چڑیا لاکھوں میل کا سفر طے کر کے دوسرے علاقوں سے آتی ہے، جو مرغابیاں سائبیریا سے اُڑ کر گرم پانیوں کے لئے یہاں تک سفر کر کے آتی ہیں وہ کتنے ممالک سے گزر کر آتی ہیں، کیا وہ تمہاری اجازت سے آتی ہیں؟ کیا تم انہیں پاسپورٹ ویزے دیتے ہو؟ یہ قدرت کا نظام ہے۔ جسے وہ تمہاری مداخلت کے بغیر چلا رہا ہے۔ جہاں تمہیں تھوڑا سا عارضی اختیار ملتا ہے وہاں تم ناانصافی کیوں کرتے ہو؟ اسکے باوجود اس نے کسی کو نہیں چھوڑ رکھا۔ اس نے ہر انسان کے لئے اپنا نبی کریم ﷺ مبعوث فرمادیا۔ اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اس میں زندگی کے ہر سوال کا جواب عطا فرمادیا کہ کون سا کام کس طریقے سے کیا جائے اور ہر کام کا بہترین طریقہ تعلیم فرمادیا۔

ہماری بدنصیبی ہے کہ گزشتہ ساٹھ برسوں میں جو بھی نئی حکومت آئی اس نے کبھی ایک ملک کے تجربے کے بارے بات کی۔ کبھی کسی دوسرے ملک کی نقل کا سوچا۔ اگر نہیں بات کی تو اسلام کی نہیں کی۔ جہاں اتنے تجربے کر لئے وہاں اسلامی قوانین، اسلامی تہذیب کو نافذ کرلیں۔ تجربے کے طور پر ہی سہی کر کے دیکھ لیں۔ اس سے کیا کیا دنیاوی فوائد حاصل ہوں گے۔ لیکن اسلام کو تو کوئی تجربتاً بھی نافذ نہیں کرنا چاہتا اور نہ معلوم یہ صورت حال کب تک رہے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لانے والو! اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

ایمان کا تقاضا کیا ہے؟

ایمان کا تقاضا ہے کہ جب بندہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے تو اس کا سارا کردار اللہ کی اطاعت کے دائرے میں آ جائے اور اس کے پاس نافرمانی کی گنجائش نہ رہے۔ سوال یہ ہے کہ بندے کو کیسے پتہ چلے کہ اللہ کی اطاعت کیسے کرنی ہے؟ کون بتائے کہ اللہ کس بات پر راضی ہے کس بات پر ناراض ہے؟ فرمایا اطیعوالرسول بندے کے سامنے رضائے الٰہی کی زندہ مثال محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ایمان کا تقاضا یہ ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لاۤ اِلٰہَ الاّ اللّٰہ:

جب میں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میرا وجود لرز اٹھتا ہے۔ اسلئے کہ میں لاالہ الااللہ کی مشکلات سے واقف ہوں۔ یعنی یہ کہ صرف اللہ کو معبود مانا جائے۔ صرف اسی کی اطاعت کی جائے۔ کسی نقصان سے ڈر کر اور کسی نفع کی امید پر کسی اور دروازے پر پیشانی نہ رکھی جائے۔ یہ بہت مشکل کام ہے اور یہی مسلمانی ہے۔ یہی ایمان ہے کہ بھلائی کی توقع بھی اللہ سے رکھی جائے اور اسی کی گرفت اور اس کے عذاب سے ہی ڈرا جائے۔ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ پھر دنیا میں جو کوئی کرتا ہے وہ کر لے اس سے کیا ہوگا؟ اگر کفر طاقتور ہے تو مار ڈالے گا۔ اگر ہم دین پر استقامت کی وجہ سے کفر کے ہاتھوں مریں گے تو وہ موت نہیں ہوگی۔ اللہ کریم قرآن حکیم میں اعلان فرما چکے ہیں وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ جو اللہ کیلئے اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو۔ وہ مرتے نہیں۔ ان سے تو موت بھی مات کھا جاتی ہے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ وہ تو زندہ ہیں۔ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرہ آیت 154) لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔ تمہارا علم محدود ہے۔ تم سمجھ نہیں سکتے۔ دیکھنے میں تو بندہ قتل ہوا' اس کے ٹکڑے ہوئے یا اسے پھانسی کی سزا دی گئی پھر اس کو دفن کیا گیا لیکن حقیقتاً وہ زندہ ہے۔ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آلِ عمران 169) وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ رزق دیے جاتے ہیں۔ شہادت وہ عظیم نعمت ہے جو اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو نبی کریم ﷺ کی غلامی کرنے والوں کو اتباعِ شریعت کی سربلندی کرتے ہوئے نصیب ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس کو بدعقیدہ' بے دین مشرک کو شہید کہنا احکامِ الٰہی کے خلاف

ہے۔آج تو ملکی اخبار ہوں یا ٹی وی وہ ہر کسی کو شہید قرار دے دیتے ہیں۔حتیٰ کہ شکاگو میں مرنے والے مجبور مزدوروں کو جو مسلمان نہیں تھے انہیں بھی اخبارات شہید لکھتے ہیں۔پاکستان کے ان سابقہ حکمرانوں کو بھی شہید کہتے ہیں جو زندگی بھر کہتے رہے کہ ''اسلام ایک نا قابلِ عمل طرزِ حیات ہے'' اور یہ جملہ ان کی زبان پر عام رہا کہ ''اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں'' ان کے مرتے ہی انہیں شہید قرار دے دیا گیا۔اس لفظ کو اتنا عام اور سستا کر دیا گیا ہے۔یہ دین سے ناواقفیت اور دین سے دوری کی بناء پر کیا گیا ہے لیکن اس کے غلط استعمال سے احکامِ الٰہی کی توہین ہوتی ہے۔اللہ نے جو ضابطے بنائے ہیں صرف انہی کے مطابق قتل ہونے والا شہید ہوتا ہے۔اس کے علاوہ نہ کوئی شہادت ہے نہ کوئی شہید۔حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔وہ کرو جو حضور ﷺ کو پسند ہے اور وہ نہ کرو جو آپ ﷺ کو پسند نہیں۔یہی اللہ کی رضا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے خود فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء آیت 80) جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں حاکم ہوں۔اسلام ایک تنظیم، ایک ڈسپلن اور ایک قاعدے کا نام ہے اور ڈسپلن ہر کام میں لازمی رکھا گیا ہے مثلاً ایک سفر اختیار کیا جاتا ہے۔آپ ﷺ کی ہدایت موجود ہے کہ دو مسلمان کہیں روانہ ہوں تو ان میں سے ایک امیر ہونا چاہئے۔اسی طرح اس آیۃ مبارکہ میں بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان معاشرے کے امیر کی اطاعت کی جائے۔

اولی الامر یا امیر کون؟

اُولِي الْاَمْرِ وہی ہوگا جو اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا مصداق ہوگا۔ جہاں مسلمان معاشرے میں امیر کا ہونا لازم ٹھہرایا گیا وہاں امیر کیلئے ایک شرط بھی رکھی گئی ''مِنْكُمْ'' یعنی اے مسلمانو! تمہارا امیر تم میں سے ہو۔جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار ہوگا وہی امیر ہوگا۔ہر کس و ناکس نہیں کہ جس کے پاس بندوق ہو وہ حکومت پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے وہ اولی الامر نہیں ہے۔امیر وہی ہے جو مسلمانوں میں سے ہے۔اس کی اطاعت فرض ہے۔اس لئے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے خلاف کچھ نہیں کریگا۔جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (سنن ابن ماجہ) لوگو! میری سنت پر عمل کرو۔میرے بعد جو خلفائے راشد ہوں، نیک لوگ ہوں، نیکی پھیلانے والے ہوں، ان کی سنت پر بھی عمل کرو۔خلفائے راشد وہی فیصلہ کریں گے جو اللہ اور نبی کریم ﷺ کو پسند ہے۔اسلئے ان کے طریقوں کو بھی لازم قرار دیا گیا ہے۔خلیفہ بنانے کا شرعی طریقہ کار وہ ہے جیسے خلفائے راشدین کا انتخاب ہوا۔یوں کہ اُمت

کے چند سر برآوردہ لوگ' جن کا ایمان وعمل 'ورع وتقویٰ' دیانت وامانت، عدل وسیاسی بصیرت، مُسلّم ومعروف ہو اور پوری اُمت اس پر متفق ہو وہ چند متقی لوگ کسی ایک شخص کا انتخاب کریں کہ یہ شخص مسلمانوں کا امیر ہونے کا اہل ہے۔ پھر وہ خود اس کی بیعت کریں۔ اس کے بعد اسے عامۃ الناس میں پیش کیا جائے۔ تا کہ عوام بھی اس کی بیعت کر کے اس انتخاب کی تائید کر دیں۔ اسلام میں فیصلہ اُمت کے متقی افراد کرتے ہیں اور عوام الناس تائید کرتے ہیں۔ موجودہ صورت ووٹ شرعی نہیں ہے اسلئے کہ اس میں یہ فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے اور جب فیصلہ ہر شخص کرے گا تو ظاہر ہے کہ امانت و دیانت کو ہر کوئی معیار نہیں بنائے گا۔ لہٰذا اس صورت کے تحت ووٹ دے کر جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہاں یہ تکلف نہیں کیا جاتا کہ دیکھا جائے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے معیار پر کون پورا اترتا ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فرمایا جب ایسی صورت حال بن جائے کہ امیر کچھ فیصلہ کرے اور علماء حق واہلِ علم کہیں کہ یہ درست نہیں یا عوام کہیں کہ امیر کا یہ حکم ان کے مفاد میں نہیں تو پھر اپنی اپنی بات منوانے پر زور نہ لگاؤ بلکہ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ پھر اس جھگڑے کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو۔ قرآن سے فیصلہ لو۔ سنتِ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ لو۔ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہاں اللہ کریم نے ایمان کی شرط لگا دی ہے اور یہ اصول ہے کہ جب شرط پوری نہ ہو تو مشروط کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ **اذافات الشرط فات المشروط** یہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ **اولی الامر** کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار ہو۔ پھر بھی اس سے اگر اختلاف ہو جائے تو اپنی اپنی بات پر مت اڑ جاؤ۔ نہ امیر، نہ عوام بلکہ اپنے مسئلے کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق حل کرو۔ شریعت کے فیصلے کو دونوں قبول کر لو۔ اگر تم ایمان رکھتے اللہ پر اور یوم آخرت پر اس میں یہ شرط ہے لیکن تم ایسا نہیں کرتے۔ نہ تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار کو امیر بناتے ہو نہ تم اپنے فیصلے شریعت کے مطابق کرنا چاہتے ہو تو پھر تم مومن کیسے ہو اور تمہارا دعویٰ ایمان کیا حیثیت رکھتا ہے؟ آیت کے اس حصے نے تو ہلا کر رکھ دیا ہے کہ نام مسلمانوں جیسے رکھ لینے سے بات نہیں بنے گی۔ مسلمان ہو تو کردار گواہی دے کہ تم مسلمان ہو۔ سو مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کا بہترین لائحہ عمل دے دیا گیا ہے۔ جس میں امیر سے عوام تک ہر ایک کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند بنا کر ایک ڈسپلن دے دیا گیا ہے۔ جس میں اختلاف کے رفع کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾ یہ بہترین بات ہے جو بتائی جارہی ہے کہ اس کا انجام بھی بہترین ہے اور نتیجہ بھی بہترین ہے۔

النساء آیات 60 - 70 رکوع 9

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ
اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا
اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ
الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۞٦٠ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ
تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ
الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۚ ۞٦١ فَكَيۡفَ اِذَاۤ
اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ
جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ
تَوۡفِيۡقًا ۞٦٢ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ۚ
فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلْ لَّهُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ
قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ۞٦٣ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ
بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ
فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ
تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ۞٦٤ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ
فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپکی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی لیکن اپنے مقدمے شیطان کے پاس لیجانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان انکو بہکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے ﴿۶۰﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور رسول کی طرف تو آپ منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ سے پہلو تہی کرتے ہیں ﴿۶۱﴾ پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو کچھ پہلے کر چکے تھے پھر آپ کے پاس آتے ہیں اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے کہ ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوائے اس کے کہ کوئی بھلائی نکل آئے اور باہم موافقت

ہو جائے ﴿۶۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ سو آپ ان سے تغافل کر جایا کیجئے اور ان کو نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے خاص ان کی ذات کے متعلق مؤثر بات کہہ دیجئے ﴿۶۳﴾ اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے اور اگر جس وقت اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا رحمت کرنے والا پاتے ﴿۶۴﴾ پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرالیں پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور خوشی سے پُورا پُورا تسلیم کر لیں ﴿۶۵﴾ اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو۔ اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو بجز معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا اور اگر یہ لوگ جو کچھ انکو نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا ﴿۶۶﴾ اور اس حالت میں ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے ﴿۶۷﴾ اور ہم ان کو سیدھا رستہ بتلا دیتے ﴿۶۸﴾ اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صُلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں ﴿۶۹﴾ یہ فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں ﴿۷۰﴾

قرآن کریم کا اعجاز:

قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کے مضامین کبھی پرانے نہیں ہوتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اسے جب بھی پڑھیں یہ حالات حاضرہ پر رہنمائی دے رہا ہوتا ہے۔ یہ اپنے نزول سے لے کر تا قیامت ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہے اور ہر عہد میں لوگوں کو ان کے ماحول اور معاشرے میں اللہ کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس آیۃ کریمہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بے شک اس میں ہمارے آج کے حالات ہی زیر بحث ہیں فرمایا اے میرے حبیب ﷺ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ آپ ﷺ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو آپ ﷺ سے پہلے نازل ہوا ہے۔ یہ ان سب کو اللہ کا کلام مانتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور مسلمان کہلواتے ہیں انہیں قرآن پر ایمان کا بھی دعویٰ ہے اور پہلی کتابوں پر بھی لیکن یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ یہ اپنے فیصلے طاغوت سے کرواتے ہیں۔ یہ اپنے ذاتی معاملات سے لیکر ملکی امور تک کے فیصلے ان لوگوں سے کرواتے ہیں جو شیطان کے پیروکار ہیں۔ وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ حالانکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ شیطان اور اسکے پیروکاروں کی بات نہ مانی جائے لیکن یہ ایسی عجیب قوم ہے جو حضور ﷺ کو خاتم النبیین ماننے کا' قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کا، قرآن سے پہلے کی کتابوں پر ایمان لانے کا، پہلے سے تشریف لانے والے انبیاء پر ایمان لانے کا زبانی دعویٰ کرتے ہیں لیکن عملاً ان کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین سے فیصلے کروائیں اور ایسے فیصلے کریں جو کافروں کو پسند ہوں۔ طاغوت سے مراد شیطان بھی ہے شیطان کے پیروکار، کافر، مشرک، تین خداؤں کے قائل، اللہ کا بیٹا ماننے والے، فرشتوں کی اور بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں۔ یہ سب طاغوت کے زمرے میں آتے ہیں جو اپنے فیصلے شیطان کے پیروکاروں کے پاس لے جاتے ہیں۔ وَ یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾ جب یہ اپنے فیصلے شیطان کے پیروکاروں کے پاس لے جاتے ہیں تو شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان سے ایسے غلط فیصلے کروائے کہ یہ راہ راست سے بہت دور چلے جائیں اور دور دراز کی گمراہی میں بھٹک جائیں۔

آج کے حکمرانوں کی روش:

کیا آج ہمارے حکمران اس روش پر نہیں چل رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین پرانا ہو چکا ہے۔ اس پر عمل قدامت پسندی ہے۔ کفار سے فیصلے کروانے کو روشن خیالی کہتے ہیں۔ یہ اس بات کو دہراتے رہتے ہیں کہ قرآن چودہ سو سال پرانی کتاب ہے۔ وہ حالات بدل گئے۔ وہ زمانے بدل گئے۔ وہ لوگ گئے۔ اب تو دنیا

گلوبل ولیج ہے۔ بین الاقوامی طور پر لوگوں کے ساتھ روابط رکھتے ہیں۔

آج سے چودہ سو سال پہلے دنیا گلوبل ولیج بن گئی تھی:

لیکن یہ کہنے والے بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا اس وقت گلوبل ولیج بنی تھی جب آج سے چودہ سو سال پہلے آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری انسانیت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (الاعراف آیت 158) اے اولاد آدم تم روئے زمین پر جہاں بھی ہو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں۔ تو دنیا اس وقت گلوبل ولیج بن گئی تھی جب ساری دنیا کے لئے اللہ کا ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گیا تھا۔ جو اپنے ساتھ وہ کتاب لایا جو اللہ کا ذاتی کلام ہے۔ جو قیامت تک کے لئے راہِ ہدایت ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی فرماتی ہے۔ اسکے خلاف چلنے والا نہ صرف یہ کہ آخرت ضائع کرتا ہے بلکہ دنیا میں بھی ذلت و خواری اسکے نصیب میں آتی ہے۔

کیا یہ آیت ملکی حالات کی منظر کشی نہیں کر رہی؟

اس آیت کریم کا ترجمہ پڑھیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ ہمارے ہی لئے ہے۔ ملکی دانشوروں، حکمرانوں کو دیکھیں تو کیا ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ اس آیت میں موجود حالات کا ہی تذکرہ ہو رہا ہے۔ فرمایا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں گمان ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ یہ مسلمانی کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنی جگہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی الہامی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں اور انبیاءؑ سابقہ کی نبوت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ لیکن یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے فیصلے شیطان کے پیروکار کریں۔ جیسے آج ہمارے ملک کے حکمران کہتے ہیں کہ ملکی فیصلے واشنگٹن، لندن سے، کفار کے ایوانوں میں ہوں اور اس ملک پر نافذ کئے جائیں۔ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ط حالانکہ واضح حکم ہے کہ کافروں کی بات نہ مانو۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو اور انہیں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کافر تو شیطان کا پیروکار ہے۔ اگر اس کی بات مانو گے تو شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۶۰﴾ انہیں گمراہی سے دور لے جائے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے آؤ اس کتاب سے فیصلہ پوچھیں وَاِلَى الرَّسُوْلِ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہییں تو آؤ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوں اور دیکھیں کہ ہمارے

امور کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کیا فیصلہ دیتے ہیں۔ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ تو آپ ﷺ دیکھیں گے کہ یہ منافقین آپ ﷺ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ اس بات پر اڑ جاتے ہیں کہ اپنے امور کے فیصلے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں جانا اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ کی طرف آنے سے روکنے کے لئے سارا زور لگا دیتے ہیں۔ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ اور جب اپنے ان غلط فیصلوں کی وجہ سے ان پر اُفتاد پڑتی ہے۔ان کے غلط فیصلے ان پر اُلٹ پڑتے ہیں۔ان کی حکومتیں اور اقتدار چھن جاتا ہے۔لوگ انہیں تختِ سلطنت سے اُتار کر، زنجیریں پہنا کر، جیلوں میں بٹھا دیتے۔ان کے کردار کے نتیجے میں انہیں جب یہ مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں تو پھر آپ ﷺ کو یاد کرتے ہیں۔آپ ﷺ کی بارگاہ کی طرف دوڑتے ہیں۔قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ ہمارا ارادہ تو یہ تھا کہ قوم کی بہتری ہو۔ہماری تو یہ کوشش تھی کہ قوم میں اتفاق واتحاد اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ہماری تو سوائے بھلائی اور باہمی موافقت کے اور کوئی غرض ہی نہ تھی۔یہ کیسی یگانگت ہے کہ ساری قوم کو فحاشی میں جھونک دو۔ملک میں بیروزگاری پیدا کر کے قوم کو ڈاکے کی راہ پر ڈال دو۔ساری قوم میں اتفاق ہو جائے گا؟ کسی برائی پر متفق ہونے کو اتفاق نہیں کہا گیا۔بھلا ظلم پر جمع ہونے سے اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے یا انتشار و فساد پیدا ہوتا ہے؟ اتحاد تو پیدا ہی تب ہوتا ہے جب لوگوں میں نیکی اور بھلائی کو رواج دیا جائے۔برائی پر جمع ہونے والے حق کے خلاف جمع ہو جاتے ہیں لیکن ایک دوسرے کے وہ دشمن ہی ہوتے ہیں۔ان کی حقیقت اللہ یوں بیان فرماتے ہیں وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر آیت 14) کہ ہر کافر، مشرک، ظالم، بدکار کا دل الگ الگ ہوتا ہے اسی لئے ان کے دل کفار و مشرکین سے فیصلے کروا کر ہی راضی ہوتے ہیں۔حالانکہ اللہ نے اسلام کا دعویٰ رکھنے والے ہر شخص کو حکم دیا ہے کہ صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات مانو اور اگر کوئی تنازع ہو جائے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء آیت 59) کسی بات میں اختلاف رائے ہو جائے تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں لاؤ اور وہاں فیصلہ کراؤ۔لیکن یہ اس بات سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔حق وانصاف کی جگہ من مانی کرنا چاہتے ہیں۔ججز کی برطرفی اس بات کی تازہ مثال ہے۔ایک شخص نے غیر قانونی، غیر آئینی طریقے سے ججوں کو برطرف ہی نہیں کیا چھ ماہ قید میں بھی رکھا۔پھر حکومت بدل گئی۔نئی حکومت نے ججوں کو بحال کرنے کے وعدے پر ووٹ لیے۔اس مرتبہ کثیر تعداد میں لوگوں نے ووٹ دیئے۔حالانکہ پچھلے الیکشن میں لوگ اتنے بددل تھے کہ پندرہ سولہ فیصد turnover تھا۔اس مرتبہ

لوگوں نے ملک سے ظلم ختم کرنے کے وعدے پر ووٹ دیئے لیکن جب حکومت بن گئی تو جج بحال نہ ہو سکے۔ آئے دن قانونی مشورے ہوتے رہے۔ گویا ایک فردِ واحد نے محض طاقت کے بل بوتے پر ایک غیر آئینی کام لمحوں میں کر ڈالا اور حکومت کی طاقت اس غلط کو صحیح کرنے کے لئے آئینی و قانونی ماہرین سے مشورے کر رہی ہے۔ یہ کونسی منطق ہے کہ غلط کام کے لئے مشورے کی نہیں طاقت کی ضرورت ہے اور غلط کو صحیح کرنے کے لئے طاقت کی نہیں مشورے کی ضرورت ہے۔ حالانکہ حق منوانے کے لئے قوتِ ایمانی اور ارادے کی ضرورت ہے۔ کاشتکاروں نے سال بھر محنت کی 'غلّہ' اُگایا۔ اب حکومت کاشتکاروں پر چھاپے مار رہی ہے کہ یہ ذخیرہ اندوزی ہے۔ جس نے سال بھر محنت کی وہ ذخیرہ اندوز ٹھہرا اور جو پچھلے پانچ سالوں سے گندم وسط ایشاء تک سمگل کرتے رہے وہ ذخیرہ اندوز نہیں۔ حالانکہ وہ چھاپے مارنے والوں کے سربراہ ہیں اور اسمبلی کے ممبران ہیں۔ جنہوں نے اربوں روپے کے قرضے ملکی بینکوں سے لیے اور حکومت نے معاف کر دیئے۔ ملک کنگال ہو رہا ہے۔ مہنگائی کمر توڑ رہی ہے اور کوئی نہیں جو ان سے اربوں روپے واپس لے۔ کیوں واپس نہیں لیتے؟ اس لئے کہ جن کے معاف ہوئے وہ پھر اسمبلی میں بیٹھ گئے ہیں۔ عدل و انصاف کرنا ہو تو ان کی جائیدادیں، زمینیں، گاڑیاں، کوٹھیاں نیلام کریں۔ ایک ایک کے پاس کئی کئی ہزار مربع زمین ہے۔ غیر ملکی اکاؤنٹس اور سرمایہ علیحدہ ہے۔ ان لوگوں سے قوم کا پیسہ واپس لیں۔ لیکن اس کے بجائے حکومت غریب پر مزید ظلم توڑے جا رہی ہے۔ یہی بات قرآن حکیم میں بتائی جا رہی ہے کہ دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں۔ فیصلے کفار سے کرواتے ہیں، اور جب اُنہیں قرآن و شریعت کی طرف متوجہ کیا جائے تو شد و مد سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ پوری عمر دین کے مخالف چل کر' دین کی مخالفت کر کے جب مر جاتے ہیں تو جس کا جی چاہے انہیں شہید قرار دے دیتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ زندگی بھر دین پر طنز کے دین کا نام لینے والوں کو دہشت گرد قرار دیا۔ اسلامی ریاست میں مساجد کو' ان میں پڑھنے والی ہزاروں بچیوں سمیت بموں اور گیس شیل کی نذر کر دیا۔ ایسے بم استعمال کئے جن سے فضاء میں آگ پیدا ہو جاتی ہے اور مسجد کی عمارت اور لوگ جل کر راکھ ہو گئے۔ اس شہر کا نام اسلام آباد ہے۔ جہاں مساجد برباد کی جا رہی ہیں پھر یہ لوگ مرتے ہیں تو انہیں شہید کیوں کہتے ہیں؟ شہادت تو ان کے نزدیک قدامت پسندی کا نام ہے۔ یہ تو مغربیت کو روشن خیالی کہتے ہیں۔ روشن خیال قوموں نے تو مردے دفن کرنے کی پرانی روایت چھوڑ دی ہے۔ وہ تو مردے کو بجلی کی بھٹی میں ڈالتے ہیں۔ مردہ راکھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان روشن خیال لوگوں کو بھی قبروں میں دفن ہونے کی روایت کے بجائے بجلی کی بھٹیوں کا رخ کرنا چاہیے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اے میرے حبیب ﷺ! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دلوں میں وہ کچھ چھپا ہوا ہے جو یہ لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے۔ اگرچہ ان کے کردار سے عیاں ہوجاتا ہے۔ لیکن اللہ جانتا ہے۔ اگر اللہ ان کے حال لوگوں پر منکشف کردے تو لوگ انہیں دیکھ کر بھاگ جائیں۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ اے میرے حبیب ﷺ ان سے اعراض کیجئے۔

اِعراض کیا ہے؟

اِعراض یہ نہیں ہے کہ یہ ظلم کرتے رہیں اور اللہ کے بندے خاموش رہیں۔ اِعراض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ان سے توجہ ہٹالیں ان کی پرواہ نہ کریں' انہیں نگاہِ شفقت سے محروم کردیں۔ جو شخص اس آیت کی زد میں آگیا جس میں اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اِعراض کریں اس شخص کے لئے دنیاو آخرت میں کوئی جائے پناہ نہیں۔ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ فرمایا ان سے اِعراض برتتے ہوئے بھی اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے۔ آپ ﷺ انہیں نصیحت فرماتے رہیے۔ ان کے غلط کاموں کی نشاندہی کرتے رہیے اور ان سے ایسی بات کہتے رہیے جو ان کے دل میں اتر جائے اور اپنا بلیغانہ انداز جاری رکھئے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ فرمایا ہر نبی و رسول علیہ السلام اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تمام انسان رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے مستفیض ہوں اور اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کی بے چوں چرا اطاعت کی جائے۔ تمام انبیاءؑ اللہ کے حکم سے لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے لہٰذا پوری انسانیت اُمت دعوت ہے ان میں سے جو قبولِ اسلام کرلیں وہ اُمت مسلمہ ہے اور جو اُمت مسلمہ ہونے کا دعویٰ کرے اور دل سے نہ مانے تو یہ منافقین میں سے ہے۔ منافقین کیلئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ کفار سے بھی بدتر ہیں۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء آیت 145) منافقین دوزخ میں کافر سے بھی نچلے درجے میں ہوں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ کافروں کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہے گی وہ منافقین کی غذا ہوگی۔

نبی کریم ﷺ رحمتِ مجسم ہیں اور دارِ دنیا میں موجود ہر شخص کے لئے اللہ کا درِ رحمت کھلا ہے، سو فرمایا کہ اللہ نے تو اپنے نبی کریم ﷺ کو رحمۃ العالمین بنا کر مبعوث کردیا ہے تو کوئی بھی شخص خواہ کتنے ہی گناہ کر چکا ہو اسکے لئے دارِ دنیا کی مہلت باقی ہے اور رحمۃ العالمین کی رحمۃ للعالمینی بھی باقی ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا ﴿۶۴﴾ کتنے بھی گناہ کر چکے ہوں ایک دروازہ کھلا ہے اور توبہ کا دروازہ یہ ہے کہ جَآءُوْكَ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

ہو جائیں اور کہیں کہ حضور ﷺ ہم سے بہت زیادتیاں ہوئیں لیکن اب سب کچھ چھوڑ کر آپ ﷺ کے قدموں میں آگئے ہیں۔ حاضر ہوگئے ہیں۔ **فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ** پھر اللہ سے معافی مانگیں۔ **وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ** اور اللہ کا رسول ﷺ بھی ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرے۔ یعنی بندے اس خلوص سے حاضر ہوں، دل کی اس گہرائی اور درد سے حاضر ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دستِ کرم ان کی بخشش کے لئے اُٹھ جائیں اور اللہ کے حبیب ﷺ اللہ سے ان کیلئے بخشش طلب کریں **لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا** تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ کتنا توبہ قبول کرنے والا اور کتنا بڑا رحم کرنے والا ہے۔ وہ بڑے بڑے گناہگاروں، مجرموں کو بھی بخش دے گا۔ انہیں توفیق ہدایت دے دے گا۔ ان کو نیکی کی اور اصلاح احوال کی توفیق دے دے گا۔ ان کے اعمال سدھر جائیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ خلوصِ دل سے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اس خلوص سے حاضر ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ بے ساختہ ان کی بخشش کے لئے اُٹھ جائیں پھر دیکھیں اللہ کس طرح معاف کر دیتا ہے اور کتنی رحمتیں نچھاور کرتا ہے۔ اس بات پر علماء حق کا اتفاق ہے کہ جب تک آپ ﷺ دنیا میں تشریف رکھتے تھے جو بھی حضور ﷺ کے پاس پہنچا آپ ﷺ نے دعا فرمادی تو اسکی نجات یقینی ہوگئی۔ آپ ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد سے روضۂ اطہر پر حاضر ہونا بھی یہی شرف رکھتا ہے اور جو وہاں نہ پہنچ سکے وہ جہاں بھی ہو آپ ﷺ کی غلامی کا اقرار کرلے اور اپنے عمل کی اصلاح کرلے تو کبھی محروم نہ رہے گا لیکن وہ لوگ جو رسماً رواجاً حج عمرے کرتے ہیں قوم بھوکوں مر رہی ہے۔ حکومتی ارکان قوم کے پیسے پر جہاز بھر کر اپنے حواریوں کو لے جاتے ہیں اور پھر اکڑ دکھاتے ہیں کہ میرے لئے تو کعبے کا دروازہ کھلا۔ میرے لئے تو مسجد نبوی ﷺ کے دروازے کھلے۔ میں نے یہ کر دیا۔ وہ کر دیا یعنی عجز وانکساری اور توبہ کے بجائے اس پر بھی اپنی ہی بڑائی کرتے ہیں تو ایسے محروم ہی رہیں گے۔

اللہ کی بخشش پانے کا واحد راستہ:

فَلَا وَرَبِّكَ قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ یہ **لَا يُؤْمِنُوْنَ** مسلمان ہو ہی نہیں سکتے۔ **حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ** جب تک یہ اپنے سارے فیصلے محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے نہ کروائیں۔ ان کے عنداللہ مسلمان مانے جانے کا راستہ ایک ہی ہے۔ یہاں اللہ کریم نے اپنے اسم ذات کی قسم نہیں کھائی بلکہ رب کی قسم کھائی ہے اور اس لئے کھائی کہ ربوبیت اللہ کی صفت ہے۔ اللہ ہی سب کو پالتا ہے۔ تربیت کرتا ہے۔ اپنے نظام کو چلاتا ہے۔ فرمایا ہے کہ یہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک یہ آپ ﷺ کو اپنا حاکم نہ مان لیں یعنی آپ ﷺ سے ہی فیصلے کروائیں۔ **ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ**

وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾ پھر جو فیصلہ آپ ﷺ فرما دیں اسے قبول کرتے ہوئے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں۔ دل کی گہرائی میں بھی یہ خیال نہ ہو کہ زبانی کہتے رہیں کہ ہمیں اپنے لئے شریعت کا فیصلہ منظور ہے اور دل سے کڑھتے رہیں کہ یہ کیا مشکل ہے بلکہ آپ ﷺ کے فیصلے کو اپنے لئے بہترین سمجھیں۔ دل کی خوشی سے مانیں اور ایسے مانیں کہ حق ادا کر دیں تو میں ان کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دوں گا۔ اس لئے کہ میرے حبیب ﷺ کا اتباع ہی وہ دروازہ ہے جہاں پہنچ کر اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کو پایا جا سکتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں ملکی حالات اس لئے بیان کئے تا کہ ہم اپنے انفرادی اور قومی مسائل کا شافی حل پا سکیں۔ ہم بھی تب ہی اللہ کے نزدیک مسلمان مانے جائیں گے جب ہم اپنے ذاتی فیصلے، گھر اور کاروبار کے فیصلے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے کروائیں، اور اللہ کے کرم، اللہ کے نبی کریم ﷺ کی دعا کے خود کو اہل بنائیں۔ یوں تو ہر کوئی مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے لیکن کوئی نیکی تب تک نیکی نہیں جب تک اللہ اسے قبول نہیں فرماتا اور عمل کی قبولیت کی کوئی رسید ہمارے پاس نہیں۔ اس کا تو میدانِ حشر میں پتہ چلے گا۔ دنیا سے چلے جانے والے کا معاملہ تو ربّ العالمین کیساتھ ہے۔ اللہ ہر کلمہ گو کو معاف کرے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم انفرادی زندگی کے معاملات کو حضور ﷺ کے اتباع میں لائیں۔ **وَ لَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ ؕ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَ اَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا ﴿۶۶﴾**

حضور ﷺ کی اطاعت سراسر خیر ہے:

حضور ﷺ کا فیصلہ من جانب اللہ ہوتا ہے۔ فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ فرما دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو۔ **اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ** اپنی جان دے دو یا پھر یہ فرما دیتے کہ اللہ کا حکم ہے کہ اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو فرمایا **مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ ؕ** تو یہ بہت مشکل ہو جاتا اکثریت بھاگ جاتی لیکن کم ہی سہی ایسے جانثار ضرور ہوتے جو جان ہار جاتے یا گھر بار چھوڑ جاتے اور صحابہ کرامؓ ہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت میں جانیں بھی ہار دیں اور گھر بار بھی چھوڑ دیئے اور ثابت کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کا حق کیسے ادا کیا جائے۔ ہم آج کے لوگ شاید اس محبت کو سمجھ نہ سکیں۔ ہماری محبت اور طرح کی ہے۔ ہماری محبت یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ سے اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے تو پھر ہمیں وہاں سے کیا ملے گا اکثر نعتوں اور شاعری میں یہی کچھ ہوتا ہے کہ مجھے یہ شے مل جائے یا وہ چیز مل جائے۔

محبت کا تقاضا:

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ہر فیصلے پر دل راضی ہو جائے۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہمیں یہ احساس ہو جائے کہ اللہ نے ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ صرف ذہنی صلاحیتیں ہی ہر فرد میں اتنی ہیں کہ آج کے محققین کہتے ہیں کہ دماغ و ذہن کو استعمال کر کے اس وقت دنیا میں جتنی ایجادات ہوئی ہیں' نئی نئی تحقیقات ہوئی ہیں' ان سب لوگوں میں سے بہت کم ایسے ہیں جو اپنے دماغ کا دس فیصد استعمال کرتے ہیں یعنی اتنے ذہین ماہرینِ فن میں سے کوئی ایسا فرد نہیں ملتا جس نے تقریباً پندرہ فیصد تک بھی دماغ استعمال کیا ہو۔ 85 فیصد ابھی ان کا بھی باقی رہتا ہے تو عام انسانوں کا کیا استعمال ہوا ہوگا۔ اس لئے کہ لوگوں کی اکثریت کی تگ و دو اور فکر و افکار کا محور یہی ہوتا ہے کہ غذا کہاں سے ملے؟ خواہ حلال ہو یا حرام۔ چند سکے کیسے مل سکتے ہیں؟ شہرت کیسے ہو؟ انا کی تسکین کیسے ہو؟ گھر کیسے بنالوں؟ بچے کیسے پالوں؟ یہی سوچ تو چرند پرند اور حیوانات کی بھی ہے۔ انسان کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اس کی سوچ تو اتنی بلند ہونی چاہیے کہ وہ اپنا فریضۂ حیات نبھاتے ہوئے اللہ کے احکام پیشِ نظر رکھے۔ اپنے تمام امورِ زندگی اتباعِ نبی کریم ﷺ میں لائے اور اسے اپنے نبی کریم ﷺ سے ایسی محبت ہو کہ جو فیصلے بارگاہِ رسالت ﷺ سے صادر ہوں وہ بظاہر سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں بندہ دلی رضامندی اور گرویدگی کے ساتھ انہیں اپنے حق میں بہترین سمجھے۔ لیکن ہمارا آج کا حکمران یہ کہتا ہے کہ اسلام قابلِ عمل نہیں رہا یہ سوا چودہ سو سال پرانا ہو چکا ہے۔ آج کے دور میں' آج کے زمانے میں ضروریات بدل چکی ہیں تو اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ ذرا اس بات پر غور کیا جائے۔ انسان کی کون سی ایسی ضروریات ہیں جو بدل گئی ہیں؟ کیا اس وقت انسانی ضروریات مختلف تھیں؟ کھانا پینا، گھر بنانا، بچے پالنا، اپنے حقوق کی حفاظت کرنا آج کیا بدل گیا ہے؟ آج بھی انسانی ضروریات وہی ہیں اور ان کی تکمیل بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ صرف تکمیلِ ضرورت کے وسائل بدل گئے ہیں۔ اس زمانے میں لوگ پیدل یا اونٹ پر سفر کرتے تھے۔ آج ہوائی جہاز پر بیٹھ کر جاتے ہیں۔ جو ایک ذریعۂ سفر ہے تو صرف ذریعہ بدلا ہے ضرورت نہیں بدلی۔ نہ انسان بدلا ہے نہ اس کی آرزو بدلی ہے۔ اس زمانے کے انسان کو بھی انصاف چاہیے تھا۔ آج کے انسان کو بھی عدل کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اُس وقت تھی۔ بلکہ ظہورِ اسلام کے وقت عالمِ انسانیت کی حالت اتنی بدترین تھی کہ تاریخِ عالم میں نہ اس سے پہلے دیکھنے میں ملتی ہے نہ اس کے بعد آج تک اتنی بگڑی ہے۔ بعثتِ رحمت ﷺ نے ان تمام خرابیوں کے درمیان گلزارِ ابراہیمؑ پیدا کر دیا۔ اس انتہائی بگڑے ہوئے معاشرے میں جب اسلام عملاً نافذ ہوا تو ہر فرد کو تحفظِ حقوق نصیب ہوا۔ عزتِ نفس نصیب ہوئی۔ زندگی کے

وسائل اور آزادی رائے نصیب ہوئی۔ امن وسکون عطا ہوا۔ اس عظیم نعمت کے مخالف آج کے روشن خیال حکمران' روشن خیالی اور عوام کے حقوق کی بحالی کے نعرے لگاتے ہیں۔ آزادی کے نام پر لوگوں کو غلام بنا کر رکھا جاتا ہے۔ حکمران کسی سمت نکلتے ہیں تو مشکلات کے مارے عوام کے لئے سڑکیں اور راستے بند کر کے زندگی دوبھر کی جاتی ہے اور یہی لوگ عہدِ رسالت ﷺ وعہدِ صحابہؓ کے اندازِ حکمرانی کو آج قابلِ عمل نہیں سمجھتے حالانکہ عہدِ صحابہؓ وہ عہد تھا جس میں معلوم دنیا کے تین حصوں پر حکومت کرنے والے حکمران کو لوگ راستے میں روک لیتے تھے اور اپنے مسائل کی جواب طلبی کرتے تھے۔ بوڑھی عورتیں حکمران کا دامن پکڑ کر کھڑا کر لیتی تھیں اور حکمران رک جاتے تھے۔ ان کی بات سنتے' ان کا جواب دیتے تھے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی میں اگر کوئی کمی ہوتی تو اسے پورا کرتے تھے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ قرآن نے یہ طے کر دیا کہ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ اس بات کی فکر کرے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے میرے لئے کیا حکم ہے؟ پھر اس کی تعمیل میں اپنی پوری قوت لگا دے۔ حالانکہ اللہ کریم نے یہ حکم نہیں دیا کہ خودکشی کرو یا گھروں کو چھوڑ دو لیکن اگر ایسا حکم بھی مل جاتا تو یہی کام کرنا عین عبادت ہوتا اور اسی میں انسانیت کی بہتری ہوتی۔ جس بات کا حکم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے مل جاتا اگر وہ اسی پر عمل کرتے تو اسی میں بہتری ہوتی کہ جو حضور ﷺ فرما دیتے ہیں اس میں سراسر خیر ہوتی ہے۔ خواہ اس میں جان چلی جائے، گھر چھٹ جائے یا انسان کے تمام وسائل لگ جائیں اور سارا شر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت ہی میں خیر ہے اور یہ انسانی اقدار کو' معاشرے کو اور نظامِ کائنات کو مستحکم کرتی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ پر انعام اللہ کریم اپنی شان کے مطابق دیتا ہے:

فرمایا اگر لوگ آپ ﷺ کے حکم پر جانیں ہار دیتے ہیں۔ گھر لٹا دیتے ہیں۔ تو بھی اتنا کچھ انہوں نے قربان نہ کیا ہوتا جتنا رب العالمین نے انہیں عطا فرما دیا **وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾** اطاعتِ رسول ﷺ کا انعام جب اللہ کریم ﷺ اپنی بارگاہ سے دیتا ہے تو اپنی شان کے مطابق دیتا ہے۔ ہم اپنے سارے پیمانے جمع کر لیں۔ لاکھ ضربیں لگا کر بڑھا لیں۔ ہمارا معیار ہماری خرد کے تابع ہی ہوگا۔ لیکن اجرِ عظیم وہ ہے جو اللہ اپنی شان کے مطابق دیتا ہے۔ جسے کوئی دنیاوی پیمانہ ماپ نہیں سکتا۔ فرمایا میں ایسے لوگوں کو دنیا و آخرت میں راہِ ہدایت عطا کرتا ہوں۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرتا ہوں۔ ان کا ہر فیصلہ حق ہوتا ہے اور ہر قدم حق پر ہوتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے پہلے

مصداق صحابہ کرامؓ ہیں یہ ایسے عجیب لوگ تھے کہ چشمِ فلک نے ایسے لوگ نہ بعثتِ عالی سے پہلے دیکھے نہ عہدِ صحابہؓ کے بعد۔ رفاقتِ پیغمبر ﷺ کے لئے اللہ نے ایسے لوگ بنائے جن کی مثال کوئی اورنہیں ہوسکتا۔ ان کے فکروعمل پراس کی چھاپ لگی ہوئی ہے کہ کسی خیر کا کوئی زرہ حضور ﷺ کی اطاعت سے باہرنہیں ہے۔

آج کے مسلمان کوشکوہ ہے۔ وہ زبان سے کہے یا نہ کہے کہ اس کا کرداراس کی زبان حال ہے۔ وہ اپنے اٹھنے بیٹھنے میل جول سے اظہارکرتا ہے کہ وہ اللہ سے شاکی ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ سے بھی نالاں ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم ہی رسوا ہورہے ہیں، قتل ہورہے ہیں اور بیدردی سے مارے جارہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی نظم شکوہ میں ان سب شکایات کوزبان دے دی۔ لوگوں کے دلوں میں موجود باتوں کوالفاظ دے دیئے۔ لیکن اس شکوہ کا جواب اللہ کریم کی طرف سے ایک ہی ہے کہ تم نے بارگاہِ رسالت ﷺ سے منہ موڑ کرغیروں کی غلامی کرلی، رسوائی تمہارا مقدرنہیں تھی۔ تم نے رسوائی خرید کراپنے حصے میں کرلی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقدرنہیں تھی۔ تم نے اپنے اختیارکواستعمال کیااور کافروں کو، منکرین اور بے دینوں کواپنا رہنما بنالیا۔ تم نے انہی چیزوں کی آرزو کی جن کا نتیجہ رسوائی تھا۔ تم آگ میں سلامتی تلاش کرتے رہے۔ ڈاکوؤں کے ہاں عدل تلاش کرتے رہے۔ چوروں کے در پرسلامتی کے طلبگار رہوئے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ جوشخص اللہ سے وفانہیں کرتا، اللہ پرایمان نہیں لاتا، اللہ کے رسول ﷺ اوران کی لائی ہوئی شریعت پرطنز وتنقید کرتا ہے وہ تمہارا حکمران ہے۔ رہنما ہے۔ خود تمہارے اندازِ زندگی مسلم دشمن اقوام سے مستعار ہیں۔ تمہیں ان سے الگ کرکے دیکھنا ممکن نہیں رہا۔ تمہارے طوراطوار، تہذیب وتمدن کفار کی پیروی میں چلے گئے۔ تمہارا عدالتی نظام، معاشی، تعلیمی اورسیاسی نظام اسلام سے عاری ہے تو تم کس بات پرشکوہ کرتے ہو؟ کوئی معاشرہ حقیقی عدل، آزادی اور آبرومندانہ اقدار پر قائم نہیں ہوسکتا جب تک اسے اطاعت الٰہی اوراتباع محمد ﷺ پراستوار نہ کیا جائے۔ اطاعت پیغمبر ﷺ کو چھوڑ کرتم یہ چاہو کہ ماوشما کے کہنے پرعمل کرو اور معاشرے میں امن بھی قائم ہوجائے۔ برائے نام دانشوروں کی دانش پر اعتبار کرو اور معاشرے میں عدل قائم ہوجائے۔ منکرین عظمت الٰہی اورمنکرین رسالت ﷺ کوتم اپنا قبلہ مان کراپنی سلطنت چلاؤ اور پھرچاہو کہ سلطنت میں امن وامان ہو۔ عدل وتحفظ ہو، لوگ خوشحال ہوں۔

''ایں خیال است ومحال است وجنون''

بعثتِ عالی سے لے کرتا قیامت تمام طرح کی بھلائیاں اورخوشحالی صرف اطاعت رسول اللہ ﷺ میں ہے۔ اس سے باہر پھرشرہی شر ہے۔ لیکن تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بنے بنائے آشیانے ملے تم نے تنکہ تنکہ

بکھیر دیا تم تو وہ لوگ ہو جنہیں دنیا کو اسلام کی روشنی سے بھر کر گہوارہ امن بنا کر تمہارے سپرد کیا تھا۔ تم نے اس امن کو آگ لگادی۔ آگ لگانے کے بعد اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے شاکی ہو۔ قرآن کو آئینہ بناؤ۔ اپنے کردار کو دیکھو۔ قرآن بتاتا ہے کہ تمہاری مادی عقل ان حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتی جو رب العالمین جانتا ہے۔ تمہارا دماغ ان مصلحتوں کو نہیں جانتا جو اللہ کا حبیب ﷺ جانتا ہے۔ جس ہستی کو اللہ نے بعثت سے لے کر قیامِ قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کا نبیؐ مبعوث فرمایا اس ہستی کو علوم کا وہ خزانہ بھی عطا فرمایا جو قیامت تک کے لئے انسانیت کی ضرورت تھی۔ اللہ کی عطا سے اللہ کی طرف سے ایک بنا بنایا نظام حضور ﷺ نے انسانوں کو دیا۔ اس کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کے ہر پہلو میں سلامتی ہے اور ہر شعبہ زندگی کی سلامتی اسلام سے وابستہ ہے۔ تم لوگوں نے قرآن کی اس بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ تو قابل عمل ہی نہیں۔ اگر اللہ کا عطا کردہ اللہ کے حبیب ﷺ کا دیا ہوا نظام حیات قابلِ عمل نہیں پھر اللہ کے مقابل کس کو تلاش کرو گے؟ اس رویے کے نتیجے میں غیر اسلامی طاقتیں تم پر زیادتی کرتی ہیں تو پھر خود کو مظلوم کیوں کہتے ہو؟ تم نے یہ ظلم خود اپنے اوپر کیا ہے۔ تم نے ذات باری سے خود کو الگ کر لیا۔ تمہارے پاس اللہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ۔ تم نے اللہ اور رسول ﷺ کو زبانی ماننے تک محدود رکھا اور اپنی پوری زندگی کافروں کی گود میں ڈال دی۔ پورا نظامِ حیات کفر کی نذر کر دیا تو پھر اب کس امن کی طلب کرتے ہو؟ کس عدل کے متلاشی ہو؟ کس سکون کو ڈھونڈتے پھرتے ہو؟ گھر کو اپنے ہاتھوں آگ لگا کر اس میں سکون تلاش کرتے ہو؟

صحابہؓ سود و زیاں سے بالاتر تھے:

تمہارے سامنے صحابہؓ کی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع ان کی دلی آرزو تھی۔ جس کی تکمیل کیلئے وہ ہر آن مستعد رہتے تھے اور یہ سب کچھ دلی گرویدگی اور قلبی لگاؤ سے کرتے تھے۔ اگر انہیں حضور ﷺ اپنی جانیں پیش کرنے کا حکم دیتے تو وہ لمحہ بھر کا تامل نہ کرتے وہ سود و زیاں سے بالاتر تھے۔ اللہ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ سے محبت انکی انتہائے آرزو تھی۔ ہمیں تو محبت کا پتہ ہی نہیں۔ ہم نے محبت کی ہی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم والدین سے محبت کرتے ہیں۔ اولاد و ازواج سے محبت کرتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں ہم تو ہر ایک سے کچھ استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ باپ کے پاس جائیداد ہے تو بیٹوں کو بڑی محبت ہے۔ باپ مفلس ہو تو کوئی پوچھتا نہیں۔ کیا اسے محبت کہتے ہیں؟ بیٹا کما کر لائے تو بہت عزیز ہے اور بے روزگار ہو جائے تو ماں باپ کھانا پانی دیتے ہوئے طعنے دیتے ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے؟ ہمیں دراصل اپنی ذات

اپنی انا سے محبت ہے۔ محبت تو کچھ دینے کا نام ہے۔ اگر پاس کچھ نہیں تو جذبۂ دل تو ہے اسے تو قربان کیا جاسکتا ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت محفل تھی۔ ایک مفلس صحابیؓ مسجد میں بیٹھے تھے۔ غربت ان کے چہرے اور لباس سے عیاں تھی۔ ان کے پاس ایثار کے لئے صرف جذبۂ دل ہی تھا۔ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ساری تھکن دور ہوگئی۔ سارا افلاس بھول گیا۔ ہر مشکل نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ کائنات کا امیر ترین انسان وہ ہی ہیں کہ ان کی نگاہ نے رخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ کرلیا۔ پھر یکا یک انہیں ایک احساس ہوا۔ ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کریم نے جنت کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتیں بتائی ہیں لیکن میری نگاہوں میں جنت جچتی نہیں حالانکہ میں مفلس ہوں اور جنت میں مفلسی کا دکھ نہیں ہوگا۔ میرے بچے بعض اوقات بھوکے سوجاتے ہیں۔ مزدوری کرتے کرتے میرے اعضاء شل ہوجاتے ہیں لیکن جب میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ روشن کو دیکھ کر مجھے دو جہانوں کی نعمتوں سے زیادہ مل جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں مجھ جیسا کوئی خوش نصیب ہی نہیں۔ لیکن اب مجھے یہ خیال ستارہا ہے کہ اس دنیا میں ہم جیسے بھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتے ہیں لیکن جنت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر جلوہ افروز ہوں گے۔ ہمیں جنت کے محل خدام اور نعمتیں ملیں گی لیکن جس طرح ہم یہاں دیدار سے فیض یاب ہوتے ہیں وہاں نہ ہوسکیں گے۔ جس طرح یہاں ارشادات عالیہ سن رہے ہیں۔ وہاں نہ سن سکیں گے جس طرح یہاں اپنا دکھ سکھ آپ کی بارگاہ میں عرض کرلیتے ہیں۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بلندی پر ہوں گے تو ایسی جنت کو ہم کیا کریں گے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل ہمیں نصیب نہ ہوسکے۔ ہماری جنت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہے۔ ہمارے لئے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں ہماری جنت ہے۔ اللہ اسے ہی دوام دے دے۔ ہمیں کوئی دوسری جنت نہیں چاہئے جس میں آپ کہیں اور ہوں اور ہم کہیں اور!

انؓ کی یہ بات رسمی نہیں تھی۔ اس میں اتنا درد دل شامل تھا کہ اس کا جواب رب العالمین نے بذریعۂ وحی عطا فرمایا **وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾** فرمایا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اطاعت گزار ہوا وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں۔

آج کا دانشور قلمکار یہ کہے گا اور مولوی بھی بڑے آرام سے کہہ دے گا یہ تو بیوقوفی ہے لیکن اللہ کریم کو اپنے حبیب ﷺ کے لئے ایسی ہی جانثاری مطلوب ہے کہ جب اللہ کا حبیب ﷺ اللہ کا حکم پہنچائے تو پھر جان جاتی ہے یا مال اولاد قربان کرنی پڑتی ہے یا گھر بار سب کچھ لٹادو اور میرے حبیب ﷺ کا ارشاد پورا کرو۔ ایسے جانثاروں کو اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر وحی نازل کر کے بتادیا کہ جنت میں بھی دیدار نبی کریم ﷺ کی نعمت جنتیوں کو نصیب رہے گی۔ دنیا میں بھی تو تم اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہو پھر بھی بارگاہِ عالی میں حاضر ہو جاتے ہو۔ یہاں بھی تمہیں بارگاہِ عالی میں آنے سے کوئی نہیں روکتا۔ جنت میں بھی میں اپنے نبی کریم ﷺ کے عاشقوں کو نہیں روکوں گا۔ وہاں بھی میر محفل محمد رسول اللہ ﷺ ہوں گے اور اس محفل میں وہ اطاعت شعار بھی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے مال لٹائے۔ جانیں ہار دیں اور اطاعت کا حق ادا کر گئے۔ وہ وہاں بھی اسی بے تکلفی سے باریابی پائیں گے۔ اسی طرح ارشاداتِ عالی سنیں گے۔ یہاں تو تم اکیلے ہو وہاں بعثت عالی سے لے کر قیامت تک آنے والے صدیق، شہید، صالحین اور عشاق کا جم غفیر ہوگا۔ بہت خوبصورت مجلسیں ہوں گی۔ لیکن یہاں بھی اللہ کریم نے وہی شرط رکھی ہے۔ **وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ** جس نے میرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی۔ اسلام کی تاریخ خیرُ القرون سے لے کر اب تک نبی علیہ السلام کے اطاعت کرنے والوں سے روشن ہے۔ لیکن متعصب تاریخ نگاروں نے نامور مسلمانوں کو برے کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ انگریزوں کے بارے کسی نے لکھا ہے کہ وہ اپنوں کی بیوقوفی اور جہالت کو ناموری میں بدل دیتے ہیں اور اصل ناموروں کو بیوقوف ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایسی ہی تاریخ پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ جس میں عیسائی شکست خوردہ بادشاہ کو رچرڈ شیر دل لکھا گیا ہے اور سلطان صلاح الدینؒ جس نے رچرڈ کو شکست دی اسے شیر دل نہیں کہا گیا۔

بیت المقدس کو صلاح الدین ایوبیؒ نے عیسائیوں کے قبضے سے واگزار کرایا۔ صلیبی جنگوں میں یورپ سے فوج اکٹھی کر کے برطانیہ سے رچرڈ آیا۔ میدان جنگ میں رچرڈ کی گھوڑی کو تیر لگا اور وہ مرگئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے فرمایا اصطبل سے اسے ایک گھوڑا لا کر دو کہ اس کے دل میں یہ افسوس نہ رہے کہ میرا گھوڑا مر گیا ہے اسلئے میں ہار گیا۔ اسے گھوڑا عطا کر دو اور اسے کہو کہ دلیرانہ لڑے اور میرا مقابلہ کرے اس کے باوجود رچرڈ کو شکست ہوئی اور سلطان کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہو گیا۔ لیکن انگریز تاریخ میں اسے شیر دل کہا جاتا ہے۔ جو شکست کھا کر بھاگا اور بھاگ کر اپنی جان بچائی اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ فاتح بیت المقدس کو شیر دل نہیں کہا جاتا۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝

اہل محبت کی خوبصورت رفاقت:

فرمایا جن لوگوں نے میری اور میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں ہوں گے۔ جن پر اللہ کے بے پناہ انعامات ہوں گے۔ جن میں آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ جلوہ افروز ہوں گے۔ صدیق، شہید اور صالحین ہونگے۔ جن کے کردار کی عظمت پر فرشتے رشک کریں گے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے زندگی میں میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر لی۔ **ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ** یہ اللہ کا فضل ہے۔ یوں تو تمام نعمتیں ہی اللہ کا فضل ہیں ہر اچھائی، بھلائی، بہتری، خوشحالی، آزادی یہ تمام چیزیں ہیں جن کی انسان تمنا کرتے ہیں اور یہ تمام نعمتیں بھی دونوں جہانوں میں انہی کے حصے میں آئیں گی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔ **وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝** اور اللہ ہر دل کو خوب جانتا ہے۔ کس کے دل میں کتنا درد ہے اور وہ کون سی بات کس گہرائی سے کہہ رہا ہے۔ شہیدی ایک عام سا انسان تھا نہ پارسا تھا نہ غازی نہ مجاہد نہ شاعر تھا یہ شعر اسی کا ہے کس طرح وہ اپنی محبت کو بیان کرتا ہے۔

خدا منہ چوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے
زباں پہ میری جس دم نام آتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

کہ جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہوں تو میرے ہونٹ اس طرح ملتے ہیں گویا قدرت بوسہ لے رہی ہے اور جب تک عام انسان کے ادنیٰ ہونٹ ایک دوسرے کا بوسہ نہیں لیتے یہ نام نامی ادا نہیں ہوتا۔ شہیدی کو حرم پاک جانے کی سعادت ہوئی اور مدینہ منورہ کی طرف چلا تو اس نے اپنی آرزو اس شعر میں کہی

تمنا ہے درختوں پر تیرے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روحِ مقید کا

روضۂ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی قدیم کھجور ہوا کرتی تھی۔ وہ درخت 1970 کی دہائی میں بھی موجود رہا۔ اگرچہ درخت نما جھاڑی کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ الحمد اللہ میں نے بھی اسے دیکھا۔ اس کے ساتھ تین چار تنے نکل آئے تھے اور وہ روضۂ اطہر کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ اس کے اردگرد ایک جنگلہ سا لگا ہوا تھا۔ بعد میں توسیع مسجد کے دوران وہ ختم کر دیا گیا۔ اسی درخت پر روح کے بسیرا کرنے کی آرزو شہیدی نے کی تھی کہ دل چاہتا ہے کہ جب سینے کا پنجرہ توڑ کر روح کا پرندہ باہر نکلے تو تیرے روضے کے درختوں پر جا بیٹھے۔ اس نے یہ آرزو کس خلوص سے کی۔ دل کی کس گہرائی سے یہ کہا کہ حرم

نبوی ﷺ میں داخل ہوا، جالی اطہر کے سامنے سلام پڑھنے کے لئے پیش ہوا، گرا اور جان نکل گئی۔ اللہ کریم فرماتے ہیں وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ میں ہر دل کا حال خود جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کس کے دل سے کیا بات نکلتی ہے۔ شاید اس شاعر کے پاس نوافل کا سرمایہ نہ ہو۔ شاید وہ پارسا نہ ہو۔ شاید اس کی کچھ نمازیں چھوٹ گئی ہوں لیکن ایک درد اس کے دل میں موجزن ہو گیا تھا۔ اس نے آرزو کی کہ دور سے آیا ہوں۔ برصغیر چھوڑ کر آیا ہوں۔ ایک خواہش لایا ہوں۔ ایک تڑپ ہے کہ روح نکلے تو آپ ﷺ کے درِ اقدس پر نکلے اور اللہ کریم سب کی آرزوئیں جانتے ہیں۔ وہ سلام کے لئے پیش ہوا اور جان روضہ اطہر کے سامنے جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ہماری آرزوؤں کی انتہا آج کیا ہے؟ حرمین جا کر سستی سستی سی آرزوئیں کرتے ہیں بیٹا نوکر ہو جائے۔ بیوی کی صحت ٹھیک ہو جائے۔ کاروبار چل جائے۔ یہ دعائیں بھی رب العالمین نے ہی پوری کرنی ہیں۔ لیکن یہ انتہائے آرزو نہ بن جائیں۔ حرم نبوی میں اللہ کریم کی محبت بٹتی ہے۔ یہ دولت لٹائی جاتی ہے۔ یہ مانگنے کی چیز ہے۔ لیکن آج عبادات گزار بھی سیانے ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ سمجھداری کی باتیں نہیں ہیں۔ آج لوگ سمجھدار ہو گئے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ عشق وخرد ایک خانے میں نہیں رہتے عشق کا کام محبوب کی اطاعت ہے اور عقل کا کام ہر عمل میں سود و زیاں کی تلاش ہے۔ عشق نفع و نقصان سے بالاتر ہوتا ہے اور دلوں کی ہر کیفیت سے اللہ کریم ہر وقت باخبر ہے۔

آج کی ای میل سے مجھے کسی نے ایک تصویر بھیجی ہے ایک عام سے لباس میں ملبوس ایک شخص مسجد نبوی ﷺ میں ادائیگی صلوٰۃ میں مشغول تھا۔ سجدے میں گیا اور روح قبض ہو گئی۔ تصویر میں وہ اسی حالت سجدہ میں پڑا ہے۔ ارد گرد عرب کی پولیس کھڑی ہے۔ اس کا مطلب ہے جب تک سینوں میں دل ہیں اہل دل بھی رہیں گے۔ جب تک سینوں میں دھڑکن رہے گی درد دل بھی رہے گا۔ یہ کیسے عجیب لوگ ہیں اس زمانے میں جہاں برائی اپنے عروج پر ہے اس عہد میں بھی ان کے دلوں میں ایسا جذبہ ہے وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ فرمایا میں جاننے کے لئے کافی ہوں مجھے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں نہ کسی ذریعے اور سبب کی ضرورت ہے۔

میری یہ تمام گزارشات اللہ کی بات ہے جاننے کے لئے اللہ کریم کی ذات کافی ہے میری دعا ہے کہ میری اور آپ کی تمام مسلمانوں کی خطائیں اللہ کریم معاف فرما دیں اور ہمیں درد دل نصیب ہو۔

النساء آیات 71 تا 76 رکوع 10

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ
انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ
اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ
اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ
اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ
یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْیُقَاتِلْ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ
وَ مَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ
فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۷۴﴾ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ
وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ
الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ
وَلِیًّا ۙۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾ ؕ اَلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ
الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾ ع

اے ایمان والو! مضبوط پکڑو اپنا دفاع پھر متفرق طور پر نکلو یا مجتمع طور پر ﴿۷۱﴾ بلاشک تم میں سے ضرور کوئی ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچے تو کہتا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ (لڑائی میں) حاضر نہیں ہوا ﴿۷۲﴾ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے تو ایسے طور پر کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں کہتا ہے کہ ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی ان لوگوں کا شریک حال ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی ﴿۷۳﴾ تو ہاں اس شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے یا غالب آجائے تو ہم اس کو اجرعظیم دیں گے ﴿۷۴﴾ اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں، اور ہمارے لیے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے ﴿۷۵﴾ جو لوگ پکے ایماندار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں تو تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو یقیناً شیطان کی چال بہت کمزور ہے ﴿۷۶﴾

اہلِ جنت کی خوبصورت مجالس میں پہنچنے کا راستہ:

اہلِ جنت کی خوبصورت مجالس جن کے میرِ مجلس آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ جن مجالس کے شرکاء انبیاءؑ ہوں گے۔ صدیقین، شہداء اور صالحین ہوں گے ان رفاقتوں کی تفصیل بتانے کے بعد اللہ کریم نے ان مجالس میں پہنچنے کا راستہ متعین فرمایا کہ اس راستے کا پہلا قدم ایمان ہے دوسرا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع ہو کر زندگی بسر کرنے سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے سے اللہ کی رضا حاصل

ہو گی اور قرب کا راستہ طے ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ اے ایمان والو اللہ کی راہ میں نکلو تو اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار باندھ کر نکلو خواہ انفرادی طور پر نکلو یا اکٹھے ہو کر۔

قرآن حکیم میں خطاباتِ الٰہیہ تین طرح سے ہیں کہیں کُل انسانیت سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا ہے يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ خطاب ملے گا وہاں نصیحت ہو گی۔ حق اور باطل دونوں راستے واضح کر کے بتائے جائیں گے اور فرمایا جائے گا کہ حق کا راستہ اختیار کرو اس پر اللہ کے انعامات ہیں اور اگر تم باطل کے راستے پر چلو گے تو نقصانات اٹھاؤ گے۔ پھر ان نقصانات کی وضاحت ملتی ہے۔ دوسرا خطاب ہے کفار سے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ایسا اندازِ تخاطب جہاں بھی آتا ہے وہاں بجلی کی کڑک اور عذاب الٰہی کی شدت کا احساس دلاتا ہے۔ تیسرا اندازِ تخاطب ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جہاں بھی یہ اندازِ تخاطب ملتا ہے اسکے بعد رحمت الٰہی کی نوید ملتی ہے۔ قرب الٰہی اور انوارات الٰہی کی بارش ملتی ہے اور کرم کے دریا موجزن نظر آتے ہیں۔ یہ خطاب ایسا ہے جیسے کسی بے قرار عاشق کو محبوب خود صدا دے کر بلائے اس سے خود بات کرے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی لطافتوں اور نزاکتوں کو اس کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ نے کوئی ذرہ محبت کا نصیب فرمایا ہو۔ جن دلوں میں کوئی شعلہ عشق کا ہو، کوئی کرن محبت کی ہو وہ اس اندازِ تخاطب کی لطافت سے ایک حد تک آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اٰمَنُوْا کا لفظی معنی ہے ایمان والو، اس کا مفہوم کیا ہے؟ سارے کا سارا ایمان محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر اعتماد اور اعتبار ہے۔ کسی بھی فرد کو نبی اکرم ﷺ کے کسی بھی ارشاد میں اگر رائی برابر تردد بھی ہو تو وہ اٰمَنُوْا میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اٰمَنُوْا کی فہرست سے اللہ کریم نے ایک اور طبقے کو بھی یہ کہہ کر نکال دیا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء 65) کہ اے میرے حبیب ﷺ تیرے پروردگار کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں جب تک خلوص دل سے آپ ﷺ کی اطاعت نہ کر لیں جب تک بلا تردد آپ ﷺ کے ہر حکم کو حرزِ جان نہ بنا لیں۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ نے ربوبیت کی قسم کھائی ہے اس لئے کہ اعمال پر ثمرات مرتب کرنا شانِ ربوبیت ہے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے کے اصول:

فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے وہ لوگو! جنہیں محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتماد ہے، اعتبار ہے

خُذُوْا حِذْرَكُمْ جب اللہ کی راہ میں نکلو تو اپنے ہتھیار لے لو فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ جہاد کا سفر کیسا ہی ہو اور تم متفرق ہو کر نکلو یا مجتمع ہو کر نکلو تو سفر پر نکلنے سے پہلے اپنی تیاری پوری کر لو۔ عام سفر کے بارے میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اگر دو مسلمان بھی کسی طرف نکلیں تو ان میں سے ایک کو سفر سے پہلے امیر بنا لینا چاہئے۔ ایک امیر ہو دوسرا اس کے ماتحت۔ تا کہ نظم وضبط قائم رہے۔ پھر نکلنا بھی اللہ کے لئے ہو۔ اسکا مقصد حصول رضائے الٰہی ہو اور اس کا طریق کار محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

یہ احتیاط اسلئے ضروری ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان نہیں ہوتا۔ ہر دعویٰ کرنے والا مومن نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی جماعت میں ایسے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو کلمہ بھی پڑھ لیتے ہیں، ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن درحقیقت اپنے ذاتی مفاد اور دنیوی تحفظ کے لئے خود کو مسلمان کہلواتے ہیں۔ انہیں عظمت الٰہی پہ یقین نہیں ہوتا۔ نہ اللہ کے حبیب ﷺ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ دینے کا وقت آئے، ایثار و قربانی کا وقت آئے تو جی چراتے ہیں اور مال دنیوی پر جان چھڑکتے ہیں۔ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ ان کلمہ گو لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو مومنین کے ساتھ نکلنے سے جی چراتے ہیں اور اگر مسلمانوں کو کوئی مشکل آگھیرے، جہاد میں مومنین زخمی یا شہید ہو جائیں۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچے، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان پر فضل کیا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ نہ تھے ورنہ وہ بھی ان کے ساتھ زخمی ہو جاتے یا مارے جاتے یعنی اپنی محرومی کو اللہ کا انعام سمجھتے ہیں۔ ان کا فہم اتنا الٹ جاتا ہے کہ راہ حق میں زخم کھانا اور شہید ہونا تو ایک سعادت ہے لیکن اس سعادت کو سمجھ نہیں پاتے۔ یہ دنیوی مفادات کے اتنے اسیر ہوتے ہیں کہ سعادت سے محرومی کو اللہ کا انعام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو مجھ پر اللہ کا انعام تھا کہ میں ان کے ساتھ نہیں تھا جو میدان جنگ میں گئے انہیں زخم اٹھانے پڑے جان ہارنی پڑی اور میں اس سے بچ گیا اور اگر کسی جگہ تم پر اللہ کا انعام ہو جاتا ہے وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ دنیوی طور پر تمہیں کامیابی نصیب ہو جاتی اور تم فاتح ٹھہرتے ہو اور مال غنیمت ہاتھ آتا ہے تو لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ وہ شخص جو پہلے ہی جان بچا کر پیچھے بیٹھ رہا تھا۔ جس نے جانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ جو اس سفر میں تمہارا ہمراہی نہیں بنا تھا۔ تمہارے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا پھر وہ حسرت سے کہتا ہے يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ اے کاش! میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی مال

غنیمت سے حصہ ملتا۔ مجھے بھی مال و دولت ملتی۔ کوئی عہدہ ملتا اور میری بھی ناموری ہوتی یعنی یہ ٹولہ ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج کل یہ لوگ زیادہ ہیں۔ اس زمانے میں منافق قلیل تھے اور مومن کثرت میں تھے۔ اب مومنین کی تعداد میں کمی آ گئی ہے اور منافقین کی تعداد زیادہ ہے۔ اس وقت منافق چھپ چھپا کر کہتے تھے۔ اب منافق بانگ دھل کہتے ہیں۔ اس وقت کے منافق لوگ شرمندہ شرمندہ ہوتے تھے۔ قسمیں کھا کر خود کو سچا بتاتے تھے اور قرآن حکیم میں ان کے اس رویے کا تذکرہ آیا ہے۔ آج کے منافق نفاق چھپانے کے لئے قسمیں نہیں کھاتے بلکہ اعلانیہ دین کو برا کہتے ہیں۔ اتباع شریعت کرنے والوں کو اعلانیہ بیوقوف کہتے ہیں اور خود کو دانش مند کہلواتے ہیں اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت کرنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اس منافقانہ رویے کا سبب نبی کریم ﷺ سے تعلق نہ ہونا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو مقام رسالت ﷺ سے آگاہ نہیں ہوتے اور نبی کریم ﷺ کو محض پیغام پہنچانے والا ہرکارہ سمجھتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہرکارہ نہیں ہوتا اللہ کا فرستادہ ہوتا ہے:

جو شخص گھر گھر خطوط پہنچاتا ہے اسے چٹھی رسان کہتے ہیں۔ اسکی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ درست جگہ خط پہنچا دے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس خط میں کوئی شادی کی خبر ہے یا کسی نقصان کی اطلاع ہے۔ یہ خط کسی کی خوشحالی کا باعث ہے یا دکھ کا سبب ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چٹھی رسان نہیں ہوتے بلکہ پوری اُمت میں ایک منتخب ہستی ہوتی ہے انہی علیہ السلام کے قلب اطہر پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اور کلام الٰہی الفاظ و مفاہیم سمیت نبی علیہ السلام کے قلب اطہر میں سمو دیا جاتا ہے۔

قرآن کے الفاظ کا مفہوم متعین کرنا صرف نبی کریم ﷺ کا منصب ہے:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ صرف الفاظ ہی امت تک نہیں پہنچاتے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ اور کلام الٰہی کا معنی اور مفہوم بتانا بھی نبی کریم ﷺ کے فرائض میں شامل ہے۔ آج لوگ نبی کریم ﷺ کی اس حیثیت سے بھی انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قرآن مل گیا ہے۔ ہم اسے خود سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ ارشاد باری ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل آیت 44) ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو اللہ نے ان کیلئے نازل کیا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ اہل زبان ہو کر بھی قرآن کے وہی معنی لیتے جو آپ ﷺ متعین فرماتے۔ حالانکہ اہلِ عرب کو عربی دانی پر اتنا ناز تھا کہ اہل عرب غیر عرب کو عجمی کہتے تھے۔ عجمی کے معنی ہیں بے زبان لوگ۔ اس وقت

قرآن حکیم پر اعراب نہیں لگے ہوتے تھے یہ بعد میں حجاج بن یوسف نے غیر عرب لوگوں کے درست تلفظ میں قرآن پڑھنے کے لئے لگوائے تھے۔ اہل عرب کو اعراب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آسانی سے پڑھ لیتے تھے بلکہ عام روز مرہ زبان اتنی شُستہ تھی کہ غلاموں باندیوں سے شعر میں کلام کر لیتے اور وہ اعلیٰ شعروں میں جواب دیتیں۔ عربی دانی اس طرح ان کے ہاں رچی بسی ہوئی تھی اسکے باوجود جب کوئی آیت اترتی اور مقربان بارگاہِ خلفائے راشدینؓ، اصحابِؓ رسول بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور آپ ﷺ دریافت فرماتے کہ اس آیت کا کیا معنی ہے تو بڑے بڑے زبان دان خاموش ہو جاتے۔ صرف یہی عرض کرتے ''اللہ ورسولہ اعلم '' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ جو وضاحت آپ ﷺ بیان فرماتے وہی صحابہؓ مانتے۔

مسلمانوں میں گروہ بندی کی وجہ:

ہم میں گروہ بندی اور فرقہ بندی کی ابتداء تب ہوئی جب لوگوں نے وہ مفاہیم چھوڑ دیئے جو حضور ﷺ نے بتائے تھے اور صرف ونحو اور گرامر کے زور سے خود آیات قرآنی کو معانی پہنانے لگے۔ کسی بھی گمراہ فرقے کی تاریخ دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ گمراہ عقائد پھیلانے کے لئے اسی قرآن کی آیات پیش کرتا ہے۔ لیکن مفہوم وہ پیش نہیں کرے گا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ گمراہی اور فرقہ بندی کا سبب یہی ہے۔ آج بھی اگر پوری امت مسلمہ اس بات پر متفق ہو جائے کہ ہم وہی معنی اور وہی مفہوم مراد لیں گے جو حضور ﷺ نے سمجھائے پھر صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کے سامنے ان پر عمل کیا۔ حضور ﷺ نے ان کی تصدیق فرمائی۔ تو آج بھی تفرقہ بازی ختم ہو جائے اور جو شخص انفرادی طور پر قرآن کا وہ مفہوم سمجھے اور اس پر عمل کرے جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں تک تو بات علم ظاہر کی ہے اور عقلاً سمجھ میں بھی آتی ہے لیکن بات اس سے بہت آگے کی یہ ہے کہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام الفاظ بھی پہنچاتے ہیں ان کا مفہوم بھی پہنچاتے ہیں اور ان میں موجود کیفیات بھی دلوں میں انڈیلتے ہیں:

اس بات کو سمجھنے کے لئے عہدِ نبوی کی ایک ہی مثال کافی ہے۔ ایک مالدار دیہاتی شخص جنگل میں اپنی بکریوں، بھیڑوں اور اونٹوں کے ریوڑ چراتا پھر رہا تھا۔ اللہ نے اس کا دل بدل دیا اور ڈھلتے سورج کے ساتھ شام کے جھٹپٹے میں بارگاہِ عالی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان

لانا چاہتا ہے۔آپ ﷺ نے اسے اسلام کی تلقین فرمائی۔اس نے اسلام قبول کرلیا۔صبح ایک لشکر محاذ پر روانہ کرنا تھا اور یہ معاملہ درپیش تھا کہ امیر لشکر کون ہو؟ آپ ﷺ نے اس چرواہے کو امیر لشکر مقرر فرمادیا جو شام کو ایمان لایا تھا۔نہ وہ قدیمی مسلمان تھا نہ اس نے بہت سی تعلیمات حاصل کی تھیں۔نہ اسے جنگی داؤ پیچ اور فنون سکھائے گئے تھے۔نہ لشکر اور فوج کے قواعد وضوابط اس نے سیکھے نہ صلح و جنگ کا طریقہ کار جانتا تھا لیکن آپ ﷺ کے امیر مقرر کردینے سے اس میں اللہ نے استعداد بھی عطا کردی اور اہلیت بھی دے دی۔یعنی اللہ کا نبی کریم ﷺ صرف آیت نہیں سناتا صرف آیت کا مفہوم نہیں بتاتا بلکہ جو صدقِ دل سے قبول کرلے اسے قوتِ عمل بھی عطا کردیتا ہے۔قلب اطہر رسول ﷺ سے قلبِ مومن کو بیک آن اللہ کی رحمتیں،ایمان و عمل کی مضبوطی کی ترسیل ہوجاتی ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعے میں قرآن حکیم میں آتا ہے کہ فرعون کے دربار میں موجود جادوگر حضرت موسیٰؑ کے ادب کرنے کی بدولت ایمان سے بہرہ ور ہوگئے جب کہ ابھی موسیٰؑ نے انہیں ظاہری تعلیم نہیں فرمائی۔سورہ الاعراف اور سورہ طٰہٰ میں یہ واقعہ یوں بیان ہوا ہے کہ موسیٰؑ نے فرعون کو دعوت حق دی۔فرعون اس وقت روئے زمین پر ایسا مطلق انسان حکمران تھا۔جسے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ تھا اور لوگ اسے خدا مان کر اس کو سجدہ کرتے تھے اور وہ اپنے ظلم اور تکبر میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ ظلم و جبر کی مثال اور علامت بن چکا تھا۔آج بھی جب کوئی انتہائی متکبرانہ عمل کرے تو اس عمل کو فرعونیت کہا جاتا ہے۔یعنی تکبر کی جب آخری حد آجائے تو اسے فرعون کے نام سے نسبت دی جاتی ہے۔ایسے متکبر ترین شخص کی طرف اللہ نے اپنے عظیم الشان رسول موسیٰؑ کو بھیجا اور انؑ کے بھائی ہارونؑ کو ساتھ روانہ کیا۔موسیٰؑ نے عرض کیا یااللہ! فرعون نے تو پہلے سے ہی میرے ذمے الزام لگا رکھے ہیں۔وہ اگر مجھے دیکھے گا تو دیکھتے ہی میری گردن مروادے گا۔تو آپ کا پیغام تو راستے ہی میں رہ جائے گا۔اللہ کریم نے فرمایا **اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَ اَرٰی** (طٰہٰ آیت 46) میں تم دونوں کیساتھ ہوں۔جو بات ہوگی وہ میں سن رہا ہوں گا۔اور جو واقعہ ہوگا وہ میں دیکھ رہا ہوں گا۔یعنی اسکی کیا جرأت کہ وہ میرے ہوتے ہوئے گردن کٹوادے۔آپؑ تشریف لے جائیں وہ بے شک بہت متکبر ہے اور خدائی کا دعویدار ہے لیکن آپ جب بات کریں **فَقُوۡلَا لَہٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا** (طٰہٰ آیت 44) تو بہت نرمی سے کریں۔اسے پیار سے سمجھائیں کہ تم کل پیدا ہوئے تھے آنے والے کل کو مرجاؤ گے اسی طرح تمہارے آباؤ اجداد بھی پیدا ہوکر مر گئے اور تم کیسے پروردگار بنتے ہو؟ تمہیں تو نظر آرہا ہے کہ تمہیں نیند آتی ہے،تم بھوک پیاس کے محتاج ہو،تمہیں زخم لگے تو درد محسوس ہوتا ہے اور تمہارا سر کٹ جائے تو تم مرجاؤ گے تو تم خالق کیسے ہوسکتے ہو؟ اور تم اس کائنات کے مالک کیسے ہوسکتے ہو؟ اللہ پاک نے اپنے نبیؑ کو اس سے نرمی

سے پیش آنے اور نرمی سے سمجھانے کا حکم دیا تا کہ وہ میدانِ حشر میں یہ نہ کہے کہ اللہ پاک آپ کے نبیؐ نے تو مجھے غصہ دلایا تھا۔ مجھے تو آپ کے پیغام کی سمجھ ہی نہ آئی اور اللہ کریم نے اپنے نبیؐ سے فرمایا وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي (سورہ طٰہٰ آیت 42) کہ میری یاد میں کمی نہ کرنا۔ کمال کی بات ہے کہ نبی علیہ السلام وہ ہستی ہوتی ہے کہ ان کا ہر حال ذکر الٰہی سے معمور ہوتا ہے نبی علیہ السلام کا وجود اس طرح ذاکر ہوتا ہے کہ جس زمین پر نبی علیہ السلام کے قدم پڑ جاتے ہیں وہ ذرات قیامت تک کے لئے ذاکر ہو جاتے ہیں۔ جو لباس وہ زیب تن کر لیتے ہیں وہ لباس ذاکر ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود اللہ کریم نے اپنے نبیؐ کو ذکر الٰہی کی طرف غالب توجہ رکھنے کی تاکید فرمائی۔ اس سے ذکرِ الٰہی کی ضرورت و اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ اگر نبی علیہ السلام کی ذات اس حکم سے مستثنیٰ نہیں تو امتیوں کے لئے اس میں کتنی تاکید ہے۔

ہم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب رواں دواں تھے۔ اسوقت اتنی جدید موٹر وے نہیں تھی۔ دو ہی راستے تھے ایک مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو جانے والا جدید اور مختصر راستہ تھا اور دوسرا قدرے طویل تھا۔ مکہ مکرمہ سے نکل کر وادیِ فاطمہ میں سے گزر کر بدر سے ہوتا ہوا آگے کی وادیوں کو طے کرتا ہوا مدینہ منورہ پہنچتا تھا اسے ''طریق سلطانی'' کہتے تھے یعنی شاہی راستہ یہ وہ راستہ تھا جس کو حضور ﷺ نے ہجرت کے وقت اختیار فرمایا۔ حجۃ الوداع اور فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ اسی راستے سے تشریف لائے اور اسی راستے سے واپسی ہوئی۔ غزوہ بدر کے لئے بھی حضور ﷺ نے مدنیہ منورہ سے بدر تک سفر اسی راستہ ''طریق سلطانی'' پر فرمایا۔ ہمیں اللہ پاک نے یہ سعادت بخشی اور ہم نے ''طریق سلطانی'' پر سفر کیا، جگہ جگہ ٹھہرتے رکتے ہوئے قلب و نگاہ کو سیراب کرتے، مدینہ منورہ پہنچے۔ اس سفر کا مقصد ہی یہ تھا کہ حضور ﷺ کے نقوش پا کی زیارت ہو سکے۔ ایسے احباب بھی ساتھ تھے جن کے سینے روشن اور دل کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات بہت بلند ہے، بہت بالا کہ انسان کچھ کہہ سکے لیکن منبر پر بیٹھا ہوں، مسجد میں ہوں، باوضو ہوں، میرے سامنے قرآن کریم کھلا ہوا ہے میں یہ بات کہنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں کہ جہاں جہاں آپ ﷺ کی سواری کے قدم لگے تھے زمین پر وہ ٹکڑے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے آسمان پر چاند ہو اور جہاں تک نگاہ جاتی تھی انوارات کی ایسی سفیدی جیسے سپیدہ سحر بلکہ اس سے زیادہ روشن فضاؤں میں تیرتی نظر آتی تھی۔ کافی برداشت کرنے کے بعد مجھ سے رہا نہ گیا اور حضرت جیؒ سے بصد ادب اس بات کو سمجھنے کی گزارش کر دی کہ وقت تو ظہر کا ہے لیکن فضاء میں ہر طرف سپیدۂ سحر ہے پوری فضاء میں دودھیا رنگ کے انوارات ہیں۔ آپؒ نے میری گزارش سنی اور پھر قدرے توقف کر کے نہایت اطمینان

وسکون سے جواب دیا اور فرمایا اثنائے سفر میں حضور ﷺ کی نگاہ پاک جہاں تک پہنچی فضاء وہاں تک منور ہوگئی۔

جس جس طرف نگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے اشارے ہوگئے
جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہوگئے

یہ نبی کریم ﷺ کا کمال ہے اللہ نے آپ ﷺ کو بے مثل و بے مثال بنایا۔ انسانوں کے لئے ہدایت کا سبب بنایا۔ مقام رسالت یہ ہے کہ نبیؐ وحی کے الفاظ بھی پہنچاتے ہیں۔ ان کے مفاہیم بھی پہنچاتے ہیں اور ان میں موجود کیفیات سے بھی قلب کو سیراب کرتے ہیں۔ یہی کمال ہے نبیؐ کا کہ رات کو اسلام قبول کرنے والا چرواہا صحبت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب لمحوں میں اتنا تربیت یافتہ ہوگیا کہ صبح فوج کا جرنیل بن کر جہاد پر روانہ ہوگیا اور آپ ﷺ کے صحبت یافتہ ایسے ماہر جرنیل بنے جن کی مثال بعد کا کوئی جرنیل پیش نہ کرسکا نہ کرسکے گا۔ فوجی اداروں سے تربیت پانے والے جب ملٹری کالج میں داخل ہوتے ہیں تو نوعمر ہوتے ہیں جرنیل بننے تک ان کی عمریں اس میں صرف ہوجاتی ہیں۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں، فوجی اداروں میں مختلف کورس کرتے ہیں۔ کہیں تعلیم، کہیں تربیت، فوجی قواعد وضوابط، حکمت عملی، جنگی مشقیں کرتے کرتے کچھ میجر، کرنل یا بریگیڈئیر ریٹائرڈ ہوجاتے ہیں اور چند افراد جرنیل بنتے ہیں اور پوری عمر لگا کر بھی جو کام وہ کرتے ہیں پوری تاریخ دیکھ لیجئے کتنے جرنیل کامیاب ہوئے اور تاریخ نے کتنے نام محفوظ کیے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک جرنیل کا نام بتادیجئے جسے زمانہ بھول سکا ہو۔ تاریخ کی جرأت نہیں کہ وہ انہیں بھول سکے ان کے نقوش زمانے پر اس طرح ثبت ہیں کہ زمانہ بھلا نہیں سکتا۔ کہاں سے سیکھا انہوں نے اور کیسے سیکھا؟ کتنے سالوں میں اور کہاں کہاں تربیت پائی؟ نبی کریم ﷺ نے تو شام کو آنے والے کو صبح جرنیل مقرر کردیا اسکا مطلب ہے نبی کریم ﷺ جسے جو فرما دیتے اسے اس کی استعداد اور اہلیت بھی عطا کردیتے۔ تو صحابہؓ نے جو سیکھا پیغمبر ﷺ سے سیکھا۔ فرعون کے جادوگروں نے بھی موسیٰؑ پر ایمان لاکر سیکھا۔ صحبت پیغمبرؑ سے سیکھا۔ قرآن حکیم میں سورہ الاعراف میں اس واقعے کی تفصیل موجود ہے کہ موسیٰؑ جب فرعون کے پاس دعوت حق لے کر آئے تو اس نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں۔ پھر آپؑ کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جادوگروں کو بلایا۔ مقابلہ شروع ہوا جادوگروں نے موسیٰؑ کو ایک ماہر جادوگر مان کر احتراماً موسیٰؑ سے گزارش کی کہ آپ پہلے شروع کریں گے یا ہم اپنے جادو کا مظاہرہ کریں؟ اگرچہ جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کا ادب اللہ کے نبیؑ کی حیثیت سے نہیں کیا تھا ایک ماہر جادوگر کی حیثیت سے کیا تھا لیکن اللہ کریم کو اپنے نبی علیہ السلام کا ادب کرنا اتنا پسند آیا اللہ کو ان کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ جو جادوگر صبح کو فرعون سے انعام کے طلبگار تھے ڈوبتے سورج نے انہیں اللہ کی راہ میں

شہید ہوتے دیکھا۔انہیں دربار میں بیٹھے بیٹھے کس نے بتایا کہ آخرت ہے؟ جنت و دوزخ ہے؟

احترام نبی علیہ السلام نے انہیں اللہ کی رحمت کا مستحق کر دیا اور صحبت نبی علیہ السلام نے علوم کے خزانے ان کے قلوب میں انڈیل دیئے۔اللہ کریم اس بات کو قرآن حکیم (سورہ الاعراف) میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ہم نے موسیٰؑ کو وحی کیا کہ اپنا عصا ڈال دیں سو وہ اسی وقت نگلنے لگا جو کھیل انہوں نے بنا رکھا تھا فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ پھر حق ظاہر ہو گیا اور جو انہوں نے بنایا تھا وہ غلط ہو گیا۔ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ پھر اس جگہ ہار گئے اور ذلیل وخوار ہو گئے وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (الاعراف) اور کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔فرعون نے کہا یہ تم سب کی سازش ہے تم نے بھلا میری اجازت کے بغیر اسلام قبول کر لیا۔سو اب میں تمہیں عبرتناک سزا دوں گا۔ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔یہ سن کر ایمان لے آنے والے سابقہ جادوگروں نے کہا قَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے۔ اور پھر انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ ہمارے رب ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمیں مسلمان کر کے موت دے۔انہیں صحبت پیغمبرؑ سے یہ کیفیت عطا ہو گئی کہ وہ یہ جان گئے کہ فرعون سولی دے بھی دے تو کیا ہوا اس کا یہ لٹکا دینا انہیں اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیگا الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب موت تو وہ دروازہ ہے کہ جب کھلتا ہے تو سامنے حبیب کی محفل نظر آتی ہے، اللہ کی تجلیات برستی ہیں۔ بندہ اس کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔انہوں نے کہا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ ہم پر احسان کرو گے اور رہی یہ بات کہ تم کہہ رہے ہو کہ ہمیں عذاب دو گے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (طٰہٰ آیت 72) اور کہا کہ ہم ان صاف نشانیوں کے مقابلے میں جو ہمارے پاس آ چکی ہیں تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے اور تجھ سے ڈر کر ہرگز اپنے خالق حقیقی کو نہیں چھوڑ دیں گے۔ پس تجھے جو کرنا ہے کر گزر۔تو جو کرے گا صرف اسی دنیا کی زندگی میں کرے گا۔ابدالآباد کی زندگی پر تیری رسائی نہیں۔ ہم بے شک اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہی ہمارے گناہ معاف کرے گا اور اپنی رحمت سے نوازے گا۔ ہم اللہ سے اسکی مغفرت کے امیدوار ہیں۔

اللہ ہمیں آخرت کے عذابوں سے بچالے اور ہمیں ایمان لانے والوں میں شامل کرلے پھر تیرے عذابوں کی حیثیت کیا ہے!

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ نجاتِ اُخروی اور عذاب وثواب کی جو باتیں وہ فرعون کو بتارہے ہیں وہ انہیں کس نے بتائیں؟ جب وہ ایمان لائے تو اس خلوص سے لائے کہ جو علوم قلوبِ انبیاءؑ میں تھے ان کی لہران کے دلوں میں سے بھی گزر گئی اور جو باتیں موسیٰؑ اور ہارونؑ کے لب مبارک سے نکل رہی تھیں وہ ان کے لبوں پر بھی آگئیں۔

مقامِ رسالت یہ ہے کہ نبیؑ وحی الٰہی کے الفاظ، مفاہیم پہنچاتا ہے اور وہ کیفیت بھی پہنچاتا ہے جو قلوب کو تبدیل کردے اور اللہ کے حاظر وناظر ہونے کا یقین عطا کردے:

نبی کریم ﷺ کی صحبت وہ کیفیت ہے جس نے سامنے آجانے والوں کو صحابیؓ بنادیا۔ صحابیؓ بننے کے لئے نہ کوئی چلہ کشی کرنا پڑی نہ زائد عبادات کیں۔ جو ایمان لاتا گیا صحابیؓ بنتا گیا۔ ایسے بھی صحابہؓ ہیں جو نمازیں فرض ہونے سے پہلے ایمان لائے۔ جو اس وقت ایمان لائے جب ابھی روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ جہاد فرض نہیں ہوا تھا۔ قرآن حکیم پورا انہیں اترا تھا اور وہ ان عبادات کے فرض ہونے سے پہلے مشرکین مکہ کے ہاتھوں ظلماً شہید کردیئے گئے۔ لیکن عظمتِ صحابیت کے مقام پر وہ بھی فائز ہیں۔ ان کی عظمتِ صحابیت میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کا مطلب ہے جب کوئی خلوص دل سے ایمان لایا اور اسے نبی ﷺ کی ایک نگاہ نصیب ہوگئی تو معرفت الٰہی، حضور حق، عظمتِ رسالت، آخرت سب کچھ ایک آن میں نبی ﷺ کے قلب سے ایمان لانے والے کے قلب میں منعکس ہوگیا اور انہیں صحابیؓ بنا گیا۔ اسی طریقے سے صحابہؓ سے تابعین بنے اور تابعین سے تبع تابعین بنے۔ اور کچھ ایسے بھی بدبخت تھے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں بھی دعویٰ اسلام کرتے رہے اور عملاً حق کے مخالف رہے انہی لوگوں کے بارے میں اللہ کریم اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمارہے ہیں **لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا** O(النساء آیت 73) کہ یہ دنیاوی مفادات کے لئے مسلمان ہیں۔ ان سے ذرا احتاط رہیے۔ جہاں مفادات حاصل ہوتے ہوں وہاں یہ پیش پیش ہوتے ہیں اور جہاں ان پر کچھ دباؤ پڑتا ہو تو یہ علیحدہ ہوجاتے ہیں۔

حق اور باطل کا یہ مقابلہ روزِ اول سے چلا آرہا ہے۔ لہٰذا مومن کو افراد کی کثرت مطلوب نہیں ہونی چاہئے بلکہ مومن کو حق پر ہونے کا یقین ہونا چاہئے۔ جس کے ساتھ اللہ ہے وہ کبھی قلیل نہیں وہ کثیر ہی کثیر ہے اور جسے اللہ کا ساتھ نصیب نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا اللہ کی رضا حاصل کرنے میں کوشاں رہنا چاہیے۔

اللہ کی ساری رضا خلوص دل سے اللہ کے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنے میں ہے۔ یہ زندگی مستعار ہے اس کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیے ۔ ہر لمحے یہ خیال رہے کہ اس لمحے کو میں اطاعتِ رسول ﷺ پر کیسے خرچ کر سکتا ہوں ۔ کامیابی کا صرف یہ ایک ہی راستہ ہے ۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

فرمایا اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کریں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے

جہاد وقتال ایک قومی فریضہ ہے:

سب سے پہلے ضروری بات یہ ہے کہ جہاد مملکتِ اسلامیہ کے فرائض میں سے ہے ۔ یہ ایک قومی فریضہ ہے انفرادی نہیں ۔ اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے کہ وہ ایسا قومی ادارہ بنائے جو ظلم وزیادتی کرنے والوں کے خلاف لڑے ۔ دوسری اہم بات یہ ہے جہاد وقتال اللہ کے لئے ہو ۔ اگر کہیں ظلم ہو رہا ہے اور ان لوگوں کے خلاف لڑنا ہے جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی اختیار کی تو وہ لوگ یقیناً ایسے ہوں گے جو دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہوں گے ۔ ناجائز ذرائع سے دولت جمع کر کے لوگوں پر جور وجفا روا رکھتے ہوں گے ۔ لوگوں کو اللہ کی غلامی سے روک کر اپنا غلام بناتے ہوں گے ۔ ایسے لوگوں کی تعیین کرنا حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے ۔ آج شاید یہ بات سمجھنا ہمارے لئے آسان نہ ہو اس لئے کہ خود ہمارے حکمران اور ہماری حکومتیں وہی سارے کام کر رہی ہیں جن کے خلاف مسلمانوں کو قتال کرنا چاہئے ۔ آج ہم دین سے دور ہو کر ایسی مصیبت میں پھنس گئے ہیں کہ ہمارے صاحبِ اقتدار لوگوں کے پاس جب اقتدار واختیار آ جاتا ہے تو وہ خود قومی خزانے کو لوٹنے میں دوسروں سے زیادہ سرگرم عمل نظر آتے ہیں ۔ وہ خود بے کس لوگوں کے حقوق غصب کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں ۔

اسلام کی بنیاد اللہ جل شانہٗ کے حقوق کے ساتھ اس کے بندوں کے حقوق کی بجا آوری پر ہے:

اسلام بنیادی طور پر حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیتا ہے ۔ سو فرمایا قتال کرو، لڑو ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے محض دنیوی مفادات کی خاطر حق کو پس پشت ڈال دیا ہے ۔ جو لوگوں پر ظلم روا رکھتے ہیں، ان کا مال لوٹتے ہیں، ان کی آبرو لوٹتے ہیں ان کی جانیں ضائع کرتے ہیں اور انہیں اپنا بے بس و مجبور غلام

بنا کر رکھنے پر مصر ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کو چھوڑ کر محض ذاتی، دنیوی مفادات کے حصول کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے وَ مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جو کوئی اللہ کی راہ میں قتال کرے گا اور جو حقوق اللہ نے مخلوق کو دیئے ہیں ان کے وہ حقوق دلانے کے لئے میدانِ جہاد میں اترے گا فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ وہ شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ ہر صورت میں اسے اللہ کریم بہت بڑے اجر سے نوازتے ہیں۔ یوں تو ہر نیکی کا اجر اللہ کریم ہی عطا کرتے ہیں لیکن اجرِ عظیم بہت بڑا انعام ہے۔

اجرِ عظیم کیا ہے؟

اجرِ عظیم بہت بڑا انعام ہے۔ بندہ جو عمل کرتا ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ کریم اس پر جو اجر عطا فرمائیں گے وہ اپنی شان کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ اس طرح اجر یا معاوضہ اجرِ عظیم بنے گا۔ جس کا وعدہ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں سے کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جہاد کرنے والا پہلے خود اسلام پر عمل پیرا ہو تا کہ وہ دوسروں کو عمل پیرا ہونے پر آمادہ کر سکے۔ مسلمان کو بحیثیت مسلمان سب سے پہلے خود اپنے آپ پر پورا اسلام نافذ کرنا چاہیے۔ اپنی ذات کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہئے۔ ایک غاصب دوسرے غاصب کے خلاف جہاد کیسے کر سکتا ہے؟ لہٰذا اپنے دائرہ اختیار میں جہاں تک ہمارا بس چلتا ہے ہمیں اسلام کو نافذ کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کلکم راعٍ تم میں سے ہر ایک حکمران ہے یعنی ہر فرد کا کسی نہ کسی پر حکم چلتا ہے کم از کم اپنے گھر اور اپنے بیوی بچوں پر حکم چلتا ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو خود اپنی ذات پر تو اسکی اپنی مرضی چلتی ہے۔ ہر بندہ اپنی حیثیت میں فیصلے کرتا ہے۔ و کُلکُم مسؤلٌ عن رعیتہٖ او کما قال رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا اور ہر فرد سے اس کی اپنی ذمہ داری کے مطابق پوچھا جائے گا۔ جس میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہوں گے جن کے بارے میں وہ فیصلہ کرتا تھا۔ جو اس کے ماتحت تھے اور اسکی اپنی ذات کے بارے میں بھی پوچھا جائیگا۔ تو بنیادی بات یہاں یہ بتائی جا رہی ہے کہ اگر کوئی انسانی حقوق غصب کر رہا ہے تو حکومت اسلامیہ کو اس سے قتال کرنا چاہئے۔ جہاد جاری رکھنا چاہئے۔ تاوقتیکہ وہ اس ظلم سے باز آ جائے۔ لیکن لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ اگر ہم خود اس جرم کے مرتکب ہو رہے ہوں تو جہاد کون کرے گا؟ اور کس سے کرے گا؟ اسلام کا پہلا تقاضا ہی یہ ہے کہ جو بندہ دعویٰ اسلام کرتا ہے وہ خود اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وفا کرے۔ اور اگر ہم خود ہی دین سے منحرف ہو گئے اور لوگوں کے حقوق چھیننے لگے۔ دنیوی

مفادات کے اسیر ہو گئے تو پھر جہاد پر عمل پیرا کون ہو گا؟ اسلام ضابطہ حیات ہے اس لئے اس میں تنظیم بنیادی شرط ہے نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے دو شخص بھی کسی طرف نکلیں تو ان میں سے ایک امیر ہونا چاہیے اسی طرح دین کے ہر شعبے میں نظم و ضبط ہے ایک تنظیم ہے۔ کوئی ایک ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے اس کے کہنے کے مطابق چلتے ہیں صلوٰۃ میں ایک امام ہوتا ہے خود تلاوت کرتا ہے رکوع و سجود کرتا ہے اور سارے مقتدی اس کے ساتھ مل کر رکوع و سجود کرتے ہیں۔ حج کے موقع پر لاکھوں فرزندانِ توحید جمع ہوتے ہیں۔ لیکن امام ایک ہوتا ہے اور لاکھوں لوگ اس ایک کے پیچھے تکبیر پر رکوع و سجود کرتے ہیں۔ اسی لئے ایمان کا تقاضا ہے کہ اعمال صالحہ کئے جائیں۔ قرآن حکیم میں جب بھی ایمان کی بات آتی ہے وہاں عمل صالح کی قید لگائی جاتی ہے۔ **اٰمنوا و عملوا الصّٰلحت** کہ جو کوئی ایمان کا دعویٰ رکھتا ہے اس کا عمل صالح ہونا چاہئے۔ اور صلاحیت کا معیار نبی کریم ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے کہ جس کام کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا وہ صالح ہے اور جس سے حضور ﷺ نے منع فرما دیا وہ غیر صالح ہے۔ **وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** (الحشر آیت 7) جو رسول ﷺ عطا کریں اسے سینے سے لگا لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی کہ حضور ﷺ کوئی بھی ایسا حکم نہیں دیتے جو اللہ کی پسند کے خلاف ہو۔

جہاد کیا ہے؟

جہاد جدو جہد کا نام ہے۔ اپنی انتہائی کوشش کا نام ہے۔ خود اپنی ذات کو نیکی پر کمر بستہ رکھنے کے لئے جو کوشش کی جاتی ہے وہ بھی جہاد ہے۔ جو شخص اپنی اصلاح کے لئے، عبادات و فرائض کی ادائیگی کے لئے، رزقِ حلال کے حصول کے لئے، جائز کاموں پر خرچ کرنے کے لئے مجاہدہ کرتا ہے، اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے تو اسے اللہ کے نبی ﷺ نے جہادِ اکبر فرمایا ہے۔ میدان جہاد میں جان سے گزر جانا بلاشبہ بہت بڑا جہاد ہے۔ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دینا پھر بھی ایک وقت پر کرنے کی بات ہے۔ لیکن زندگی بھر اپنے آپ کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پر قائم رکھنا اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کی بھرپور اور پُر خلوص کوشش پوری دیانتداری سے کرنا جہاد اکبر ہے۔ لیکن اس آیۃ مبارکہ میں صرف جہاد کا حکم نہیں قتال کا حکم ہے اور یہ حکم ان لوگوں سے قتال کرنے کا ہے۔ جو اللہ کے بندوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ آج ہم عجیب صورتِ حال سے دوچار ہیں حکومتی طبقہ اپنی ذمہ داریوں سے یکسر آزاد ہو کر لوگوں پر ظلم روا رکھے ہوئے ہے۔ عوام احتجاجاً غیر

شرعی طریقوں پر اتر آئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ حکومت وقت کر رہی ہے یا کوئی فرد کر رہا ہے تو اسے اس فرد سے یا حکومت سے احتجاج کرنا چاہیے۔ یہ کوئی جواز نہیں کہ مساجد میں گولیاں برسا دیں، راہ گیروں پر بم برسا دیئے جائیں۔ اس کی شرعاً اجازت نہیں۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی کی جو وبا پھیلی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ لوگوں کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ ضروریات زندگی سے محروم کیا جا رہا ہے۔ بلاوجہ قتل کر دیا جاتا ہے پھر ان کی کہیں شنوائی نہیں ہوتی اور اب تو یہ عالم ہے کہ عدالتوں میں ججوں کے سامنے لوگوں کو گولیاں ماری جاتی ہیں۔ عوام کی جان و مال، عزت آبرو کہیں محفوظ نہیں۔ لیکن یہ ساری صورت حال اس بات کی کسی کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ اٹھ کر عامۃ الناس کو قتل کرنا شروع کر دے یا چوراہوں پر بم چلائے۔ یہ کام اسلامی حکومت کا ہے کہ جہاں اللہ کی مخلوق کے حقوق ضائع ہو رہے ہیں وہاں اسلامی حکومت کا مقررہ ادارہ فیصلہ کرے اور ایسے لوگوں کے خلاف قتال کرے۔ اس آیت میں ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان عوام پر برائے نام مسلمان اسلامی حکومتیں اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ جو خود کروڑوں لوگوں کے حقوق غصب کر کے بیٹھی ہیں انہیں خود لوگوں کے حقوق کی پرواہ نہیں تو وہ قتال کیا کریں گے اور جہاد کیسے ہوگا؟ ہمارے ہاں صورت حال بہت پیچیدہ ہوگئی ہے۔ ہماری اس وقت کی ضرورت من حیث القوم جہادِ اکبر کی ہے۔ سب سے پہلے ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ لوگوں کو ان کے حقوق دیں۔ ملک میں رہنے والے سارے شہری ہیں۔ مومن تو مومن غیر مسلم کے جو حقوق اللہ نے رکھے ہیں انہیں بہم پہنچانا یقینی بنایا جائے۔ اللہ نے دو حق ہر انسان کو دیئے ہیں ایک مذہب اختیار کرنے کا اور دوسرا زندہ رہنے کا۔ زندہ رہنے کا حق دینا اپنے معنی میں بہت وسعت رکھتا ہے۔ یعنی جسے زندگی کا حق دیتے ہیں، اسے زندگی کے وسائل بھی مہیا کرتے ہیں۔ اسے علاج معالجے کی سہولت بھی مہیا کرتے ہیں۔ اسے روزگار اور کاروبار کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں یعنی زندہ رہنے کے حق میں بہت سارے حقوق پوشیدہ ہیں اور جہاں یہ عالم ہو کہ اپنے ملک کے باسی، اپنے مسلمان بھائی اپنے حقوق کو ترس رہے ہوں، ان کی جان و مال آبرو کی حفاظت نہ کی جا رہی ہو، وہاں لوگوں کے حقوق غصب کرنے والوں سے قتال کون کرے گا؟ فرمایا یہ قتال ان لوگوں کے خلاف ہوگا **الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ** جنہوں نے آخرت کو چھوڑ کر دنیوی زندگی کو اپنا مقصد بنا لیا۔ دنیوی مال لوٹنے اور دنیوی مقاصد حاصل کرنے کے لے جو حلال و حرام جائز و ناجائز کی پرواہ کئے بغیر اس میں یکسو

ہو گئے۔ ایسے لوگوں سے قتال کرنے والوں میں سے جو بچ رہا یا جو شہید ہو گیا دونوں صورتوں میں اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ پھر فرمایا وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ آپ جہاد کیسے نہیں کریں گے۔ جب کہ ان شہروں میں جو کفار کے قبضے میں ہیں، ایسے کمزور مرد وخواتین اور بچے ہیں جو اللہ کریم سے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اس شہر سے نکال لے جا جس کے رہنے والے ظالم لوگ ہیں۔ جو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اپنی طرف سے ہمارے مددگار بھیج۔ ہماری امداد فرما اور ایسے لوگ بھیج دے جو ہمیں ظلم سے نجات دلائیں۔ اس آیت کا شانِ نزول مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے کمزور لوگ تھے جو کسی کمزوری کے سبب ہجرت نہ کر سکے اور مشرکینِ مکہ ان پر ظلم ڈھاتے رہے۔

قرآنِ حکیم کا نزول بیشک خاص واقعہ سے متعلق ہے لیکن حکم عام ہوتا ہے:

قرآنِ حکیم کا نزول بے پناہ حکمتیں لئے ہوئے ہے۔ آیات قرآنی کبھی کسی واقعے پر نازل ہوئیں یا کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئیں۔ اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ آیات اس واقعے کے حوالے سے یاد ہو جاتی ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس واقعے کے حوالے سے دیکھیں تو مفہوم کی تعیین ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسی واقعے کو سامنے رکھ کر اللہ کے حکم سے قرآن کے مفاہیم متعین فرما دیئے ہیں۔ اس کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جو ان حدود سے باہر جائے جو نبی کریم ﷺ نے متعین فرما دیئے ہیں۔ اگر کوئی ایسا کریگا تو وہ قرآن میں تحریف ہو گی۔

سو فرمایا آپ اللہ کی راہ میں ایسے کمزوروں کی خاطر جہاد کیسے نہیں کریں گے جن پر مشرکین مظالم توڑ رہے ہیں اور وہ اللہ سے مدد اور نصرت کی دعا کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ کو کرنا ہو گا کہ آپ اللہ کے ان بندوں کو جو اللہ پر ایمان لانے اور اسے یاد کرنے کی سزا بھگت رہے ہیں انہیں مظالم سے بچائیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اللہ کریم کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے الذین امنوا کا ترجمہ لکھا ہے جو لوگ پکے ایماندار ہیں یعنی انہوں نے ''پکے'' کا لفظ لگا کر یہ تعیین کر دی ہے کہ ایماندار کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ ایماندار ہیں جو صرف

دعویٰ ہی نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل بھی کرتے ہیں۔ گویا مومن جب قتال کرتا ہے تو اللہ کی راہ میں قتال کرتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے قتال کرتا ہے۔ جان دے دیتا ہے تو اس لئے کہ اللہ اس سے راضی ہو اور کسی کی جان لیتا ہے تو اس لئے کہ اللہ اس کے اس عمل سے راضی ہو تو قتال کی شرط یہ ہے کہ ایمان پختہ ہو۔ آج ہم اس بنیادی شرط میں ہی کمزور ہیں۔ پیدائش کے حادثے نے ہمیں مسلمان کر دیا ہے اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ الحمد للہ کہ ہمیں مسلمان گھروں میں پیدا کر دیا۔ سب سے پہلی آواز ہمارے کان میں اذان و اقامت کی آئی لیکن ہم نے اسے حقیقی معنوں میں نہیں لیا۔ رواج کے طور پر لیا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ہم نے حرام و حلال کی پہچان چھوڑ دی۔ اللہ کی عبادت ترک کر دی۔ سجدوں سے ہماری پیشانیاں خالی ہو گئیں اور دل خشوع سے خالی ہو کر ویران ہو گئے، آج خود مسلمان کہلوانے والے قتال فی سبیل اللہ کے نام پر دہشت گردی کر رہے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے قتال یا جہاد تو وہ کرتے ہیں جنہیں نورِ ایمان نصیب ہے یعنی وہ قتال، جہاد شمار ہو گا جو اللہ کی راہ میں ہو اور اگر کوئی کسی کو اللہ کے حکم کے خلاف قتل کر دے تو وہ قتال نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی نافرمانی ہو گی۔ جرم عظیم ہو گا تو پھر عامۃ الناس کو بازاروں اور گلیوں میں دھماکے کر کے مار دینا، قتل کر دینا کس زمرے میں آئے گا؟ بے گناہوں کو قتل کر دینا فی سبیل اللہ نہیں ہو سکتا۔ میدانِ حشر میں کتنے ایسے لوگ اٹھیں گے جو کہیں گے کہ بارِ الٰہیہ مجھے تو پتہ بھی نہیں کہ مجھے کس نے قتل کر دیا اور کیوں قتل کر دیا؟ میں تو مزدوری کرنے گھر سے نکلا تھا یا کوئی کہے گا کہ وہ تو دوا لینے گھر سے باہر آیا تھا تو یہ دہشت گردی قتال نہیں ہے۔ یہ جہاد نہیں ہے۔ یہ تو فساد فی الارض ہے۔ پکے ایماندار تو وہ ہیں جنہیں نورِ ایمان نصیب ہے اور جنہیں اللہ نے خلوصِ دل عطا کیا ہے۔ انہیں اپنے ایمان پر اعتبار ہے۔ اپنے فیصلے پر اعتماد ہے کہ وہ قتال کرتے ہیں تو اللہ کی رضا کے لئے، کسی کی جان لیتے ہیں تو حکم الٰہی کے مطابق یعنی جس کی جان لینے کا اللہ حکم دے صرف اسی کی جان لیتے ہیں اور جس کی جان لینے کا اللہ نے حکم نہیں دیا اس کی جان نہیں لیتے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ اور جن لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہے اور کفر کے اندھیاروں میں بھٹک رہے ہیں وہ شیطان کو خوش کرنے کے لئے لڑتے ہیں۔ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص بے گناہوں کو قتل کرتا ہے تو اس کا ایمان خطرے میں ہے کہ قرآن نے بے گناہوں کو قتل کرنے والوں کو کفار کے زمرے میں رکھا ہے۔ اسی لئے فرمایا جو اللہ کے حکم کے علاوہ کسی کی جان لیتے ہیں وہ تو شیطان کا کام کرتے ہیں۔ اس کا آلۂ کار بننے والے اسی کا کام کرتے ہیں۔

فرمایا مومنین کے لئے یہ حکم ہے فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ کہ شیطان کے ساتھیوں سے قتال کیا جائے۔ انہیں شیطنت سے روکا جائے۔ شیطنت پھیلانے سے روکا جائے۔ ظلم وتعدی کو پھیلانے سے روکا جائے اور لوگوں کے حقوق کی بحالی اور قیام امن کے لئے شیطان کے دوستوں سے قتال کیا جائے۔ شیطان کے دوست کون ہیں؟ زمین پر فساد پھیلانا، مخلوق کو ایذا دینا اور انہیں گمراہ کرنا یہ شیطان کا مشن ہے۔ جو لوگ ان کاموں میں اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس کے دوست بن گئے ہیں۔ انہوں نے شیطان سے دوستی کر لی ہے اور اس کے کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ سو حکم ہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔

قرآنِ حکیم کی روشنی میں اصلاح ملت:

ان آیات کی روشنی میں ملکی حالت کی بات کریں تو یہاں یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں رہا کہ کون اللہ کی راہ میں کھڑا ہے اور کون شیطان کے ساتھ کھڑا ہے۔ اس لئے اب تو ایسے لوگ نظر آتے ہیں جن کے چہروں پر داڑھیاں ہیں۔ ہاتھوں میں تسبیح ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے جو وقتاً فوقتاً سجدے بھی کر لیتے ہیں لیکن لوگوں کا مال لوٹنے سے باز نہیں آتے۔ لوگوں کو ایذا دینے اور قتل کرنے سے باز نہیں آتے۔ تو یہاں کون کس کے خلاف جہاد کرے۔ ان حالات میں جہاد کے لئے ابتدا یہ ہوگی کہ پہلے ایک ایسا معاشرہ ترتیب دیا جائے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام پر کاربند ہو۔ جب ایسے لوگ تیار ہو جائیں تو پھر وہ شیطان کے دوستوں کے خلاف قتال و جہاد کریں۔ فرمایا شیطان کے چیلے چانٹوں سے جنگ کرنے سے نہ گھبراؤ اس لیے کہ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ شیطان کی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں ان میں جان نہیں ہوتی۔ حق تو یہ ہے کہ جس فرد کے ساتھ اللہ کی عظمت وجلالت اور تائیدِ باری ہو اور دوسرے کے ساتھ شیطان کی تائید ہو تو ظاہر ہے شیطان کی تدبیر تو بہت کمزور ہوگی۔

شیطان کی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں لیکن کن کیلئے:

ہم اسے عمومی طور پر لے لیتے ہیں کہ شیطان کی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ ان لوگوں کے لئے کمزور ہوتی ہیں جو تدبیرِ الٰہی پر عمل کرتے ہیں اور جنہیں اللہ کی تائید نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی مدد اور نصرت نصیب ہوتی ہے۔ ان کے لئے شیطان کی تدبیریں کمزور ہوتی ہیں۔

النساء آیات 77 تا 87 رکوع 11

اَ لَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ
اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ
اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ
مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۟ وَ
لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ
الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ
اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَ مَآ
اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ
لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴿۸۰﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا
مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ
وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ
الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ
اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ
اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى
اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ
الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا
تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ
تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ
نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ
كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾ وَ اِذَا

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

کیا تو نے ان لوگوں کونہیں دیکھا کہ ان کو یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھواور نمازوں کی پابندی رکھواور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کردیا گیا تو قصہ کیا ہوا کہ ان میں سے بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسا کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور یوں کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرمادیا ہم کو اور تھوڑی مدّت مہلت دے دی ہوتی آپ فرمادیجیے کہ دنیا کا نفع محض چند روزہ ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا ﴿۷۷﴾ تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں ہو اور اگر ان کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ (اتفاقاً) ہوگئی اور اگر ان کو کوئی بُری حالت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سبب سے ہے آپ فرمادیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ انہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی ﴿۷۸﴾ اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آتی ہے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہیں ﴿۷۹﴾ جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی

کرے سو ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کے نہیں بھیجا ﴿۸۰﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام اطاعت کرنا ہے جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت ان میں سے ایک جماعت مشورہ کرتی ہے برخلاف اس کے جو کچھ کہ زبان سے کہہ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں سو آپ انکی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں ﴿۸۱﴾ تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے ﴿۸۲﴾ اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اُس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو اِن میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کو بتاتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو اِن میں اسکی تحقیق کر لیا کرتے اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے ﴿۸۳﴾ پس آپ اللہ کی راہ میں قتل کیجئے آپ اپنی جان کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں اور مسلمانوں کو ترغیب دے دیجئے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے اور اللہ تعالیٰ زور جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں ﴿۸۴﴾ جو شخص اچھی سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور جو شخص بُری سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں۔ ﴿۸۵﴾ اور جب تمہیں کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اسے اس کے سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے ﴿۸۶﴾ اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں وہ ضرور تم سب کو جمع کرینگے قیامت کے دن میں اس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ

تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی ﴿۸۷﴾

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں جہاد کی اجازت نہیں تھی۔ وہ کیسے عجیب لوگ تھے جنہیں اللہ نے فرمایا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روک کے رکھو۔ اپنے ہاتھوں کو تھامے رکھو۔ مکہ مکرمہ میں تیرہ برس جہاد کی اجازت نہیں تھی۔ قتال کی اجازت نہیں تھی۔ یہ اللہ کے ایسے بندے تھے جنہوں نے ایک یا دو سال نہیں تیرہ سال بڑے سے بڑا ظلم برداشت کیا اور اُف نہ کی۔ اللہ کریم کی اطاعت کرتے رہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں بسائے رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں فدا کرتے رہے۔ انہیں یہ حکم دیا گیا کہ ارکانِ دین پر عمل کرتے رہو۔ صلوٰۃ کی پابندی رکھو۔ زکوٰۃ دو لیکن ابھی تمہیں ہاتھ نہیں اٹھانا۔ تو تیرہ برس کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مکہ مکرمہ ہی کا واقعہ ہے۔ عدیؓ بن حاتم جو حاتم طائی کے بیٹے تھے مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ حاتم طائی کا قبیلہ بنو طے لوٹ مار کرنے والے ڈاکوؤں کا قبیلہ تھا۔ وہ ایک دن بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے یہ چند جانثار ہیں اور مشرکین مکہ نے ان پر مظالم کی حد کردی ہے۔ کسی کو گرم ریت پر لٹا کر اوپر چٹانیں رکھی جارہی ہیں۔ کسی کو گرم لوہے سے داغا جارہا ہے۔ کسی کو سلاخیں گرم کر کے ایذا دی جارہی ہے۔ آپ اپنے ہاتھ مبارک اٹھا کر کفار کے لئے بد دعا فرمائیں تو یہ تباہ ہو جائینگے اور مومنین کی جان بچ جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عدیؓ! گھبراؤ نہیں اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ یہ تمام مظالم مٹ جائیں گے اور ایسا امن قائم ہوگا کہ ایک عورت ربع الخالی سے اکیلی چلے گی۔ بیت اللہ آئے گی۔ طواف کرے گی اور اکیلی ہی واپس چلی جائے گی۔ اس کی عزت وآبرو محفوظ رہے گی۔ اس کا مال ومنال محفوظ رہے گا اور تمام راستہ محفوظ ہوگا۔ عدیؓ یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور سوچنے لگے کہ اگر ایسا ہوگا تو بنو طے کے ڈاکو کہاں جائیں گے!

وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عدیؓ ایک دن مکہ مکرمہ میں تھے۔ اب وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بیت اللہ شریف کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے ایک تنہا خاتون کو بغل میں پوٹلی دبائے طواف کرتے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا کہ خاتون آپ کہاں سے آئی ہیں؟ تو خاتون نے جواب دیا ربع الخالی سے آئی ہوں۔ آپؓ نے پوچھا آپ کے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا اور تو کوئی نہیں اللہ ساتھ ہے۔ پوچھا واپس جائیں گی تو ہمراہ کون ہوگا؟ انہوں نے کہا اللہ ہمراہ ہوگا۔ پوچھا کیا راستے میں کسی نے تنگ نہیں کیا خاتون نے بتایا کہ راستہ محفوظ ہے۔ عدیؓ فرماتے ہیں کہ جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بتائی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ واقعی ایسا پُرامن عہد آیا کہ عرب کی ایک بڑھیا کو اتنے طویل سفر میں کوئی خطرہ نہیں محسوس ہوا۔

فرمایا وہ بھی تو انسان تھے جنہیں اللہ نے جب کہہ دیا كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ تم نے ہاتھ نہیں اُٹھانا تو انہوں نے اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا۔ جب انہیں حکم دیا گیا کہ ارکان دین ادا کرتے رہو تو وہ ایسا ہی کرتے رہے۔ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اور جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو جو منافقین ایمان کا لبادہ اوڑھ کر شامل ہوئے تھے ان کا پول کھل گیا اور وہ سامنے آگئے۔ قتال ہجرت مدینہ منورہ کے بعد فرض ہوا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب تک کوئی جماعت اقتدار میں نہیں ہوتی مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر رہی ہوتی ہے اس میں منافقین نہیں ہوتے۔ لیکن جب ان کے پاس اقتدار و قوت آجائے تو پھر دنیوی مفادات حاصل کرنے والے بھی ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر منافقین در آتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بھی جب حکومتِ اسلامی کی بنیاد پڑی تو منافقین بھی در آئے۔ لیکن جب جہاد فرض کر دیا گیا قتال کا حکم آگیا تو دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ ہو گیا۔ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ منافقین لوگوں سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں سے ڈرتے تھے۔ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ اور کہتے تھے یا اللہ تو نے ہم پر یہ قتال کیوں فرض کر دیا ہمیں لڑنے کا حکم کیوں دے دیا؟ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ ہمیں کچھ دن آرام سے رہنے دیا ہوتا۔

مومنین ہر حال میں اطاعتِ الٰہی کرتے ہیں منافقین صرف دنیوی مفادات کیلئے کلمہ پڑھتے ہیں:

مومنین کا خاصہ ہے کہ ہر حال میں ان کی خوشی اللہ کی اطاعت میں ہوتی ہے اور وہ اللہ کی رضا کیلئے مشکلات و مصائب سے گزر جاتے ہیں۔ دولت و اقتدار ملے تو بھی اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جب کہ منافقین محض دنیوی مفادات کے لئے کلمہ پڑھتے ہیں۔ لہٰذا جہاں ایثار و قربانی کا وقت آئے وہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور دنیاوی آسائشوں کو ہی محور و مرکز بنائے رکھتے ہیں۔ لہٰذا جب انہوں نے یہ کہا کہ کچھ عرصہ تو ہمیں آرام سے رہنے دیا ہوتا تو فرمایا گیا قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ دنیا میں جتنا بھی رہ لو، دنیا کا جتنا بھی مال جمع کر لو، دنیا کو جتنا بھی استعمال کر لو، دنیا کی دولت ہمیشہ قلیل ہی رہے گی۔ کسی کے پاس بھی کثیر نہیں ہوتی کہ انسان جتنی بھی دولت جمع کرتا ہے اتنا ہی وہ ضرورت مند رہتا ہے۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ جو اللہ کے ساتھ رشتہ قلب استوار رکھتے ہیں ان کے لئے آخرت اللہ کا انعام ہے۔ آخرت متقین کے لئے ہر طرح سے بہتر ہے تو پھر آخرت سے ڈرنا کیسا! وَلَا تُظْلَمُوْنَ

فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اور کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ط تم جہاں بھی ہو موت تو ہر جگہ آ جائے گی خواہ مضبوط قلعوں میں بند ہو جاؤ۔ موت اپنے وقت پر ضرور آ جائے گی۔ یہ تذکرہ ان لوگوں کا ہے جو پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ جب انہوں نے اسلام کو پھلتے پھولتے دیکھا تو دنیوی مفادات کے حصول کے لئے بظاہر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا لیکن دل سے اسلام کی صداقت کو قبول نہ کیا۔ جنہیں منافقین کہا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو یہ موت کے خوف سے بھاگتے تھے۔ فرمایا موت کوئی ڈرنے کی چیز نہیں ہے۔ موت بھاگنے کی چیز نہیں ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بہر حال ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے۔ موت ایک ایسا دروازہ ہے جس میں ہر ایک کو گزرنا ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ اس پر گواہ ہے انبیاء و رسل دنیا سے تشریف لے گئے۔ بڑے بڑے سلطان اور امراء دنیا سے چلے گئے۔ بڑے بڑے بہادر چلے گئے اور بڑے بڑے طبیب موت کا علاج نہ کر سکے اور موت سے ہمکنار ہو کر رہے۔ فرمایا جب موت کا وقت آئے گا وہ تم پر وارد ہو جائے گی۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم بڑے بڑے قلعوں میں بند ہو جاؤ یا بلند دیواریں کھینچ لو اور بڑے آہنی دروازے لگا کر ان پر بہت سارے پہرے دار کھڑے کر دو۔ اس لئے کہ موت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جب وقت پورا ہو گا موت خود بخود آ جائے گی۔ یہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے۔ اللہ کریم نے اس دنیا کو ایک خاص وقت کے لئے قائم کیا ہے۔ اس میں جتنی نعمتیں ہیں وہ چرند پرند ہیں نباتات و جمادات ہیں، درخت اور میوے ہیں، پانی اور ہوا ہے، سورج اور چاند ہے یہ سب بے پناہ نعمتیں صرف انسان کی خاطر پیدا فرمائی ہیں۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ اللہ فرماتے ہیں لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (البقرہ 29) اے نوع انسانی روئے زمین کی ساری نعمتیں تمہارے لئے ہیں۔ اور یہی انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اس آزمائش میں اللہ کی اطاعت کر کے پورا اترتا ہے یا اسی دنیا کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے اور ناکام ہو جاتا ہے۔ اسی بات کی یاد دہانی کے لئے اللہ کریم نے انبیاء بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں حتّٰی کہ وہ رسول ﷺ تشریف لائے جو ہمیشہ کے لئے ہیں اور ساری کائنات کے لئے ہیں اور اللہ کی وہ کتاب نازل ہوئی جو اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے لائحہ عمل ہے۔ موت انسان کو وہاں لے جائے گی جہاں یہ فیصلہ ہو گا کہ کس نے اس لائحہ عمل کو مانا کس نے اس پر عمل کیا اور کس نے اس کو چھوڑ دیا اور محض دنیا کا ہو کر رہ گیا۔ یہ فیصلہ یہاں سے جانے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ہو گا۔ لہٰذا یہاں سے جانے کے عمل کو جسے موت کہتے ہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر تم موت کے خوف سے جہاد سے بھاگتے ہو تو جہاد تو وہ عظیم

الشان عمل ہے جو انسان کو موت کی رسائی سے دور بہت بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ یہ سوچو بھی نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹ گئے وہ مر گئے۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران 169) وہ اللہ کریم کے پاس زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں رزق دیئے جاتے ہیں۔

فرمایا منافقین جو جہاد سے بھاگتے ہیں ان کے بھاگنے کی وجہ موت کا خوف ہے حالانکہ موت ہر حال میں آئے گی خواہ کوئی مضبوط قلعوں میں پناہ لے یا زیرِ زمین مضبوط پناہ گاہیں بنا لے۔

نفاق کی علامت:

نفاق کی علامت ان کے مزاج سے ظاہر ہوتی ہے کہ فرمایا وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اگر تو انہیں دنیوی بہتری حاصل ہو جائے تو یہ کہتے ہیں بس ہمیں مل گئی۔ اللہ نے یہ ہمارے مقدر میں کر دی تھی۔ اور اگر ان پر مصیبت آ جائے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ کوئی تکلیف آ جائے، کوئی دشمن حملہ کر دے تو کہتے ہیں يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ کہ ساری مصیبتیں آپ ﷺ کے سبب سے آئیں۔ (معاذ اللہ) آپ ﷺ کی بعثتِ عالی نے کفر کو للکار کر ایک طوفان برپا کر دیا اب ہر طرف سے کافر ہمیں کھانے کو دوڑتے ہیں اور ہمارے دکھ اور پریشانی کا سبب (معاذ اللہ) آپ ﷺ کی ذات ہے۔ فرمایا قُلْ انہیں فرما دیجئے كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بھلائی، بہتری، آسانی اور فائدہ ہو یا تکلیف، پریشانی و مصیبت۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ فرمایا یہ لوگ کیا ہیں؟ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ بات سمجھنے سے ہی قاصر ہیں۔ یہ بات ہی نہیں سمجھ پا رہے۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ اے انسان جو بھلائی اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ﴿۷۹﴾ اور تمہیں جو تکلیف آتی ہے وہ تمہارے اپنے سبب سے ہے۔ تمہارے اپنے کردار کی وجہ سے آتی ہے۔

قرآن کا نزول خاص ہے اور حکم عام ہے:

ہم جب قرآن کریم میں کفر و شرک کے بارے پڑھتے ہیں تو اس عہد کے مشرکین پر یہ آیت لاگو کرتے ہیں اور جب قرآن حکیم میں اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ کی آیات پڑھتے ہیں تو ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے لئے ہے یا یہ ان کی فضیلت میں ہے۔ اسی طرح جب ہم منافقین کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ اس عہد کے منافقین کے بارے میں ہے۔ وحی کا شانِ نزول کفار کا کردار

ہو یا منافقت کی نشاندہی۔ کردار و اعمال کی پسندیدگی کا شانِ نزول بے شک صحابہ کرامؓ ہوں لیکن قرآن کا نزول خاص ہے اور حکم عام ہے۔

کتابِ الٰہی اپنے نزول سے لیکر قیامت تک کیلئے اللہ کی ساری مخلوق کیلئے ہے:

لہٰذا ہمیں ان آیات کی روشنی میں اپنے انفرادی اور قومی کردار کا جائزہ لینا ہوگا تاکہ اصلاح احوال کی توفیق نصیب ہو۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ہمیں دعویٰ تو اپنے مسلمان ہونے کا ہے۔ حضور ﷺ سے وفا کا ہے۔ ہمیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ کی واحدانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور یہ ہمارا ایمان ہے۔ لیکن کیا ہمارا کردار اس کی تصدیق کرتا ہے؟ کیا ہم منافقوں کی طرح احکام اسلامی سے کہیں کتراتے تو نہیں؟ آج پورے ملک میں ججوں کی بحالی کا شور ہے۔ جمعے کا روز ہے ملک کے طول وعرض سے لوگ اکٹھے ہورہے ہیں۔ یہ خبر تو نہیں کہ وہ جمعے کی نماز بھی پڑھیں گے یا نہیں! لیکن بیک آواز ججوں کی بحالی کے لئے کوشاں ہیں تاکہ ملک میں انصاف قائم ہو لیکن کوئی یہ بھی تو بتائے انصاف ہے کیا۔ جو قانون اور جو پینل کوڈ انگریز نے غلام برصغیر کے لئے بنایا تھا وہ انصاف ہے یا جو اصول آقائے نامدار ﷺ نے دیئے وہ انصاف ہے؟ ہمارے ملک پاکستان کے جج اپنے فیصلوں میں کسی کو سزائے موت دیتے ہوئے لکھتے ہیں بمطابق دفعہ 302 تعزیرات پاکستان جس کا اجراء ہوا 1896 میں۔ پاکستان تو بنا 1947 میں تعزیرات پاکستان 1896 میں کیسے بنی؟ یعنی یہ وہی انڈین پینل کوڈ ہے جو برطانوی حکومت نے غلام انڈیا کے لئے بنایا تھا اس قانون کے تحت انصاف کیسے ہوسکتا ہے؟ پاکستان تو بنا لاکھوں لوگوں کی قربانیوں سے اور یہ محاوراتی زبان نہیں ہے۔ واقعتاً اتنے مسلمان شہید ہوئے کہ دفن کرنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ دوران ہجرت راستے میں جو لوگ شہید ہوئے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے جن لوگوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا ان لوگوں کی لاشیں کھا کھا کر جنگلی جانور اور گدھ تھک گئے تھے۔ لاشیں زمین پر پڑی رہتیں اور گدھ درختوں پر بے فکر و لاپرواہ بیٹھے ہوتے۔ اتنی مسلمان خواتین کی عزتیں برباد ہوئیں کہ شمار ہی نہیں۔ جو خواتین ہندوؤں اور سکھوں نے قافلوں سے چھین لیں یا راستوں سے اغواء کیں ان کی سرکاری اعداد و شمار میں تعداد انڈین سرکار کی طرف سے جو بتائی گئی وہ 80 ہزار تھی جبکہ پاکستان کے علاقوں میں ان خواتین کی تعداد 6 ہزار تھی۔ یہ اس وقت کی انڈیا پاکستان کی حکومت نے معاہدہ کیا کہ ان خواتین کا تبادلہ کیا جائے۔ ہندو لڑکیاں انہیں واپس کی جائیں اور مسلمان لڑکیاں پاکستان کو دی جائیں۔ یہ 80 ہزار خواتین کس کرب سے گزری ہوں گی۔ بے شک وہ کلمے پر قائم رہی ہوں گی لیکن انہوں نے سکھوں، ہندوؤں کی اولادیں پیدا کیں۔ آج تک ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی واپس نہ لاسکے۔ لیکن کیا کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ ان خواتین نے کتنی بڑی قیمت ادا کی اس بات کی کہ وطن

عزیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ دین کے مطابق انصاف ہوگا۔ اور آج بھی وہ خواتین کس طرح اپنے دین سے وابستہ ہیں۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک پاکستانی جاسوس نے اپنی آپ بیتی میں اسے رقم کیا ہے۔ کہ وہ لکھتا ہے کہ وہ جاسوسی کررہا تھا کہ مخبری ہوگئی وہ بھاگ نکلا۔ راستے میں بارش اور سیلاب نے آلیا اس سے بچنے کے لئے وہ درخت پر چڑھ گیا لیکن گاؤں کے سکھوں نے اسے پکڑ کر اپنی کوٹھری میں بند کردیا کہ صبح پولیس کے حوالے کردیں گے۔ دروازے کو تالہ ڈال کر وہ سکھ اپنے ساتھیوں سمیت دروازے پر چارپائی ڈال کر سو گیا۔ کچھ رات گئے روشندان جیسی کھڑکی میں سے کسی نے اسے متوجہ کیا۔ وہ سفید بالوں والی ایک خاتون تھی۔ اس نے کہا یہ درانتی اور کھرپا ہے دیوار مٹی کی ہے۔ کوشش کر کے سوراخ بنا کر نکل جاؤ۔ جاسوس نے پوچھ لیا کہ وہ کون ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ دوران ہجرت اغواء کی گئی تھی۔ میں نے اس سکھ کے گھر زندگی گزار دی۔ اولاد اس کی پیدا کی۔ لیکن میرا دل آج بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ وہ جاسوس اس خاتون کی مدد سے بھاگ نکلا لیکن ان جیسی کتنی خواتین ہیں جنھوں نے نہ صرف زندگی سکھوں، ہندوؤں کے ساتھ بسر کی بلکہ انہیں مرنے کے بعد چتا پر جلنا بھی پڑا۔ ان کی اس ذلت کا ذمہ دار کون ہے؟

یہاں روٹی کے لئے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ بجلی کے لئے تو ہر ایک تڑپ رہا ہے۔ آسائشوں اور سہولتوں کے لئے تو جلوس نکالے جارہے ہیں۔ کبھی غیرت ایمانی کے لئے، اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے کسی نے بات بھی کی! ان خواتین کو آزاد کرانے کے لئے کسی کی رگِ غیرت پھڑکی؟ کیوں؟ ہمیں موت سے خوف آنے لگا۔ اگر ہم یہ کریں گے تو امریکہ ہمیں ماردے گا۔ امریکہ کیا ہے؟ ایک کافر طاقت۔ اس سے ڈرتے ہیں؟ نہیں! موت سے ڈرتے ہیں۔ اگر امریکہ ہمیں نہیں مارے گا تو کیا ہم پھر نہیں مریں گے؟ مرتو پھر بھی جائیں گے۔ مرنا تو پھر بھی ہے۔ **اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ** قرآن حکیم بتارہا ہے کہ تم کہیں بھی ہو موت تو تمہیں آجائیگی۔ کاش! ہم میں یہ جذبہ ہوتا کہ ہم موت کو شکست دے دیتے۔ اپنی جانیں راہ حق میں قربان کردیتے۔ لیکن ہم میں اتنی منافقانہ صفات ہیں کہ غیرت وحمیت رخصت ہوگئی ہے۔ آج پوری قوم جنگ کی لپیٹ میں ہے۔ امریکہ جگہ جگہ دندناتا پھر رہا ہے۔ ہمارے قبائلی علاقوں میں ہمارے مسلمان بھائیوں پر بمباری کرتا ہے۔ اور ہماری حکومت زبانی احتجاج کرتی ہے۔ حکومتِ پاکستان کے احتجاج کی مثال کسی زمیندار کے مزارعے کے احتجاج جیسی ہے۔ جیسے کوئی ظالم چودھری اپنے کسی ملازم کو اس کی کسی ناکردہ خطا پر جوتوں سے پیٹتا ہے۔ پیٹتا چلا جاتا ہے اور وہ غریب گڑگڑا کر کہتا ہے کہ اب بس کردیں آئندہ نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس طرح کا احتجاج ہماری حکومت امریکہ سے کرتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ وہ ملک جو اپنے

آپ کو ایٹمی طاقت بتاتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ دنیا کی بہترین فوج اسکے پاس ہے۔ جو کہتا ہے کہ اس کے عوام مجاہد ہیں تو پھر وہ ایسا احتجاج کیوں کرتا ہے؟ فریاد کیوں کرتا ہے؟ اسلئے کہ اگر امریکہ ناراض ہو گیا تو جو فوائد حکومتی ارکان کو حاصل ہو رہے ہیں وہ بند ہو جائیں گے۔ بڑی گاڑیاں بند ہو جائیں گی۔ سامانِ آرائش وزیبائش بند ہو جائیں گے۔ عیاشیوں کے اڈے بند ہو جائیں گے۔ کیا اس کے بغیر لوگ زندہ نہ رہ سکیں گے؟ آرائش وزیبائش کے ان طریقوں اور لوازمات کا ہمارے ہاں تو کبھی رواج نہیں تھا۔ پھر ہم ان کافر طاقتوں سے کیا لے رہے ہیں؟ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ حکومتِ پاکستان آج اعلان کر دے کہ ہمارے علاقوں پر حملہ کیا گیا تو ہم جہاد کا اعلان کریں گے اور اپنا دفاع کریں گے تو میں دیکھتا ہوں کہ امریکہ یہاں کیسے آتا ہے؟ اور کس طرح اس کی جرأت ہوتی ہے کہ یہاں بمباری کرے۔ آج حکومتِ پاکستان اس بات کا اعلان کر دے تو ملک کے گنہگار بھی اتنی حمیت رکھتے ہیں کہ وہ میدانِ جہاد میں جا کر جان دیں گے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ حکومت جمہوریت کے نام پر کھیل رہی ہے۔ حالانکہ اس طرح کی جمہوریت اتنا بڑا دھوکہ ہے کہ کبھی انسانوں کے ساتھ اس سے بڑا دھوکہ نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اکثریت کی رائے جمہوریت ہے۔ یہاں اکثریت کیسے بنتی ہے؟ ایک سیٹ پر پانچ بندے الیکشن لڑتے ہیں ووٹوں کی گنتی ہوئی۔ ایک جیتا باقی چار ہار گئے۔ ان چاروں کے ووٹ گنیں تو اکثریت تو ان کے ساتھ ہے۔ یہ اعداد وشمار کا اور الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ یہ کیسی اکثریت ہے جو ہمیشہ انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو پاکستان بننے سے اتفاقاً حکومتی دہلیز پر پہنچ گئے اور پچھلے ساٹھ سالوں میں اکثریت انہی کو ملتی ہے۔ ان کے مرد نہ رہیں تو ان کی عورتیں اس کی اہل ہو جاتی ہیں۔ ان کی بہوؤں، بیٹیوں میں یہ استعداد آ جاتی ہے۔ عوام کی اکثریت کا مینڈیٹ انہیں نصیب ہو جاتا ہے اور یہ قابلیت دنیادار سیاستدانوں کے خاندان میں ہی نہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں کے اہل خانہ کو بھی نصیب ہوتی ہے۔ پھر یہ اکثریت کے دعویدار پانچ، پانچ سال اسمبلیوں میں بیٹھتے ہیں۔ کس کو انصاف دلاتے ہیں؟ کس کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں؟ کہاں حق وباطل کی بات ہوتی ہے؟ ہاں ایک فائدہ ہوتا ہے پورا پورا خاندان الاؤنسز سرکاری مراعات حاصل کرتا ہے اور چند سالوں میں خوب دولت جمع کر لیتے ہیں۔ نہ یہ ارکانِ حکومت دین کے نفاذ کے لئے سوچتے ہیں نہ اس کے لئے کوئی کام ہوتا ہے۔ ججز کی تحریک کا مطالبہ بھی جج بحال کرانے کا ہے۔ ججز بحال ہو جائیں تو کیا وہ شریعتِ محمد رسول ﷺ کے مطابق انصاف کریں گے؟ اور جو انصاف شریعتِ محمد رسول ﷺ کے خلاف ہوگا وہ انصاف ہوگا یا ظلم؟ پاکستان کے کروڑوں عوام کے لئے حکومت جو منصوبے بناتی ہے اس سے یہ غرض کسی کو نہیں کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں یا نہیں۔ اس میں وزارت سے لے کر نیچے والے چوکیدار تک سب کا حصہ ہوتا ہے۔ تین چوتھائی رقم حصہ داری میں بٹ جاتی ہے۔ ایک چوتھائی رقم

سے عوام کیلئے کون سا منصوبہ بھلائی لائے گا، عوام کو کیا انصاف ملے گا؟ کیا یہی انصاف ہے؟ اگر واقعی انصاف چاہیے تو وہ اسلام کے سوا کہیں نہیں تو پھر اسلام کیوں نہیں چاہتے؟ دو باتیں سچ نہیں ہوتیں لیکن عالم اسلام کے تمام حکمران یہودیوں کے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور اسلام کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں۔ آج یہود نواز طاقتیں اس بات کو میڈیا کے ذریعے پھیلا رہی ہیں کہ مکالمہ بین المذاہب ہونا چاہیے کہ تمام ادیان دراصل ایک ہیں۔ سب میں قدرِ مشترک ایک ہستی ہے۔ جسے ہندو رام کہتا ہے، عیسائی گاڈ کہتا ہے معنی ایک ہی ہے۔ یعنی اس بات کو پھیلایا جائے کہ کوئی ایشور کہے یا گاڈ کہے یا اللہ کہے بات ایک ہی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ ہم الہ واحد کو اللہ کہتے ہیں اور ہم اللہ اس ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے منوایا ہے۔ ہم اللہ کو ویسا مانتے ہیں جیسا محمد رسول ﷺ نے ہمیں اس کی صفات بتائی ہیں کہ وہ قادرِ مطلق ہے، وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسکے نہ اولاد ہے، نہ اس کے والدین ہیں۔ نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے۔ نہ اسے کسی کی ضرورت ہے اور وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ ہم اللہ کی ذات کو ان صفات سے متصف مانتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ ہم سے منواتے ہیں۔ کیا ہندو، ایشور کو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی صفاتِ الٰہی سے متصف مانتے ہیں؟ کیا عیسائی جسے گاڈ کہتا ہے اسے ان صفات سے مانتا ہے جن صفات سے محمد رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں؟ تو پھر مکالمہ بین المذہب کیا ہوا؟ سچ اور جھوٹ میں کیا مکالمہ ہوتا ہے؟ اسلام سچ ہے اور باقی سارے مذاہب باطل ہیں۔ سچ اور جھوٹ میں مکالمہ کیسا ہوا؟ یہ سب دھوکے ہیں اور حکمرانوں کو یہ دھوکے کیوں پسند ہیں؟ اس لئے کہ مسلمان کہلانے والے حکمران خود کروڑوں لوگوں کے حقوق دبا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ عیاشی کر رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ کوئی ان سے بھی پوچھے کہ عوام کے ہاں چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے بجلی بند رہتی ہے اور حکمرانوں کے گھروں میں ایک منٹ کے لئے بھی بند کیوں نہیں ہوتی ہے؟ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان سے یہ سوال کرے کہ عوام تو آٹے کو ترستے ہیں اور حکمرانوں کے کُتّے امپورٹڈ بسکٹ کیوں کھاتے ہیں؟ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے گریبان میں ہاتھ ڈالے۔ ان سے پوچھے کہ عوام پر یہ ٹیکسوں کے بوجھ اس لئے ڈالے جاتے ہیں کہ ملکی خزانہ عوام کی رگِ جاں سے نچوڑ کر بھرے اور حکومت اربوں روپے کے قرضے لیکر معاف کروالے۔ نئے حکمرانوں کو آنے سے پہلے باون ارب روپے کے قرضے معاف کئے گئے۔ حکومت تو ان باون ارب روپوں کی امین تھی۔ قومی خزانہ تو عوام کی امانت تھی۔ لیکن پچھلے ساٹھ سالوں سے ایسا ہی ہوتا آ رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے آج تک صرف وہ قرضے واپس وصول کر لئے جائیں جو قومی خزانے کے تھے اور معاف کر دیئے گئے تو پاکستان کا ہر آدمی خوشحال ہو جاتا ہے۔ یہ قرضے لینے والے کوئی غریب نہیں ہیں۔ ان کی کوٹھیاں، کاریں، ہزاروں مربع جاگیریں اور غیر ملکی اثاثے ہیں۔ ان کی جائیدادیں نیلام کر کے

قرضے واپس کیوں نہیں لئے جاتے؟ آج غریب کیوں آٹے، روٹی کو ترس رہا ہے؟ اس لئے کہ ان اُمراء نے غلہ مہنگے داموں باہر فروخت کر دیا، دولت سے تجوریاں بھرلیں اور عوام کو بلکتا چھوڑ دیا۔ اب مخصوص سرکاری افسر اپنے ماتحتوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ بیس کروڑ سے اوپر رشوت دینے والا کوئی ہو تو مسئلہ میرے پاس لاؤ میں حل کروادوں گا۔ اس سے کم دینے والے کی میرے ساتھ بات نہ کرو، میرا وقت ضائع نہ کرو۔ اگر ایسے لوگوں نے حکومت کرنی ہے تو کس انصاف کی بات کررہے ہیں؟ اور عوام بھی اسلام کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ اسلئے کہ ہم بھی آج اُس وقت کے منافقینِ مدینہ کی طرح موت سے ڈرتے ہیں۔ ہم من حیث القوم اسی مزارعے کی طرح احتجاج کرتے ہیں کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی جناب اب بس کردیں۔ اس رویے کو آج کی مہذب زبان میں احتجاج کہتے ہیں۔ اس کردار کے حامل لوگ موت سے ڈرتے ہیں۔ اور ان میں ایک اور گمان آجاتا ہے کہ اسلام میں تو بہت پابندیاں ہیں۔ یہ حرام ہے، وہ حرام ہے، اس طرح دولت حاصل نہ کرو، اس طرح دولت نہ اڑاؤ۔ پھر ان کا کردار یہ ہوجاتا ہے کہ اسلام کے حوالے سے ان کا کچھ بھلا ہوجاتا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے یہ ہمیں اتفاقاً دے دی۔ پھر بھی اسلام کی تعریف نہیں کرتے اور جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہم پر مصیبت ڈال دی۔ فرمایا انہیں بتادیجئے کہ سکھ بھی اللہ کی طرف سے آتا ہے اور دکھ بھی اللہ کی طرف سے آتا ہے البتہ پریشانی کا سبب تمہار کردار ہوتا ہے لیکن تم ایسے لوگ ہو کہ بات سمجھتے ہی نہیں۔

تمام نعمتیں محض عطائے الٰہی سے ہیں اور مصائب انسانی کردار کا نتیجہ:

فرمایا اصل اصول یہ ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز جو بھلائی بھی تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ تمہاری صحت درست ہے، تمہیں دنیا سے دولت واولاد نصیب ہے، عہدہ ووقار ملا ہے تو یہ سب محض اللہ کی عطا ہے۔ انسان خواہ کتنی ہی عبادات کرلے، وظیفے کرلے، درود پڑھ لے، قرآن حکیم کی تلاوت کرلے ان سب سے وہ اللہ کی نعمتوں کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جتنی بھی عبادات کرلے اللہ کا شکر گزار نہیں ہوسکتا۔ تمام عبادتوں کی توفیق ملنا بھی اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی عبادات تو انسان تھوڑی کرسکتا ہے اس کی نعمتیں جو وہ استعمال کرتا ہے وہ بے حد وحساب ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ آیت 21) اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہارے سے پہلوں کو پیدا کیا۔ سمع و بصارت دی۔ پھر روئے زمین پر تمہارے لئے بے شمار نعمتیں پھیلادیں۔ اب اگر تم زندگی بھر اور کوئی کام نہ

کرو، صرف سرزمین پر رکھ کر سبحان ربی الاعلیٰ کہتے کہتے زندگی بسر کردو پھر بھی اللہ کی ان نعمتوں کا تم شکر نہیں کرسکتے جو تمہیں وہ پہلے سے عطا کرچکا ہے۔ بخاری شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے جو حضرت جبرئیل امین نے حضور ﷺ کو سنایا۔ اس کا خلاصہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا۔ جسے اللہ نے چار سو سال زندگی دی اور وہ بالغ ہونے کے بعد پوری زندگی صرف اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ سوائے عبادت کرنے کے، سوائے اللہ کو یاد کرنے کے اس نے کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔ اللہ نے اس کے گزر بسر کرنے کے لئے چشمہ جاری کردیا۔ اسی سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتا۔ جزیرے میں بہت سے پھل تھے انہی پر گزارہ کرتا اور اللہ کی عبادت کرتے کرتے اس کا وقت آخر آگیا۔ اس نے اللہ سے ایسی موت کی آرزو کی کہ اس کا سر سجدے میں ہو اور وہ اللہ کی تسبیح کہہ رہا ہو۔ تاکہ وہ قیامت کو اٹھے تو اسی طرح سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہوئے اٹھے۔ جبرئیل امین نے یہ واقعہ سناتے ہوئے بتایا کہ حضور ﷺ میں اب بھی جب آسمان سے زمین پر آتا ہوں تو میں اسے اسی حالت میں پڑا دیکھتا ہوں۔ اسے فوت ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ اس کا وجود ویسے ہی سجدے میں پڑا ہے۔ کسی موسم کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ وہیں سے قیامت کو اٹھے گا۔ لیکن اس واقعے میں عجیب بات یہ ہے کہ جب یہ روزِ محشر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگا۔ تو اللہ کریم فرمائیں گے اِذْهَبْ عَبْدِیْ اِلٰی جَنَّتِیْ بِرَحْمَتِیْ میرے اس بندے کو میری رحمت کے سبب جنت میں داخل کردو۔ اس وقت یہ بندہ عرض کرے گا کہ اللہ کریم بے شک تیرا کرم بے کراں ہے لیکن میری محنت کا بھی کوئی پھل ہے۔ میں جب سے بالغ ہوا ہوں میں نے دین سیکھا، تب سے لے کر چار سو سال تک میں تیرے ذکر اور تیری عبادت میں ہی مصروف رہا۔ میں نے کسی اور کام کو کیا ہی نہیں تو کیا میری اس چار سو سال کی محنت کا بھی کوئی پھل ہے یا صرف تیرے کرم کی بدولت ہی جنت میں جانا ہے۔ تو ارشاد ہوگا کہ اس کی چار سو سالہ عبادت کو ایک پلڑے میں رکھو اور میری نعمتوں میں سے صرف ایک بینائی کی نعمت کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولو جو اس نے چار سو سال استعمال کی ہے جب وزن ہوگا تو اس کی عبادت اس ایک نعمت کے استعمال کے مقابلے پر کم پڑ جائے گی۔ اب اس کے بارے میں ارشاد ہوگا اِذْهَبْ اِلَی النَّارِ بِعَدْلِیْ اس کو میرے عدل اور انصاف کی رو سے اتنا عرصہ جہنم میں رکھو۔ چونکہ یہ تو عدل کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لہٰذا عدل کیا جائے کہ اس کے ذمے میری نعمتوں کا شکر زیادہ نکلتا ہے اور اس کی عبادت اس عطائے شکر کے لئے کم ہے۔ تب وہ پکار اٹھے گا کہ میں تو تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ تو اللہ کریم فرمائیں گے کہ اگر تو رحمت کا طلبگار ہے تو پھر تمہیں جنت بھیج دیتے ہیں اور اگر حساب کتاب کا طلبگار ہے تو اپنا حساب کرکے دیکھ لے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل

نہیں ہوگا بجز اللہ کی رحمت کے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے عرض کی حضور ﷺ کیا آپ بھی؟ کہ آپ ﷺ تو شافع محشر ہیں۔ مخلوق کو آپ ﷺ کی شفاعت پر بھروسہ ہے۔ تو کیا آپ ﷺ بھی اللہ کی رحمت ہی سے جنت میں جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا شافع محشر ہونا اللہ کی رحمت نہیں ہے؟ **مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ** ز فرمایا کوئی بھی بھلائی جو تمہیں پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی رحمت سے پہنچتی ہے۔ یہ اس کا احسان ہے۔ اگر چہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ وہ مزید انعام دیتا رہتا ہے۔ **وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ** تم پر جو تکلیف آتی ہے **فَمِنْ نَّفْسِكَ** ط تو وہ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہے۔ وہ اس طرح بے شمار گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اللہ تو ایسا کریم ہے کہ کسی کی خطاؤں کے بارے میں دوسروں کو نہیں بتاتا۔ اگر اللہ ہماری خطاؤں کو دوسروں پر ظاہر کر دیتا تو ہم لوگ اپنے گھروں میں جانے کے قابل نہ رہتے۔ اولاد اور والدین کا سامنا نہ کر سکتے۔ وہ **ستار العیوب** ہے۔ ہم بیشمار خطائیں کرتے ہیں وہ پردہ پوشی کرتا رہتا ہے۔ ہم میں سے ایسا کون ہے جس کی خطائیں اللہ ظاہر کر دے تو پھر وہ بندوں میں بیٹھ سکے۔ وہ ذات کریم ہے۔ بہت معاف کرتی ہے کسی نہ کسی خطا پر کوئی سزا دے دیتا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ بندہ توبہ کر لے۔ اس کی رحمت یہ چاہتی ہے کہ بندہ اصلاح کر لے۔

دکھ اور تکلیف کے انداز ہر ایک پر مختلف ہوتے ہیں:

ہر بندے کا اللہ سے تعلق اور اس کا عملی زندگی میں کردار، دکھ کے انداز متعین کرتا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں پر، صلحاء و شہداء پر، نیک لوگوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ مومن پر جو دکھ آتا ہے وہ اس کی تلافی مافات بن جاتا ہے۔ اس کے گناہ معاف کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ مومن کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کے کتنے گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ اور کسی کو اگر نورِ ایمان ہی نصیب نہ ہو تو اس پر یعنی کافر پر جو تکلیفیں آتی ہیں وہ از قسم عقوبات ہوتی ہیں۔ وہ بطور سزا کے آتی ہیں اور سزا دل و جان کو تنگی پہنچاتی ہے۔ کافر دل کے اندر سے دکھی اور پریشان ہو جاتا ہے یعنی بندے کا کردار مصیبت کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے رسول مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت عالی سے لے کر قیامِ قیامت تک جو بھی سانس لیتا ہے وہ انسان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ آپ ﷺ کی غلامی کرے اور جو نہیں کرتا وہ کفر کرتا ہے۔ سو پوری انسانیت دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ ایک طرف مومن ہیں دوسری طرف کافر۔ کفر کی کئی اقسام ہیں مشرک ہیں، انکار کر دینے والے

ہیں،کوئی کسی درجے کا کافر ہے،کوئی کسی درجے کا۔منافق ان میں بدترین ہیں۔لیکن آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق کفر ایک ہی قوم ہے۔فرمایا الکفر ملة واحد او کماقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایک طرف شیطان کالشکر ہے حزب الشیطان اور دوسری طرف مومن ہیں جواللہ کی فوج ہیں۔یعنی حزب اللہ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴿۷۹﴾ اور آپ ﷺ کی صداقت پر اللہ ہی گواہ کافی ہے۔اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کی ذات عالی میں کئی معجزات رکھ دیئے۔آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کومعجزہ بنادیا۔ آپ ﷺ کا بچپن معجزہ،لڑکپن معجزہ، جوانی بے مثل معجزہ، آپ ﷺ کی نجابت وشرافت،صداقت وامانت آپ ﷺ کی بعثت معجزہ اور آپ ﷺ کو جو کتاب دی وہ عظیم الشان معجزہ ہے کہ ایک کتاب نے قیامت تک آنے والی پوری انسانیت کی رہنمائی کردی۔

قرآن کا یہ پیغام ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے اور یہ ہر زمانے کے لئے عام ہے۔اس آیت کی روشنی میں آج ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم کلمہ پڑھنے کے باوجود،سجدے ادا کرنے کے باوجود، کتابِ الٰہی کو پڑھنے کے باوجود،اس پر عمل کی بات کیوں نہیں کرتے۔دیکھنا تو یہی ہے کہ کون خلوص کے ساتھ اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں کوشاں ہے اور کون محروم ہے۔جو اس کے لئے کوشش بھی نہیں کر رہا اور جسے یہ کام یاد ہی نہیں۔اللہ ہر مسلمان کو یہ توفیق وہمت دے کہ وہ اپنی ہمت واستعداد کے مطابق قرآن کے نفاذ کی کوشش کرے۔کم از کم اپنے کردار کو تو اس سانچے میں ڈھالے۔

غلامی رسول ﷺ ہی اطاعت الٰہی ہے:

فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴿۸۰﴾ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔اس کا اللہ سے تعلق قائم ہو گیا۔وہ اتنا خوش نصیب ہے کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا،سونا جاگنا،کمانا خرچ کرنا کھانا پینا یہ سارے پروگرام اللہ کی طرف سے بن کر اسے مل گئے۔وہ کتنا بڑا آدمی بن گیا حالانکہ ہوسکتا ہے۔بظاہر وہ غریب ونادار ہو معاشرے میں کوئی اعلیٰ اور معروف مقام نہ رکھتا ہو لیکن وہ اللہ کے حکم پر سوتا ہو۔اسی کے حکم برداری میں اٹھتا ہو۔وہی کھاتا ہو، جسے اللہ حلال قرار دے۔اس سے رک جاتا ہو۔جسے اللہ حرام قرار دے۔وہ بات منہ سے نہ نکالتا ہو۔جسے اللہ نے منع کر دیا ہو جس کے دن رات اللہ سے تعلق اور اللہ سے محبت کے رشتے میں بندھے ہوں تو پھر بندے کے لئے عزت میں اس سے بڑا مقام ہی کوئی نہیں۔اللہ پاک فرمارہے ہیں ہر وہ شخص جسے حبیب کبریا ﷺ کی اطاعت نصیب ہوا سے اطاعتِ الٰہی کا اعلیٰ مقام نصیب ہے۔اور جو بدبخت نافرمانی کرتا ہے

وہ اتنا حقیر ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ سے فرمارہے ہیں **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴿۸۰﴾** ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ گویا اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ جو آپ ﷺ کی نافرمانی کرے، آپ ﷺ اس کی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔ آپ اسکے ذمہ دار نہیں ہیں اور یاد رکھو جن بدبختوں کی پرواہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کرنا چھوڑ دی انہیں اللہ بھی نہیں پوچھے گا۔ پھر ان کا کوئی بھی وارث نہیں اور سوائے جہنم کے ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ کو مالکِ حقیقی ماننے کے لئے انسان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اللہ کریم نے انسان کو ایک خاص استعداد بخشی ہے جو انسان کے علاوہ کسی مخلوق کو نہیں دی گئی۔ فرشتہ اگرچہ نوری مخلوق ہے۔ حاملین عرش اور حاملان وحی بہت معزز فرشتے ہیں۔ اللہ کے بہت مقرب ہیں۔ لیکن سب حکم کے تابع ہیں حاکم کے رُخِ پُر جلال کی طرف نظر اٹھانے کی انہیں جرأت نہیں۔ یہ استعداد صرف انسان کو بخشی گئی ہے اور انسان کو یہ عظیم دولت اور بہت بڑی امانت دے کر ایک آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے اور وہ آزمائش یہ ہے کہ یہ فیصلہ خود انسان پر چھوڑ دیا گیا کہ اسے معرفتِ باری حاصل کرنا ہے یا اپنے اعلیٰ وارفع مقام کو چھوڑ کر محض ضروریات زندگی کی بھاگ دوڑ کو ہی مقصد بنا کر آخرت کے مقابلے میں دنیا کی لمحاتی اور عارضی زندگی کو ہی نصب العین بنانا ہے۔ دنیا کی زندگی اگرچہ عارضی ہے لیکن اس میں اللہ کی بے پناہ نعمتیں ہیں۔ اس میں بے پناہ حسن ہے۔ بے پناہ لذتیں ہیں جو ساری ہی انسانی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہیں۔ انہیں استعمال کرنا نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق رہن سہن رکھنا ادائے شکر کے زمرے میں آتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں انسان کے استعمال کے لئے ہی بنائی گئی ہیں۔ لہٰذا دنیا کی نعمتیں استعمال کرنا کوئی برائی نہیں۔ البتہ آزمائش صرف اتنی ہے کہ کون اللہ کی کائنات کو اللہ کی اجازت سے اس کی ہدایات کے مطابق استعمال کرتا ہے؟ انسانیت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں سے استفادہ کرے اور ضرور کرے لیکن یہ سمجھ کر کرے کہ یہاں کی تمام نعمتیں اللہ کی ذاتی ملکیت ہیں۔ یہ ایک مہمان سرا ہے۔ ہم چند روز کے لئے اللہ کے مہمان خانے میں مقیم ہیں اور کسی مہمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ میزبان کے گھر میں توڑ پھوڑ کرے۔ چھینا جھپٹی کرے اور چیزیں خراب کرے۔ رب العالمین نے کائنات سجا کر ہمیں دی ہے اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم یہاں کی ہر چیز استعمال کریں۔ اچھا کھائیں۔ اچھا پہنیں لیکن مالک کو ناراض کر کے نہیں۔ چھینا جھپٹی کر کے نہیں۔ قرینے اور سلیقے سے کریں لیکن یہ قرینہ وسلیقہ ہمیں کیسے آئے؟ ہمیں کیا خبر اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کائنات کس کی ہے؟ کس نے اسے بنایا؟ کون اسے چلا رہا ہے؟ ساری

انسانیت کو یہ بات بتائی محمد رسول اللہ ﷺ نے۔ کائنات میں سچائی اور حقیقت ہمیشہ صرف انبیاء کرامؑ کے ذریعے مخلوق تک پہنچی ورنہ عقلاً بھی یہ تسلیم کرنا انسان کی مجبوری ہے کہ کائنات کا کوئی ایک مالک ہے۔ ہر مذہب کو کسی نہ کسی صورت ایک آخری طاقت ماننا پڑتی ہے جو خالق ہے، جو قادر ہے، جو کسی کا محتاج نہیں۔ خواہ کوئی لاکھوں بتوں کا پجاری ہو یا اس قوت کو زمانہ کہیں۔ فطرت کہیں یا دہر کہیں۔ نام کوئی بھی ہو سوال یہ ہے کہ بت کو، زمانے کو، فطرت کو، کس نے بنایا؟ فلاں کو فلاں نے بنایا اور اسے فلاں نے بنایا یہ تسلسل قائم رہتا ہے۔ آخر میں ایک ایسی ہستی ماننا پڑتی ہے۔ جس کو کسی نے نہیں بنایا اور سب کو اس نے بنایا۔ لیکن اس ماننے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ ماننا نہ اس کی ذات کے عین مطابق ہے، نہ اس کی صفات کے عین مطابق ہے ماننا صرف وہی مفید ہے اور وہی حق ہے جو اللہ کا بھیجا ہوا رسول علیہ السلام بتاتا ہے۔ اس لئے کہ رسول علیہ السلام مبعوث ہی اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ مخلوق کو وہ راز بتائے جو مخلوق اپنی ذہنی کاوش، علمی تحقیق اور اپنے ذاتی علوم سے نہیں جان سکتی۔ جس کے جاننے کی اس میں استعداد ہی نہیں۔ اسکے لئے وہ اللہ کے رسول علیہ السلام کا محتاج ہے یہ صرف اللہ کے رسول علیہ السلام کا مقام ہے کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں بتائیں اور آپ ﷺ کے فرائضِ نبوت میں سے ہے کہ وہ لوگوں کو یہ بتائیں کہ اللہ کی اس مہمان سرا میں رہنے کے، کھانے پینے کے اور چیزیں استعمال کرنے کے آداب اور قواعد وضوابط کیا ہیں؟ اسلام کے سارے ضابطے بہترین اور مکمل وکامل ترین ہیں۔ ہر پہلو سے رہنمائی دی گئی ہے۔ دنیا میں انسانوں کے بنائے ہوئے مالیاتی نظام موجود ہیں۔ ہر مالیاتی نظام چند اقدار پر استوار ہے۔ مثلاً دنیا کے کسی مالیاتی نظام میں چوری، ڈاکے، چھینا جھپٹی کی اجازت نہیں یعنی کمانے کے ذرائع متعین ہیں۔ اس کے بعد کمانے والے پر یہ فرض ہے۔ کہ وہ حکومت کو ٹیکس ادا کرے اور بس۔ کمانے والے کے پاس جو دولت ہے۔ وہ اس کی ذاتی ہے وہ اسے جیسے چاہے استعمال کرے۔ اس کو خرچ کرنے کے بارے میں دنیا کا کوئی مالیاتی نظام کوئی تدبیر نہیں بتاتا یہ صرف اور صرف اللہ کا دیا ہوا اسلام کا مالیاتی نظام ہے جو نہ صرف کمانے کے بہترین طریقے بتاتا ہے۔ جس میں کل انسانیت کا فائدہ ہے۔ بلکہ خرچ کرنے کے بارے میں بھی احکام عطا کرتا ہے، جس میں ہر فرد کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے کہ مال کو کس ترتیب سے کتنا خرچ کرنا ہے؟ کس طرح پس انداز کرنا ہے، اولاد کی بہتری کس میں ہے، یہ احکام عطا کر کے بندے کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ مال اسکے پاس اللہ کی امانت ہے۔ مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کوئی اللہ کے احکام بتا نہیں سکتا۔ لہٰذا کسی بھی انسان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے۔ **وَمَنْ تَوَلّٰى** جو روگردانی کرتا ہے آپ ﷺ کا حکم نہیں مانتا، آپ ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا۔ فرمایا **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ**

حَفِيۡظًا﴿۸۰﴾ آپ ﷺ کو ان کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

قرآنِ حکیم جب بات کرتا ہے تو بعثتِ نبوی ﷺ سے لیکر قیامِ قیامت تک تمام زمانوں کا احاطہ کر لیتا ہے:

اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ عہدِ رسالت پناہی میں کفار و مشرکین نے اعتراضات کئے۔ وہ بودے تھے یا بے اصل تھے لیکن ان کی بدقسمتی کہ وہ اعتراض کرتے ہی رہے۔ اس کے بعد کے ادوار میں بھی یہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ نورِ نبوت ﷺ روشنیاں بکھیرتا رہا اور کفر و شرک کی گھٹائیں بھی اُمڈ اُمڈ کر آتی رہیں اور نیکی بدی کا تسلسل چل رہا ہے۔ لیکن آج کا عہد بہت عجیب ہے۔ جو اعتراضات کبھی کفار و مشرکین کے لبوں پر آتے تھے آج وہ اعتراضات ہمارے دانشوروں اور اربابِ اختیار اور خود کو مسلمان کہلوانے والے حکمرانوں کی زبانوں پر ہیں۔ یہ لوگ وہی باتیں دہراتے ہیں جو کفار و مشرکین کہتے رہتے ہیں۔ آج کا عہد کتنا بدل گیا ہے اور کہاں پہنچ گیا ہے!

کلمہ اسلام پڑھ لینے اور اسلام کا اقرار کرنے کے بعد بات ختم ہو جاتی ہے۔ بندے کے پاس اختیار ہی نہیں کہ لاالـٰـہ الاالـلّٰـہ کہنے کے بعد اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنے کی کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور محمد رسول اللہ ﷺ کہنے کے بعد نافرمانی یا اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی تو یہ آج کی مسلمانی کیسی مسلمانی ہے اور یہ کون سا اسلام ہے؟ مشائخ اور اولیاء اللہ بارگاہِ نبوی ﷺ کے خادم خاص ہوتے ہیں اور برکاتِ نبوی ﷺ کی تقسیم کا سبب ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے عزت و احترام کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں سے بیعت لیتے ہیں تو یہ بات صاف کر دیا کرتے ہیں کہ اللہ کی طلب میں آؤ اور پھر طالب بن کر سیکھو اپنی رائے اور مرضی چھوڑ دو۔ جتنے سوال کرنے ہیں وہ بیعت ہونے سے پہلے کر لو۔ جو تحقیق کرنی ہے پہلے ہی کر لو۔ بیعت کے بعد صرف اطاعت رہ جائے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل کا ذکر ہے راولپنڈی کے مشہور عالم حافظ ریاض اشرفی صاحب تشریف لائے ان کے فقہی جوابات اس وقت کے اخباروں میں چھپا کرتے تھے۔ تعلیم یافتہ فقیہہ اور عالم تھے۔ خوبصورت اور پاک سیرت بزرگ تھے۔ وہ بیعت کی نیت سے نہیں آئے تھے۔ ایک عالم کی ملاقات کو حاضر ہوئے تھے۔ حضرتؒ سے کافی علمی سوال ہوئے۔ تصوف کے شعبے سے وہ واقف نہ تھے لیکن اس شعبے سے متعلق سیکھنے سکھانے کے حوالے سے ان کے کچھ علمی سوال تھے جو انہوں نے پیش کئے اور حضرت نے نہایت شفقت سے تسلی بخش طریقے سے جواب دیئے ان کی اتنی تسلی ہوئی کہ اسی محفل میں ہی انہوں نے بیعت ہونے کے لئے خود کو پیش کر دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا اشرفی صاحب اگر کچھ سوالات باقی ہوں تو وہ کر لیجئے۔ اسلئے کہ جب آپ بیعت کر لیں گے تو پھر آپ کے پاس صرف اطاعت کی بات رہ

جائے گی۔ پھر سوال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یعنی کچھ سمجھنے کے لئے تو سوال کرسکیں گے اعتراض کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تو اگر برکاتِ نبوی کے حصول کے لئے شیخ سے بیعت ہونے کے بعد اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی تو کلمہ پڑھنے اور اسلام کا دعویٰ کرنے اور مسلمان کہلانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے نظام پر اعتراض کی گنجائش کیا معنی رکھتی ہے؟

روگردانی کرنے والے اپنے انجام کو پہنچ گئے جو آج روگردانی کرے گا انجام بد کو پالے گا:

آج کا حکمران جب یہ کہتا ہے کہ اسلام کی سزائیں وحشیانہ ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے نبی ﷺ کے دیئے ہوئے نظام پر طنز کیا۔ یہ نظام نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ یہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔ اللہ پاک قرآن حکیم میں فرماتے ہیں وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿٣﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿٤﴾ (النجم) دین کے معاملے میں میرا رسول ﷺ اپنی پسند سے کچھ نہیں کہتا وہی ارشاد فرماتا ہے جو من جانب اللہ وحی کیا جاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا جس نے میرے رسول ﷺ کی اطاعت کی، فرمانبرداری کی فقد اطاع اللہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تو آج کے حکمرانوں کی یہ کون سی مسلمانی ہے کہ بندہ مسلمان بھی کہلاتا رہے اور اسے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض بھی ہو۔ ایسے حکمران ساٹھ سالوں سے اسی روش پر قائم ہیں۔ ملک تو اس بات پر بنا تھا کہ پاکستان میں کامل اطاعت ہوگی۔ اللہ کے سوا کسی کے آگے سر خم نہیں کیا جائے گا۔ ساٹھ برسوں سے ہمارے حکمرانوں کے سر دِر در پر جھک رہے ہیں۔ درَ درَ کی سجدہ ریزی ہو رہی ہے۔ اگر خالی ہے تو اللہ کی بارگاہ ہے۔ کوئی دین کو قدامت پسندی کہتا ہے۔ کوئی رجعت پسندی۔ کوئی دین کو تاریکی کا دور کہتا ہے۔ یہ وہی باتیں ہیں جو مشرکین و کفار پہلے کہہ چکے ہیں۔ اور جس دور کو یہ تاریک دور کہہ رہے ہیں وہ اسلام کا دور زریں ہے۔ اس زمانے میں معلوم دنیا کے تین حصوں پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس کا امیر مسجد نبوی کا امام ہوتا تھا۔ مسجد میں بیٹھ کر فرائض حکومت انجام دیتا تھا۔ وہ اتنا روشن دور تھا جس میں کفار کو بھی عدل و انصاف نصیب ہوتا تھا اور اس عہد کو یہ تاریکی اور پتھروں کا دور کہتے ہیں اور ان کے دور حکومت میں، مساجد میں بھی بندوق بردار کھڑے نہ کریں تو ادائیگی صلوٰۃ نہیں کر سکتے۔ یہ خوشحالی کا دور ہے!

ببیں تفاوت را از کجا است کجا

آج کے دور کو آج کے حکمران خوشحالی اور روشن خیالی کا دور کہتے ہیں۔ اس میں عزت محفوظ نہیں۔ کسی کا مال جان محفوظ نہیں۔ عدالت میں انصاف بولی لگا کر بکتا ہے۔

لیکن خیر یہ عہد بھی تمام ہوگا۔ لمحوں کی بات ہے۔ یہ وقت بیت جائے گا۔ دنیا ختم ہو جائے گی۔ حشر

قائم ہوگا۔ اللہ جل جلالہٗ کی ذات ہوگی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم روبرو ہوں گے۔ بارگاہِ الٰہی ہوگی۔ حکمران و بادشاہ، امیر وفقیر، مزدور وآجر سب ہی ہوں گے۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہوجائے گا اور پتہ چل جائے گا کہ روشن زمانہ کون سا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو فرمان موجود ہے **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** کہ دنیا پر بڑے زمانے گزرے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کتنے زمانے گزر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عالیٰ سے لے کر قیامت تک کتنے زمانے گزریں گے۔ فرمایا ان سارے زمانوں میں بہترین زمانہ میرا ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز تھے۔ اب اگر کوئی بدبخت کہے کہ وہ زمانہ جاہلیت تھا تو ایسوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا **وَمَنْ تَوَلّٰى** جو روگردانی کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانتا۔ **فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾** آپ ایسے لوگوں کے محافظ ونگران نہیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کرتا ہے وہ کر کے دیکھ لے اس کا انجام کیا ہوگا۔

طاقت اور اقتدار کے نشے میں چور امریکی صدر کی دوستی پر فخر کرنے والے ہمارے ملک کے سربراہ جو بے ضمیری کو روشن خیالی کہتے ہیں۔ انہیں اللہ کیسے رسوا کرے گا۔ جنہیں **خیر القرون** (معاذ اللہ) تاریک نظر آتا ہے اور اپنا دور روشن نظر آتا ہے۔ اس دور میں وہ ملک کے سربراہ ہیں۔ لیکن پریذیڈنٹ ہاؤس میں اس گیدڑ کی طرح چھپ کر بیٹھے ہیں جسے کُتے گھیر لیں تو وہ غار میں پناہ لے لیتا ہے۔ اللہ کے انتقام بڑے سخت ہوتے ہیں۔ ملک کا سربراہ ہے اس کا دوست امریکی صدر بھی موجود ہے۔ اس کی افواج اور طاقت بھی موجود ہے اور صدر صاحب گیدڑ کی طرح اندر گھسے بیٹھے ہیں۔ کہاں گیا وہ کروفر کیوں باہر نہیں نکلتے؟ کیوں کسی ٹی وی کیمرے کے سامنے نہیں آتے؟ کسی اخبار نویس سے نہیں ملتے۔ کیا شرمندگی ہے؟ باہر نکلو اور دیکھو پورا ملک لعنت بھیج رہا ہے کوئی ایک اچھائی دامن میں ہے تو باہر آکر بتاؤ۔ دیکھو اللہ کیسے رسوا کرتا ہے! آپ قصرِ صدارت سے نکل جاتے۔ قید ہوجاتے۔ لوگ طعن تشنیع کرتے تو اور بات تھی لیکن وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اس نے کہا صدر پاکستان بھی کہلاؤ لیکن ہر پاکستانی تم پر لعنت بھی برسائے۔ یہ ہیں تمہاری روشن خیالی کے پھل جو آج تمہیں نصیب ہورہے ہیں وہ دن یاد کرو جب کراچی میں قتل عام ہوا تھا اور اس دن تم نے دونوں بازو اٹھا کر مٹھیاں بھینچ کر کہا تھا یہ عوامی طاقت کا مظاہرہ ہے۔ آج وہ عوامی طاقت کہاں ہے؟ مدرسے میں پڑھنے والے اندھے اور یتیم بچوں پر بم برسا کر تم نے کہا تھا۔ میں نے انہیں مارا ہے۔ ہزاروں یتیم بچیاں جو قرآن وتفسیر پڑھ رہی تھیں انہیں لال مسجد میں فاسفورس سے زندہ جلا دیا گیا اور وہ معرکہ سر کیا۔ آج بھی طاقت تمہارے پاس ہے لیکن ہر شخص تم پر لعنت برسا رہا ہے۔ لیکن آج تم صدر ہو اور اسی ملک کے میڈیا پر تمہارے

خلاف طنز ہوتا ہے۔ کہاں گئی وہ اکڑفوں؟ اور یہ تو ابتداء ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا! اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (البروج آیت 12) جب وہ پکڑتا ہے تو اس کی گرفت بڑی شدید ہوتی ہے۔ وہ بدبخت جو حضور ﷺ سے روگردانی کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک اتنا حقیر ہے کہ اللہ اپنے حبیب پاک ﷺ سے فرما رہے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یاد رکھو! جن بدبختوں کی پرواہ کرنا محمد رسول اللہ ﷺ نے چھوڑ دی انہیں اللہ بھی نہیں پوچھے گا اور جہنم کے سوا ان کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہوگا۔

قرآن حکیم ہر زمانے کے لئے ہے۔ لہٰذا یہ تمام زمانوں کے مسائل کو زیر بحث لاتا ہے اور قیامت تک زمانوں کی بات کا احاطہ کرتا ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۚ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

آپ ﷺ کے ارشادات سننے والا ایک طبقۂ منافقین بھی ہے۔ جب وہ ارشادِ پاک سنتے ہیں تو کہتے ہیں جی ہمیں دل و جان سے منظور ہے۔ ہمارا تو کام ہی اطاعت کرنا ہے۔ **فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ** لیکن جب باہر جاتے ہیں تو وہ کرتے ہیں جو اِن کے کہے کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ بات تو مدینہ منورہ کے منافقین کی ہو رہی ہے۔ لیکن یوں نظر آتا ہے جیسے اللہ کریم ہماری بات کر رہے ہیں۔ آج کی بات کر رہے ہیں۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جو اذان سنتے ہیں لیکن صلوٰۃ ادا کرنے کے لئے نہیں اٹھتے۔ کتنے ہیں جو احکام الٰہی جانتے ہیں مان کر نہیں دیتے۔ بات تو وہی بن گئی کہ جیسے وہ منافق کہتے تھے کہ حکم مانیں گے لیکن مانتے نہیں تھے۔ اس رویے کا نتیجہ آگے بیان ہو رہا ہے۔ **وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ** اللہ کے ہاں ان کے تمام اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ ایک ایک سوچ، قول، خیال و عمل لکھا جا رہا ہے۔ سب کچھ شمار ہو رہا ہے اللہ کے فرشتے لکھتے ہیں۔ جو کچھ یہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** سو آپ ﷺ ان سے اعراض کیجئے۔ ان سے اپنا رُخِ انور پھیر لیجئے۔ انہیں کسی شمار قطار میں ہی نہ لائیں۔ انکی پرواہ کرنا چھوڑ دیں۔ **وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ** آپ ﷺ اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ یہ آیات کریمہ جب نازل ہوئیں تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ چند جانثار تھے۔ روئے زمین پر کفر چھایا ہوا تھا۔ قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی طاقتیں تھیں۔ ہر ملک پر حکمران تھے۔ افواج تھیں اور کہیں بھی اسلام کا نام نہیں تھا۔ اللہ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ پوری دنیائے کفر ان چند جانفروشوں پر جھپٹ رہی تھی۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کو ایک ایک بندے کی ضرورت تھی۔ لیکن ان حالات میں اللہ نے فرمادیا کہ ایسے لوگوں کی اسلام میں گنجائش

نہیں۔ فرمایا جو آپ ﷺ کی غلامی کا حق ادا نہیں کرتا۔ آپ ﷺ اس کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ رخ انور پھیر لیجئے اور **تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ** مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں کائنات کا مالک ہوں۔ آپ ﷺ کے ساتھ ہوں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ **وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾** اللہ خود کافی ہے۔ سارے کاموں کے لئے وہ بہت کارساز ہے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ چند صحرا نشین جن کے قلوب نورِ مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہوئے تھے۔ انہوں نے روئے زمین پر اللہ کی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور کفر کی بڑی بڑی طاقتیں ذلیل ورسوا ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگتی نظر آئیں۔ اللہ کے ان بندوں کے پاس کیا تھا؟ ان کے پاس اللہ تھا۔ اللہ کا ساتھ بھی تھا۔ آج ہم پر کفر کی دہشت چھا گئی ہے اور ہم ان سے مرعوب ہوتے ہیں۔ حکمران ہی نہیں عوام بھی ان جیسے حلیئے میں نظر آنے والوں کی عزت کرتے ہیں اور عام دیہاتی حلیئے میں نظر آنے والے کو ویسا قابل عزت نہیں سمجھتے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہمارے ساتھ اللہ نہیں ہے۔ ہم اللہ کیساتھ نہیں ہیں۔ تو اللہ کو کیا ضرورت ہے ہمارے ساتھ ہونے کی اگر کوئی اللہ کی پناہ میں نہیں آنا چاہتا تو اللہ محتاج نہیں ہے کہ پھر اس کے پیچھے بھاگتا پھرے۔

اللہ کی پناہ میں آنے کا ایک ہی راستہ ہے:

غلامی کر لو محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لو۔ آقائے نامدار ﷺ کی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کر لی وہ اطاعت الٰہی کے دائرے میں آ گیا۔ اب اسے حفاظت الٰہیہ نصیب ہے۔ اب اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کے سارے کاموں کے لئے بہترین کارساز ہے۔ ذاتی زندگی میں گھریلو، خاندانی زندگی میں، قومی اور بین الاقوامی زندگی میں، معزز اور کامیاب وہی لوگ ہیں جو آج اس دنیا میں محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ زندگی کی مہلت ہے اور فیصلہ بندے نے خود کرنا ہے اور فیصلہ صرف اتنا سا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنی ہے یا نہیں کرنی۔ اطاعت کر لی تو دونوں جہان تمہارے ہیں اور نہیں کرنی تو ذلت ورسوائی کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اللہ ہمیں حضور ﷺ کا غلام بننے کی توفیق عطا کرے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

تدبر قرآن کا نتیجہ توفیقِ اطاعتِ رسول اللہ ﷺ:

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے! اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں اختلاف پاتے۔ جو لوگ نبی اکرم ﷺ کا اتباع نہیں کرتے وہ بظاہر مسلمان لیکن دلوں میں شبہات پالنے والے ہیں۔ کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ غور نہیں کرتے کہ پوری کائنات کے ہر مسئلے کا حل کلام الٰہی کے سوا کہیں اور نہیں۔

دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کا اتباع تو کرتا ہے۔ شکم مادر سے علم لے کر کوئی پیدا نہیں ہوتا۔ دنیا میں آ کر دیکھتا ہے۔ گھر کے ماحول، معاشرے، اساتذہ سے سیکھتا ہے۔ پھر اپنی زندگی کے لئے اپنے نظریات و کردار کا فیصلہ کرتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے جو تعلیم دی اس کی بنیاد اللہ کی کتاب ہے۔ جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جس میں تمام انسانیت کے لئے ہر زمانے کے لئے، ناقابل تغیر اصول و قوانین دے دیئے گئے ہیں۔

انسانوں کے ترتیب دیئے ہوئے علوم اور مضامین اصول اور قواعد، سائنسی مشاہدات و تحقیقات سب میں اختلافات موجود رہتے ہیں۔ چند تجربات کے بعد سائنس ایک کلیہ بناتی ہے لیکن بعد کے تجربات اور تحقیقات اسے رد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ماہر قانون دان جمع ہو کر قوانین بناتے ہیں۔ لیکن جب ان کے عملی نفاذ کی باری آتی ہے تو اس پر عملدرآمد کے لئے کئی ترامیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے یا بعض قوانین نئے سرے سے مرتب کرنا پڑتے ہیں۔ لوگوں کے بنائے ہوئے ضابطے اسی طرح غلطیوں اور کئی کمیوں کے باعث بدلنے پڑتے ہیں اور وہی لوگ پہلے والے قاعدوں ضابطوں کو غلط کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ جو آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتے، منافقت کرتے ہیں۔ جنہوں نے قرآن میں کبھی تدبر نہیں کیا، کبھی غور نہیں کیا۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ اگر یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا تو بے پناہ اختلافات ہوتے لیکن یہ تو ایسی کتاب ہے جو صحرائے عرب میں نازل ہوئی۔ جس کو سب سے پہلے سننے اور سمجھنے والے صحرانشین تھے۔ جو نہ اہل مغرب سے واقف تھے۔ نہ اہل مشرق سے نہ شمالی علاقوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ نہ دور دراز کے جنوبی علاقوں سے واقف تھے۔ ان لوگوں کو اللہ نے عظمت بخشی کہ برکاتِ نبوت ﷺ کو لے کر انہوں نے روئے زمین پر تقسیم فرما دیا۔ حالانکہ ان کی سواری کے وسائل بھی وہی اونٹ، گھوڑے ہی تھے۔ دور دراز سفر کر کے جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے اور یہ کمال ہے اس کتاب کا کہ اس میں مشرق و مغرب شمال و جنوب کی تمام انسانیت کے لئے عقیدے اور نظریے سے لے کر عمل و کردار تک تمام قاعدے اور ضابطے سمو دیئے گئے اور تمام انسانیت نے اپنے لئے زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل پا لیا۔

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جتنے انبیاءؑ بھی مبعوث ہوئے۔ جو صحیفے اور کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ وحی الٰہی تھی۔ اس میں اس قوم کے لئے احکامات و قوانین تھے جن کی طرف نبیؑ مبعوث ہوئے اور وہ قوانین وقتی ہوتے تھے۔ خاص علاقے اور ماحول کے لئے سازگار اور بہترین ہوتے لیکن دوسرے علاقے اور ان کے نبی علیہ السلام سے مختلف ہوتے۔ ہاں عقائد آدمؑ سے لے کر حضور نبی کریم ﷺ تک وہی رہے جو پہلے روز

نازل ہوئے تھے۔ ذاتِ باری، صفات باری، آخرت، حشر نشر، جنت، دوزخ، ملائکہ کے بارے میں تمام باتیں عقائد ہیں اور عقائد خبر ہے۔ خبر کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ اگر خبر تبدیل ہو تو یا پہلی خبر غلط ٹھہرے گی یا بعد میں آنے والی خبر۔ لہٰذا عقائد و نظریات تمام انبیاءؑ کی تعلیمات میں ایک ہی رہے۔ جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو ہر قوم کو اس کی استعدادِ قوت کار اور حالات کے مطابق علم دیا گیا۔ آقائے نامدار ﷺ تو ساری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کو ضابطے بھی ایسے عطا فرمائے گئے جو قیامت تک کی ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے ہیں اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ حضور ﷺ تو کبھی جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف ہی نہیں لے گئے۔ آپ ﷺ قوموں کے حالات اور ان کی استعداد کار سے واقف نہیں تھے لیکن تمام انسانوں کے لئے ایسے قوانین اور ضابطے دیئے جن میں نہ کسی ترمیم کی ضرورت پیش آئی نہ ان میں سے کوئی ختم ہوگا۔ قیامت تک کے لئے وہی اصول ہیں۔ اور اگر یہ ضابطے اللہ کے بنائے ہوئے نہ ہوتے۔ کسی انسان کے بنائے ہوئے ہوتے تو یقیناً اختلافات ہوتے۔ قرآن حکیم تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ یہ اتنی مختصری کتاب ہے جسے ایک بچہ حفظ کر لیتا ہے۔ عام آدمی پڑھ لیتا ہے۔ سمجھ لیتا ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق علوم ہیں۔ کائنات بھر کے علوم یکجا ہیں۔ ستاروں، سیاروں، بادل، بارش، زمین، نباتات، جمادات وحیوانات، تخلیقات باری انسان اور اس کے وجود عقل وروح سب ہی باتیں اس میں زیر بحث ہیں۔ لیکن کہیں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ لیکن کچھ ایسے بد بخت ہیں جنہیں اطاعتِ پیغمبر ﷺ نصیب نہیں ہوتی اور یہ ایسے عجیب کردار کے حامل ہیں کہ ان کا ہر عمل لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

بندہ مومن اور منافق کا فرق:

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ انہیں کہیں سے ذراسی خبر مل جائے تو اسے لے کر نشر کر دیتے ہیں۔ وہ خبر امن کی ہو یا خوف کی۔ کسی لشکر کی آمد کی ہو یا کسی دوست کی تو بجائے اس کے کہ وہ یہ خبر بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کریں وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قاعدہ تو یہ تھا **وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ** کہ جس نبی ﷺ نے دو جہانوں کی خبر دی۔ جس نے اللہ کی کتاب دی۔ اس کی بارگاہ میں عرض کرتے۔ اگر وہ واقعی سچی خبر ہوتی تو نقصان دہ خبر کا تدارک ہو جاتا۔ اچھی خبر ہوتی تو اس کی تصدیق ہو جاتی۔ یہاں بندہ مومن اور منافق کا فرق بتایا گیا ہے کہ بندہ مومن کے پاس جب کوئی خبر پہنچتی ہے تو

وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتا ہے اور منافقین کو جب کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے لوگوں میں مشہور کر دیتے ہیں۔ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ قاعدہ تو یہ ہے کہ کسی ذمہ دار حاکم کو بتائے جو مسلمانوں میں سے ہو جو امیر المومنین ہو اس کے پاس عرض کرتے۔ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ جو لوگ محقق ہوں وہ اس کی تحقیق کر لیتے اور عام آدمی پریشان نہ ہوتا۔ جب یہ خبر پھیلا دیتے ہیں تو سوائے عامۃ الناس کو پریشان کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ منافقین کا ہے۔ اگر چہ عوام کو پریشان کرنے کا یہ طریقہ آج کل ہمارے حکمرانوں نے اپنا رکھا ہے۔ آئے روز نت نئے اعلانات کرتے رہتے ہیں تاکہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے وقتی طور پر ہٹائی جا سکے اور عوام اپنے مسائل میں ہی اتنے گھرے رہیں کہ عوام ان سے کوئی سوال ہی نہ کرے۔ یہ طریقہ کار منافقین کا ہے۔ مومن کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس کے پاس اگر کوئی خبر پہنچے تو وہ اس کو ذمہ دار ہستی تک پہنچا دیتا ہے۔ جو ان کے فیصلے کرنے کی مجاز ہے۔ اور مومنوں کے فیصلے کرنے کے مجاز وہ لوگ ہوتے ہیں جو انہیں میں سے امیر بنائے جاتے ہیں۔

وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ اور اگر اللہ تم پر کرم نہ فرماتا اور تم دامنِ رسالت کو نہ تھامتے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کی بعثت سارے جہانوں کے لئے اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء آیت 107) کہ اللہ نے حضور ﷺ کو رحمۃ العالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے تو جس جس نے دامانِ رسالت کو تھاما اس پر اللہ کا کرم ہو گیا۔ اللہ کی رحمت ہو گئی اگر یہ دامانِ رحمت نہ ہوتا۔ اگر اللہ کی رحمت نصیب نہ ہوتی۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا۔ تو تمہاری اکثریت تو شیطان کی ہی پیروکار ہوتی۔ اِلَّا قَلِيْلًا سوائے چند خوش نصیبوں کے اور وہ خوش نصیب وہی ہیں جنہوں نے دامانِ رحمت کو تھام لیا اور یہی فیصلہ کن بات قرآن نے بتائی ہے کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں کوئی بھی شخص دامانِ رحمت للعلمین کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ دو ہی تو راستے ہیں ایک راستہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ہے اور اس کے خلاف جتنے راستے ہیں وہ سب ایک ہی سمت کو جاتے ہیں جو شیطان کی پیروی کا راستہ ہے۔ تو فرمایا اے میرے حبیب ﷺ آپ ایسے لوگوں کی پرواہ نہ کریں جن کے نصیب میں آپ کی غلامی نہیں ہے۔ انہیں آپ کوئی اہمیت نہ دیں اور فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ آپ اللہ کی راہ میں قتال کریں۔ احقاقِ حق کے لئے، باطل کو باطل ثابت کرنے کے لئے، ظلم کو روکنے کے لئے، قیامِ امن کے لئے، اللہ کی مخلوق کو، غیر اللہ کی خدائی سے چھڑانے کے لئے، انسانوں کے گلے سے انسانوں کے ڈالے ہوئے طوق کاٹنے کے لئے، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فرمائیے۔ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ دوسرے لوگوں کی طرف سے آپ جوابدہ نہیں ہیں۔ آپ ظلم کے خلاف فیصلہ فرمائیں اور پوری جانفشانی سے اس پر ڈٹ جائیں اور جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامانِ رحمت تھاما ہے، جو مومن کہلاتے ہیں وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ انہیں ترغیب دیجئے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جانوں کے نذرانے پیش کریں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مشرکین و کفار مدینۃ النبی اور اسلام کو ختم کرنے کے جو بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں اللہ انہیں اس کی توفیق نہیں دے گا۔ وہ قادر ہے وہ کافروں کا زور توڑ دے گا۔ ان میں وہ قوت نہیں رہے گی۔ وہ مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس لئے کہ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ اللہ جل شانہ جب کسی کی حمایت کرتا ہے۔ کسی کو فتح دینا چاہتا ہے تو اس کے مقابلے میں کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے اور ایسوں پر سخت سزا مسلط کر دی جاتی ہے۔

اس آیت کے آئینے میں ہماری قومی حالت:

ہمیں ایک مغالطہ لگ گیا ہے کہ ان آیات کا اطلاق عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین اور کفار پر ہوتا ہے جس میں مومنین کو بشارت اور کفار کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ لیکن اصول یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول بے شک خاص ہوا سکا حکم عام ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ہے اور ساری انسانیت کے لئے ہے۔ قرآن حکیم آج ہمیں مخاطب کر کے فرما رہا ہے اگر تم لوگ قرآن پر عمل پیرا ہو گے اور دامانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامے رہو گے۔ حق کو ثابت کرنے اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا جذبہ جاں سپاری تم میں موجود ہو گا تو اللہ قادر ہے کہ کافروں کی قوت توڑ دے اور تمہاری مدد فرمائے۔ لیکن اگر تم نے دامانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پناہی کو چھوڑ دیا تو یاد رکھو تم اللہ کے عذاب کی زد میں آجاؤ گے۔ اس آیت کو آئینہ بنا کر خود کو اگر ہم دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ اشیائے ضرورت مہنگی ہو کر عوام کی رسائی سے باہر ہو گئیں۔ غریب کا بچہ غذا کو ترستا رہا اور امراء کے کُتے اعلیٰ غذائیں کھاتے رہے۔ ہم اللہ کی نافرمانی پر کمربستہ رہے اور بڑھتے بڑھتے اب عذاب کی صورت یہ بن چکی ہے کہ جس کے پاس رقم موجود ہے اسے اشیائے ضرورت نہیں ملتیں۔ گاڑی ہے، رقم پاس ہے، تیل نہیں ملتا۔ رقم موجود ہے آٹا نہیں ملتا، سرمایہ موجود ہے چیزیں نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ یہ عذابِ الٰہی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ سب چیزیں انسانی اعمال کے اثرات ہیں کہ عذابِ الٰہی کا بنیادی سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔ یہاں معاملہ اتنا نازک ہے کہ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا جب کوئی کسی کو اچھا مشورہ دیتا ہے۔ نیکی کی ترغیب دیتا ہے تو جو شخص اس کے مشورے پر عمل کرے۔ نیکی کرنے والے کو اجر ملتا ہے اور نیک مشورہ دینے والے کو بھی اجر

ملتا ہے اور اسی طرح یہ بھی کہ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ جو کوئی برائی کرنے کا مشورہ دیتا ہے خود تو نافرمان ہے ہی دوسرے کو بھی بارگاہ رسالت کی نافرمانی پر اکساتا ہے تو اسے برائی کرنے والے کے عذاب میں سے حصہ نصیب ہوتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے پاس ہر چیز کا حساب ہے۔ ہر شخص کے ہر عمل کا نتیجہ یقیناً ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے اور اس کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں۔

سلام کہنے کے آداب:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرے یا پاس سے گزرے تو جو کلمہ خیر وہ کہے اس کا جواب کلمہ خیر میں اضافے کے ساتھ دینا چاہئے۔ اسلام نے السلام علیکم کی صورت میں بہت خوبصورت دعائیہ کلمہ تعلیم فرمایا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن سے بوقت ملاقات اللہ کی سلامتی کی دعا دیتا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ حسن اخلاق یہ ہے کہ جب کوئی السلام علیکم کہے تو اسے مشروع طور پر بڑھا کر اس کا جواب دو۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیؓ حاضر ہوئے اور السلام علیکم عرض کر کے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ دوسرے صحابیؓ حاضر ہوئے اور اسی طرح سلام عرض کر کے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اسی طرح اضافہ کر کے کلمہ خیر فرمایا۔ تیسرے صحابیؓ نے ان ساری دعاؤں کے ساتھ سلام عرض کیا یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ ﷺ نے فرمایا وعلیکم السلام اور تم پر بھی۔ انہوں نے عرض کیا حضور ﷺ آپ نے مجھ سے پہلے دونوں صحابہؓ کو ان کے سلام کے جواب میں اضافہ فرما کر دعا دی اور مجھ پر سلام لوٹا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے میرے لئے کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ تم نے تمام مسنون دعائیں خود ہی پڑھ لیں۔ مجھ پر بھیج دیں۔ میں نے وہ ساری تم پر لوٹا دیں۔

اس واقعے کو سند بنا کر فقہا فرماتے ہیں مسنون اور مشروع یہی ہے کہ السلام علیکم کہا جائے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اس سے زیادہ لمبا نہ کیا جائے۔ یہ ضرور ہے کہ مومن کا جب بھی ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو خواہ وہ ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے بھی نہ ہوں تب بھی السلام علیکم اور وعلیکم السلام کا تبادلہ ضرور کریں۔

اسلام ہر پہلو سے سلامتی چاہتا ہے:

اسلام سلامتی کا دین ہے اور ہر پہلو سے سلامتی چاہتا ہے۔ عقیدے کی سلامتی، فکر و سوچ کی سلامتی،

عمل و کردار کی سلامتی اور ان سب کے لئے اسوۂ نبی ﷺ ہی کو اپنانا سلامتی کو پانا ہے۔ ان تمام نعمتوں کو عام کرنے کے بعد اللہ اپنی نعمتوں کا حساب بھی لے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کریم ہر جملے اور ہر لفظ کا حساب لے گا۔ لہٰذا کام کرتے وقت، سوچتے وقت، زبان کھولتے وقت، ہاتھ پاؤں استعمال کرتے وقت، اس طرف بھی توجہ کرلو کہ جو کرنے چلے ہو کل میدانِ حشر میں اس کا جواب بھی دینا ہوگا۔

ایک بزرگ سے کسی شخص نے عرض کیا کہ اصلاحِ احوال کے لئے کچھ طریقہ نصیحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا بیدار ہونے سے لے کر سونے تک جو کچھ کہو اور جو کرو وہ سب ایک جگہ لکھتے جانا۔ سونے سے پہلے اسے خود پڑھنا کہ یہ سب کچھ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اسے رب کریم دیکھیں گے۔ اچھائی پر اجر عطا فرمائیں گے اور غلطی پر باز پرس ہوگی۔ انہوں نے فرمایا تم نے اگر ایک دن خلوص سے اسے دیکھ لیا تو عمر بھر کے لئے تمہاری اصلاح ہو جائے گی۔

اسی فکر کو ان آیات میں بیدار کیا جارہا ہے کہ بندے کے ہر جملے کا اور ہر عمل کا حساب ہوگا۔ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ یہ طے شدہ بات ہے کہ صرف اللہ جل شانہٗ کی یہ شان ہے کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے یہ حق صرف اللہ کا ہے اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں کہ اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں اس کی اطاعت کی جائے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا رئیس ہو، سردار ہو، طاقتور ہو، یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے مقابلے میں ان میں سے کسی کی بات مانی جائے بلکہ اصول یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی اور صرف اللہ کریم کی اطاعت کی جائے گی۔ اس لئے کہ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اللہ ہی وحدہٗ لاشریک ہے جو تمہیں میدانِ حشر میں جمع کریگا اور اس میں کسی شبے کی گنجائش بھی نہیں۔ اس کو اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کی بدنصیبی ہے۔ کسی کو اس میں شک و شبہ ہے تو اس کی بدبختی ہے ورنہ اس حقیقت میں تو شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور ساری مخلوق کو وہی وحدہٗ لاشریک وہاں جمع کرے گا اور اس کی بارگاہ میں سب کو حساب دینا پڑے گا۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات کون کرے گا۔ وہ خالق ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق۔ وہ سب پر قادر ہے نہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ کسی کا خطرہ۔ وہ عظیم و اعلیٰ مخلوق کی رسائی سے بلند ہے۔ وہ اصدق الصادقین۔ وہ ذات باری تعالیٰ جو فرماتا ہے وہ اتنا بڑا سچ ہے کہ جسے جھٹلانے والا اپنے آپ کو تباہ کرلیتا ہے۔ اللہ کا فرمان ایسی حقیقت ہے جو جھٹلائی نہیں جاسکتی۔

سورۃ النساء آیات 88 تا 91 رکوع 12

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ

يَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقوں کے باب میں تم دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو الٹا پھیر دیا انکے (بد) عمل کے سبب۔ کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اُس کیلئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے ﴿۸۸﴾ وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہو جاؤ سو ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑ و اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ ﴿۸۹﴾ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو کہ ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہے یا خود تمہارے پاس اس حالت سے آئیں کہ انکا دل تمہارے ساتھ اور نیز اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے تنگ ہوتا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی ﴿۹۰﴾ بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں جب کبھی ان کو شرارت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو وہ اس میں جا گرتے ہیں سو یہ لوگ اگر تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو اُن پر صاف حجت دی ہے۔ ﴿۹۱﴾

کفار و منافقین کے ساتھ تعلقات میں رواداری کی ایک حد ہے:

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

فرمایا مسلمانوں کو منافقین کے بارے دو رائے نہیں رکھنی چاہئے۔ کچھ لوگ رواداری کی اس حد تک چلے جاتے ہیں۔ کفار و مشرکین کے ساتھ ایسے تعلقات قائم کر لیتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں لیکن اس کا جواز وہ یہ دیتے ہیں کہ ان کے اس رویے سے شاید وہ بھی مسلمان ہو جائیں۔

ان آیات میں منافقین کی حقیقت کھول دی گئی ہے کہ کفر اور نفاق کسی جہالت، لاعلمی یا غلطی کی بناء پر نہیں یہ انسانوں کی نیت، ارادہ اور جان بوجھ کر اپنائے گئے اعمالِ بد کے نتیجے کے طور پر بطورِ سزا اللہ کی طرف سے مسلط ہوتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ایک شخص دل سے اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے۔ دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ دل سے نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرنا چاہتا ہے اور پھر اتفاقاً منافق ہو جاتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ بلکہ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ کفر اور نفاق میں مبتلا ہونا اللہ کی طرف سے وہ بہت بڑی سزا ہے جو اس کے کردار کے بدلے دنیا میں اسے دی گئی ہے۔

کفار و منافقین کے ساتھ تعلقات رکھنے کی حدود مقرر ہیں۔ تفصیل کا موقع تو نہیں لیکن ایک اصول عرض کردوں کہ دنیوی معاملات میں کافر سے اتنا معاملہ کیا جا سکتا ہے جہاں دین پر زد نہ آتی ہو لیکن کافر کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جائز نہیں جہاں دین کا نقصان ہوتا ہے۔ آج ہم نے کفار سے نئی روشنی خریدی ہمیں اس سے کیا ملا بہو بیٹیوں کو بے پردہ کیا۔ پھر ان سے گانے سنے۔ رقص کروائے اور بیٹھ کر تماشا دیکھا۔ یہ وہ روشنی ہے جو کفار و منافقین سے ایسے تعلقات قائم کرنے سے آئی جن کی شرعاً ممانعت تھی۔ کسی نے کہا تھا

''اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں''

یہ روشنی تو اندھیرے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ دینی اقدار تباہ ہوئیں۔ سو کفار سے معاملہ اتنا ہی کیا جا سکتا ہے جس کا اثر دینی اقدار پر نہ پڑے۔ مثلاً غیر مسلم دکاندار سے خرید و فروخت کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ مسلمان مزدور کافر کے ہاں ملازمت کر سکتا ہے۔ یہ وہ معاملات ہیں جن سے دل متاثر نہیں ہوتا لیکن ایسی دوستی جس سے کفار کی عادات، رسومات اور ان کا کردار مسلمان اپنانے لگے وہ شرعاً حرام ہے۔ لہٰذا وہ لوگ جو یہ سمجھ کر دلی دوستی کرتے ہیں کہ ایسا کرنے سے شاید یہ بھی مسلمان ہو جائیں تو اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ

تو اپنے کفر و نفاق کے باعث پہلے ہی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔تم ان سے اللہ کا عذاب کیسے ہٹا سکتے ہو۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ جس کو اللہ نے اس کے اعمالِ بد کے سبب گمراہ کر دیا کیا تم اسے ہدایت دے دو گے؟ اگر اس میں صلاحیت ہوتی تو اللہ اسے نفاق و کفر کی سزا نہ دیتا۔ تمہارے ذمے تو یہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے اللہ کا دین پیش کرو۔ احکامِ الٰہی، احادیث مبارکہ سے بیان کرو اور غیر محدود کر کے پوری دنیا کے لئے بیان کرو۔ جس کسی کے دل میں اللہ کی طرف پلٹنے کا احساس پیدا ہوگا اسے توبہ نصیب ہوگی۔ وہ اللہ کے حضور توبہ کرے گا۔ تو اللہ کریم اسے ہدایت دیں گے۔ تم کفار و منافقین سے غیر مشروع تعلقات رکھ کر، کافر کا کردار اپنا کر اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔ اس کا کچھ سنوار نہیں سکو گے۔ یاد رکھو! وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ جس کی بات اللہ سے بگڑ جائے، جس سے ایسا جرم سرزد ہو جائے، جس کے بدلے اس سے نورِ ہدایت چھن جائے، جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی شخص راستہ نہیں بنا سکتا۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا اور کفار جن سے تم بھلائی کی امید لئے پھرتے ہو۔ وہ تو یہ آرزو کرتے ہیں کہ جسطرح وہ کفر میں مبتلا ہیں تم بھی دین چھوڑ کر ان جیسے ہو جاؤ۔ تمہیں تو یہ غلط فہمی ہے کہ تمہاری دوستی سے ان کی اصلاح ہو جائے گی اور انہیں یہ امید ہے کہ تم ان سے دوستی کرو تو وہ تمہیں بھی کفر میں کھینچ لیں تا کہ جس گمراہی کی دلدل میں وہ خود ہیں تمہیں بھی وہاں پہنچا کر رہیں۔ فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً وہ تو تمہیں اپنے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں لیکن مومن کو اپنے نبی پاک ﷺ کے طور اطوار چھوڑ کر کافروں کا کردار اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ کافروں کے ساتھ تو تم بھول کر بھی دلی دوستی نہ کرو۔ مومن کا دل تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پرتو جمال کا آئینہ ہوتا ہے اور کافر کا دل کفر کی ظلمت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ان دلوں میں دوستی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مومن اپنے دل میں کافر کو جگہ دے گا تو کیا اس کے ساتھ اس کا کفر نہیں آئے گا؟ سو کافروں کیساتھ دلی دوستی مت رکھو۔ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ہاں کوئی کافر ہجرت کر جائے، اسلام میں داخل ہو جائے، اسلام قبول کر لے، تو پھر وہ تمہارے لئے قابلِ احترام ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اسلام سے انکار کرتے ہیں۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ اللہ کی مخلوق پر غیر اللہ کی حکمرانی قائم کرتے ہیں، اللہ کی کائنات میں غیر اللہ کی پوجا کرانے پر اصرار کرتے ہیں، اللہ کی مخلوق کو غلام بنا کر ان پر ظلم کرتے ہیں تو پھر ان کا مقابلہ کرو۔ ان کو پکڑو، جہاں مل

جائیں ان کو قتل کرو۔ وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ یہ تمام ہدایات تو مسلمانوں کے لئے ہیں کہ ان کی امداد پر نہ بھروسہ رکھو، نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ۔ لیکن جو جیتے ہی امریکی امداد پر ہیں۔ جو زندہ ہی کافر کی خیرات پر ہیں۔ جو کافر کی اترن پہن کر دوسروں پر اپنی شان جتانا فخر سمجھتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ باتیں کہاں آئیں گی۔ مومن کے لئے اس سے مرجانا ہی بہتر ہے کہ وہ کسی کافر کی اترن پہنے۔ لیکن ہمارے ہاں جو نیا کپڑا نہیں خرید سکتا وہ کافروں کے استعمال شدہ کپڑے لنڈے سے خریدتا ہے۔ ذرا سوچیئے ان ملبوسات میں انہوں نے کتنا کفر کیا ہوگا! کتنی قباحتیں کی ہونگی! کتنی شراب پی ہوگی! تو ہماری سمجھ میں شاید قرآن حکیم کی یہ زبان نہ آئے۔ ہم ان باتوں کو شاید نہ سمجھ سکیں۔ لیکن حق یہی ہے۔

فرمایا جو اسلام کے خلاف کوشش کرتا ہے۔ بندہ مومن کا فرض ہے کہ اس سے مقابلہ کرے اس سے قتال کرے۔ جب تک وہ ظلم سے باز نہ آئے اس سے قتال کیا جائے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ فرمایا کچھ ایسے لوگ جو ان قبائل سے مل جاتے ہیں جن کے ساتھ تمہارا معائدہ ہوا ہے ان سے درگزر کرو۔ ایسے لوگ جو دل سے تمہارے ساتھ ہو جاتے ہیں ان کا امتحان یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں اور اگر اللہ چاہتا تو کفار کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تمہیں قتل کرتے چلے جاتے۔

اب اپنا حال دیکھئے کیا آج کافر مسلمانوں پر مسلط نہیں ہیں؟ کیا پوری دنیا میں مسلمانوں کا قتل عام نہیں کر رہے؟ کیا یہ سب اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم معاشی طور پر کمزور ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وسائل زندگی کا جائزہ لیں تو جغرافیائی طور پر مسلمانوں کے ممالک میں دنیا کی بہترین بندرگاہیں ہیں۔ ساری زرخیز زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں۔ معدنیات کا خزانہ، تیل، سونا، چاندی کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں۔ تو پھر مسلمان کیوں مار کھا رہے ہیں؟ اس کی یہ وجہ بتائی جارہی ہے کہ جب مسلمان کافروں کو دوست بنائیں گے، ان کے مشوروں پر عمل کریں گے، تو کفار بطور سزا ان پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔ پھر وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے، رسوا کریں گے۔

دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنے پر تنبیہہ :

نزول آیت کے وقت یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ مسلمانو! اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے ساتھ یہ سلوک ہوگا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم نے دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کافروں کے ہاں پناہ لی تو اللہ نے ہم پر کافر مسلط کر دیئے۔ آج وہ ہمیں قتل کر رہے ہیں، مار رہے ہیں، اور ہماری حکومتوں میں اتنی سی ہی جان ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اپنے شہریوں کی ہلاکت پر احتجاج کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی احتجاج ہے جیسے وڈیروں، جاگیرداروں، گاؤں کے چوہدریوں کے غنڈے کسی غریب مزدور کو پکڑلیں اور مار مار کر بھرکس نکال دیں اور جب اسے چھوڑیں تو وہ کہے کہ وہ اس بات پر بہت احتجاج کرتا ہے کہ اسے مارا گیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی بس یہی جرأت رہ گئی ہے کہ وہ جوتے کھانے کے بعد کہتے ہیں جی آج تو آپ نے ہمیں بہت مارا ہے۔

اور اگر تم کافروں سے الگ رہو اور کافر تم سے الگ رہیں۔ تم کافروں کی رسومات نہ اپناؤ۔ انہیں اہمیت نہ دو انہیں اپنا سردار نہ مانو تو پھر وہ تمہارے ساتھ لڑنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ بلکہ تمہیں صلح کے پیغام بھیجا کریں گے۔ **فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿٩٠﴾** اور جب وہ لڑنے کا ارادہ چھوڑ دیں صلح کے پیغام بھیجنا شروع کر دیں تو پھر مسلمانوں کو بھی لڑائی کی اجازت نہیں ہے۔ پھر مسلمان ان پر جنگ مسلط نہیں کر سکتے۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾

پچھلی آیات میں کفار و منافقین کے ساتھ رواداری کے تعلقات کی حدود بتائی گئیں۔ اس ضمن میں دو قسم کے لوگوں کا تفصیلی تذکرہ ہوا۔ یہاں تیسری طرح کے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کچھ لوگ آپ کو ایسے ملیں گے جو مسلمانوں کے ساتھ بھی امن سے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی۔ یعنی درمیان میں رہنا چاہتے ہیں۔ جو لوگ اسلام کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ ان کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے اور لڑنا مسلمانوں سے بھی نہیں چاہتے۔ ان کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ جب بھی کہیں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور

انہیں موقع ملے تو وہ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی یہ قسم منافقین کی ہے کہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ امن سے رہنا چاہتے ہیں لیکن کفر کے خلاف جہاد نہیں کرنا چاہتے۔ کفر کے خلاف لڑنا بھی نہیں چاہتے اور برائی کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ بتائی گئی ہے کہ ان کا ایمان درست نہیں ہوتا۔ ان کا اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا اور جب بھی فتنہ و فساد کھڑا ہو تو یہ سب سے پہلے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا **فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ** کہ اگر یہ ان حرکتوں سے باز نہ آئیں۔ مسلمانوں سے الگ بھی نہ ہوں اور مسلمانوں کیساتھ سلامت روی کا سلوک بھی نہ کریں۔ فتنے بھی کھڑے کرتے رہیں اور اپنے آپ کو روک بھی نہ پائیں۔ اُمت مسلمہ میں عقائد و اعمال میں فتنے کھڑے کریں۔ **فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** ؕ ان لوگوں کا علاج یہ ہے کہ جہاں قابو آ جائیں انہیں پکڑا جائے اور انہیں قتل کیا جائے۔ یہ ایسے فتنہ پرور لوگ ہیں بظاہر اپنے آپ کو امن کا داعی ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے وہ تو جنگ کے خلاف ہیں۔ لیکن ان کا عمل مسلسل امن کے خلاف ہے۔ کبھی یہ مسلمانوں کے عقائد میں فتنے کھڑے کرتے ہیں۔ کبھی اعمال و کردار میں فتنہ گری کرتے ہیں۔ تو ان کے لئے **سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا** ﴿۹۱﴾ کے الفاظ کے ساتھ دلیل دی گئی ہے حجت قائم کی گئی ہے کہ یہ جہاں قابو آ جائیں وہیں انہیں قتل کر دیا جائے۔

سورۃ النساء آیات 92 تا 96 رکوع 13

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ

الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾

اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداء) قتل کرے لیکن غلطی سے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا ہے مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خون بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کو دیا جائے اور ایک غلام یا لونڈی مسلمان کا آزاد کرنا پھر جس شخص کو اس کی استطاعت نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہنا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دُور کر دیں گے اور اسکے لئے بڑی سزا کا سامان کرینگے ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور جو شخص تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل

کرو۔ اللہ کے پاس بہت غنیمت کے مال ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں ﴿۹۴﴾ برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہے ﴿۹۵﴾ یعنی بہت سے درجے جو اللہ کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں بڑی رحمت والے ہیں۔ ﴿۹۶﴾

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا کسی کلمہ گو کو، کسی ایماندار کو، کسی مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے۔ بتقاضائے بشریت ایسی غلطی ہو جائے۔ تو وہ الگ بات ہے ارداتاً کسی کو قتل کرنا مال و دولت یا اقتدار کے لالچ میں قتل کرنا یہ مسلمان کو زیب نہیں دیتا بلکہ اس کی مسلمانی پر حرف آتا ہے۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ہاں کسی مسلمان کا قتل اتفاقی غلطی سے ہو جائے مثلاً لاٹھی ماری اور وہ اتنی سختی سے لگی کہ موت واقع ہوگئی۔ ارادہ قتل کا نہیں تھا اتفاقاً گولی چل گئی اور بندہ مرگیا۔ تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے ورثاء اگر راضی ہوں تو وہ انہیں قصاص ادا کریں اور ساتھ ایک مسلمان غلام یا کنیز آزاد کریں۔ ہاں مقتول کے ورثاء کو یہ حق ہے کہ وہ قصاص نہ لینا چاہیں تو فی سبیل اللہ معاف کردیں۔ اگر وہ اللہ کی رضا کے لئے معاف کردیں تو وہ اور بات ہے۔ **فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ** اگر مقتول تمہارے دشمنوں کی جماعت سے ہو اور ہو وہ مومن تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثانِ مقتول کو خون بہا بھی دینا ہوگا اور ایک مسلمان غلام کو آزاد بھی کرنا ہوگا۔ **فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ**

اور اگر کوئی مسلمان غلام آزاد نہیں کرسکتا تو پھر متواتر دو مہینے کے متواتر روزے رکھے۔ متواتر سے مراد ہے لگاتار بغیر انقطاع کے۔ کسی وجہ سے درمیان میں چھوڑنے پڑے تو دوبارہ سے تواتر کے ساتھ دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر یہ موقع عورت کے ساتھ پیش آیا ہو تو اس کی فطری مجبوری کی وجہ سے جو انقطاع آئے گا وہ تواتر کے خلاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ انسانی بس سے باہر کی بات ہے۔

توبہ اور تلافی:

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ تلافی کی یہ تمام صورتیں کہ غلام آزاد کریں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں روزے رکھیں تو یہ سب اس لئے کہ اللہ کریم کی مغفرت تلاش کی جائے۔ اسلام میں انسانی جان کی بہت عظمت ہے اور ارادتاً کسی مومن کو قتل کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی یعنی کافر بھی جو ظلم و زیادتی نہ کرے اور امن سے رہنا چاہے تو اس کے قتل کا بھی کوئی جواز نہیں اور یہ تصور تو بالکل ہی باطل ہے کہ کوئی مسلمان کسی بھی لالچ میں کسی کو قتل کرے۔ آج مسلمان حکومتیں کافروں کو خوش کرنے کے لئے مسلمانوں کا قتل عام کر رہی ہیں تو اسکا حساب عنداللہ ہوگا ہر ایک کا ہوگا ہر ایک کو دینا ہوگا۔

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ اللہ کریم خوب جانتے ہیں کہ کس شخص نے کس ارادے سے کس نیت سے کون سا کام کیا ہے۔ وہ دانا تر ہے اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے لوگوں کو عمل کرنے کی فرصت دی۔ وہ کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ کسی کے عیوب نہیں اچھالتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جانتا نہیں ہے۔ وہ علیم ہے لیکن اس نے خود اس نظام کو اپنی حکمت سے ایک وقت معین کے لئے اس طرح جاری کیا ہے کہ انسانوں کو مہلت عمل دی ہے۔ ارادہ اختیار اور قدرت عطا کیا ہے۔ ایک وقت معین پر سب کو اس کے روبرو حساب دینا پڑے گا۔

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا اور جو شخص کسی دنیوی لالچ کے لئے، جان بوجھ کر مسلمان کو قتل کرتا ہے **فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا** تو اس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔ ارادتاً کسی مسلمان کو قتل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ یہ کفر کے قریب لے جاتا ہے۔ اگر توبہ نصیب نہ ہو تو ایمان پر مرنے کی امید نہیں رہتی اور یہ خطرہ ہے کہ اگر ایسا آدمی دنیا میں ہی ایمان ضائع کر کے مرے گا تو **خلود فی النار** کے الفاظ آئے ہیں کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ **وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾** نہ صرف یہ کہ ایسے لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے بلکہ اللہ کے غضب کا ہمیشہ شکار ہوں گے اور ان پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑے بڑے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ اس وعید کے مستحق صرف وہ لوگ ہی نہیں جو لوگوں کو سرِ عام قتل کر دیتے ہیں بلکہ اس میں وہ حکمران بھی شامل ہیں جو دنیوی خواہشات

کے لئے، حصولِ اقتدار کے لیے یا کافر طاقتوں کو خوش کرنے کے لئے، مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں وہ لوگ بھی اسی شمار و قطار میں آتے ہیں جنہوں نے امریکہ کو خوش کرنے کے لئے لال مسجد پر یلغار کی۔ مسلمان بچوں اور بچیوں کو زندہ جلا دیا۔ قرآن حکیم کے نسخے، احادیث مبارکہ اور فقہی کتب ہزاروں کی تعداد میں جلا دیئے گئے۔ معصوم لوگ بموں سے اڑا دیئے گئے۔ گولیوں سے چھلنی کئے گئے۔ وہ اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ یہ ہمارا وہم ہوتا ہے کہ ظالم ظلم کر کے بھی بچا ہوا ہے۔ وہ کب تک بچے گا؟

آخرت کا عذاب حقیقت ہے:

دراصل آخرت کا عذاب و ثواب حقیقت ہے۔ دنیا ایک وقتی اور لمحاتی شے ہے۔ دنیا کمزور اور آخرت مضبوط ہے۔ دنیا ناپائیدار اور آخرت پائیدار ہے۔ دنیا فانی ہے آخرت باقی ہے۔ آخرت بہت مضبوط ہے اور دنیا بہت کمزور ہے۔ جو حصہ طاقتور ہو وہ کمزور کو متاثر کرتا ہے اگر کسی کے لئے جنت سجائی جارہی ہو تو اس کا اثر دنیاوی زندگی میں اس کی سوچ پر آتا ہے اور اسے قلبی سکون دیتا ہے۔ اس کے دل میں راحت ہوتی ہے اور جس کے لئے آخرت میں جہنم بھڑکائی جارہی ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوتا ہے۔ اسے جہنم کے شعلوں کی لپٹیں یہاں تک پہنچتی رہتی ہیں اور اسے کبھی دلی سکون میسر نہیں ہوتا۔

ایمان ایک عظیم نعمت:

خلود فی النار یعنی جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا یہ کسی ایمان والے کا مقدر نہیں ہے کہ جو جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ وہ ایمان والا نہیں ہوگا۔ **خلود فی النار** ایمان کیساتھ نہیں ہوسکتا یہ صرف کفر کے لئے ہے۔ گناہگار مومن جہنم میں داخل ہو بھی گیا تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ مومن جو خلوصِ دل سے اللہ کی رضا کے لئے کوشاں رہتے ہیں ان سے بتقاضائے بشریت کوئی بھول چوک ہو جائے تو وہ توبہ کر لیتے ہیں۔ اللہ کی مغفرت بہت وسیع ہے۔ پھر انبیاءؑ کی شفاعت ہے، نبی کریم ﷺ کی شفاعت ہے، نیک اعمال ذریعہ شفاعت بنیں گے۔ تلاوتِ قرآن شفاعت کرے گی۔ روزہ شفاعت کرے گا۔ نماز شفاعت کرے گی۔ جن کے نابالغ بچے فوت ہو چکے وہ اپنے والدین کو جنت لے جانے کا تقاضا کریں گے۔ پھر بے شمار اولیاء اللہ، صلحاء گناہگاروں کے حق میں سفارشی ہوں گے کہ بارالٰہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے خطا ہوئی ہے لیکن ان کا ایمان باقی ہے۔ ان سب مراحل سے گزر کر اس سب کے باوجود بھی کسی کے گناہ اسے دوزخ لے گئے تو بقدر گناہ کے دوزخ میں سزا پائے گا اور ایمان کے سبب شفاعت نصیب ہو کر دوزخ سے رہائی ہو جائے گی اور ایمان بچ جانے کے سبب جنت میں پہنچ جائے گا۔ لیکن جس کے لئے خلود فی النار کی وعید آتی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں

سے ایمان ختم ہو جائے گا۔ یعنی اگر کوئی کلمہ گو کی جان کی پرواہ نہیں کرتا، مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرتا ہے، جس طرح آج کل ہو رہا ہے۔ مساجد میں نمازیوں کو شہید کیا جا رہا ہے، بازار میں غریب، مفلس لوگوں کو، عوام الناس کو، سودا خریدنے، بیچنے والوں کو مارا جا رہا ہے، بم چلائے جا رہے ہیں، خواہ پیسے لے کر یہ کام ہو رہا ہے یا کسی اور دنیوی خواہش کے باعث ایسا ہو رہا ہے۔ تو ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے اور ایسے لوگ عموماً کفر پر ہی مرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ اے جماعت مومنین جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتے ہو تو تحقیق کر لیا کرو کہ جو تمہارے مقابل ہے وہ کافر ہے یا مومن۔ وہ واقعی ظلم کر رہا ہے یا اس کے بارے میں کسی غلط خبر پر کاروائی ہو رہی ہے۔ اسلئے کہ جہاد اگرچہ بہت بڑی عبادت ہے، قربِ الٰہی کا بہت بڑا سبب ہے مگر اس سے غرض یہ ہے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اور ظلم کو روکا جائے۔ جہاد ظلم کو روک کر قیامِ امن کے لئے ہے۔ یہ اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے گا اور اس میں بھی اللہ نے اندھا دھند لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ عین میدانِ جنگ میں اگر کوئی کہے وہ مسلمان ہے اور آپ کو السلام وعلیکم عرض کرے تو یہ مت کہو کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہے؟ اس کے خود کو مسلمان کہنے پر اسے قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائیگا اور تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ کسی دنیوی لالچ میں، غنیمت کے لالچ میں، اپنی شہرت کے لالچ میں فتح حاصل کرنے کے لالچ میں، قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ دولت کے ڈھیر اللہ کے پاس بے شمار ہیں وہ جتنی چاہے گا دولت دے دے گا۔ لیکن دولت واقتدار کے لالچ میں کسی ایسے بندے کی جان نہیں لی جائے گی جو مومن ہونے کا دعویٰ کر رہا ہوگا۔ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر تمہیں نورِ ایمان عطا فرمایا۔ اب تمہارے سامنے کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے اور وہ کلمہ پڑھتا ہے تو اسے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ تم مومن نہیں ہو اور اسے اس شبے میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ یہ تو موت کے خوف سے ایمان کا دعویٰ کر رہا ہے۔ پھر دوبارہ تاکیداً فرمایا کہ پوری تحقیق کر لو۔ قتل ایک انتہائی اقدام ہے اور انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے انتہائی تحقیق بھی ضروری ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ جو کچھ تم

کرتے ہو اللہ کو سب خبر ہے۔

آج ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم سے ایمان ویقین کی دولت چھن گئی ہے۔ ہمارے اور نبی کریم ﷺ کے درمیان چودہ صدیوں کی طویل مسافت ہے۔ زمانہ تو بڑے بڑے محبوب لوگوں کی یاد دھندلا دیتا ہے۔ ہم اپنے والدین پر مٹی ڈالتے ہیں۔ اپنے جگر گوشوں کو قبر میں سلاتے ہیں اور چند دنوں بعد یادیں دھندلا جاتی ہیں۔ یہ زمانے کی روش ہے کہ یادیں بھلا دیتا ہے۔

حضرتؒ پر اللہ کی کروڑوں، کروڑوں رحمتیں ہوں وہ ایک رباعی پڑھا کرتے تھے

کنا کزوج حمامة فی ایکة متمعّین بصحة و شباب

دخل الزمان وفرق بیننا ان الزمان مفرق الاحباب

کہ ہم تو کبوتروں کے جوڑے کی طرح پیار و محبت سے اپنے آشیانے میں مقیم تھے۔ زمانہ شباب تھا۔ اللہ نے نعمتیں دے رکھی تھیں۔ دلوں میں محبت تھی اور بڑے پیار سے جی رہے تھے کہ زمانہ ہمارے درمیان آ گیا اور اس نے ہمیں الگ کر دیا۔ یقیناً زمانہ دوستوں کو دوستوں کی یادیں بھلا دیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے درمیان چودہ صدیوں نے آ کر ہمیں اس نعمت عظمیٰ سے بہت دور کر دیا ہے اور محبت پیغمبر ﷺ کا درد ہمارے دلوں سے چھین لیا ہے۔ ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں۔ پتھر بن گئے ہیں۔ ہم انسانوں کو بھی وقتی فائدے کے لئے جان سے مار دیتے ہیں۔ بم سے اڑا دیتے ہیں۔ گولی سے تباہ کر دیتے ہیں اور ہم سے تو اب آخرت کا تصور بھی ضائع ہونے کو ہے۔ ایک عام دکاندار، عام دیہاتی، عام شہری سے لے کر حکمران تک سب کے رویوں کو دیکھ لیں کسی کے پاس آخرت کا تصور تک نہیں ہے۔ ہر بندہ اس کوشش میں ہے کہ وہ دوسرے سے دنیوی فائدہ حاصل کر لے۔ اس لئے کہ خواہ جھوٹ بولے، چوری کرے، یا زبردستی، اس پر عبادات کا بھی یہ زعم ہے کہ کاروباری اور تجارت پیشہ افراد کی اکثریت حاجی ہے، نمازی ہے، داڑھی رکھی ہوئی ہے اور کئی ایسے ہیں جو ہر سال یا سال میں کئی بار عمرے پر جاتے ہیں۔ لیکن خریدار ہو یا دکاندار ہر ایک کی خواہش دوسرے سے زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی ہے۔ خواہ وہ مفت اٹھا لے، قیمت پوری نہ دے، جعلی نوٹ دے دے، آخرت کا، اللہ کا، اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ آج کی صورت حال میں دو بڑی جماعتوں کی حکمرانی ہے دونوں خوب خوب آزمائی جا چکی ہیں۔ اب یہ تجربہ ہو رہا ہے کہ دونوں کو ملا کر آزمایا جائے اور خود دونوں جماعتوں کا کردار یہ ہے کہ مسلم لیگ آج آزاد عدلیہ کی بحالی کی دعویدار ہے تو خود ان کی اپنی حکومت میں عدلیہ پر حملہ ہوا اور انہیں بھگا دیا گیا۔ تب بھی یہی مسلم لیگ تھی اور یہی سپریم کورٹ تھی۔ اسی کے چیف جسٹس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تھی۔ تو آج مسلم لیگ کو عدلیہ سے اتنی محبت کیوں ہو گئی؟ دراصل عدلیہ کی بحالی

کا نعرہ اپنے اقتدار کے لئے استعمال کیا ہے۔ مسلم لیگ کو یہ امید ہے کہ موجودہ حکومت چل نہیں سکتی۔ اس نعرے سے انہیں عوام کی حمایت حاصل ہوگی۔ دوبارہ الیکشن ہوگا اور شاید انہیں اس حمایت کے باعث زیادہ سیٹیں مل جائیں۔ پیپلز پارٹی نے کالا باغ ڈیم کے منصوبے کو ہی غارت کر دیا۔ حالانکہ وہ صرف منصوبہ ہی تھا ان کا مقصد یہ تھا کہ سندھ اور سرحد کی اس طرح انہیں حمایت حاصل ہوگی۔ اسی پر بس نہیں کیا پیپلز پارٹی نے سزائے موت ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ سزائے موت ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ملک بھر کے قاتلوں، پیشہ ور مجرموں کی انہیں حمایت حاصل ہو جائے گی۔ ہمارے آج کے حکمرانوں کے کردار کا یہ معیار ہے۔ کاش کوئی گن سکتا کہ ایک دن کی گیس کی اضافی قیمت اور پیٹرول کی اضافی قیمت سے حکومت کو کتنے ارب روپیہ نقد وصول ہوا؟ وہ کہاں چھپایا گیا؟ وہ سرمایہ کس تعمیر پر لگا؟

تعمیر کیا ہو رہی ہے؟ تخریب کاری ہی تخریب کاری ہے۔ جس شخص نے داڑھی رکھی ہو اور پگڑی باندھی ہو وہ طالبان ہے۔ از قسم طالبان ہے۔ اسے گولی ماردی جائے۔ داڑھی رکھنا، پگڑی باندھنا اور نماز پڑھنا ناقابل معافی جرم ہے۔ اور کافرانہ حلیہ بنانا، خواہ کافر کی اترن ہی پہننی پڑے اور انگریزی طور اطوار، انداز گفتار اور عملی بے غیرتی اپنانا محترم ہونے کا معیار ٹھہرا دیا گیا ہے۔ تو کہاں ہے آخرت کا تصور؟ کیا عوام کے پاس ہے؟ دکاندار اور خریدار کے پاس ہے؟ حکمران کے پاس ہے؟ کہاں ہے؟

ایمان وعقیدہ اس حد تک تباہ ہو چکا ہو تو اس پر وعید خلود فی النار ہی آئے گی۔ پھر ہمیشہ دوزخ کی وعید ہی آئے گی۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے اعمال وکردار کا!

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

ایمان کے دو درجے:

فرمایا ایمان کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ یہ مان لے کہ وہ اللہ کو مانتا ہے۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہے۔ اللہ کی کتاب کو مانتا ہے اور ضروریات دین کو مانتا ہے۔ فرشتوں کو مانتا ہے۔ جنت دوزخ کو مانتا ہے۔ آخرت اور حساب کتاب کو مانتا ہے اور وہ ارادہ کرے کہ اس پر عمل حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہوگا۔ وہ یہ کوشش کرے کہ رزقِ حلال کمائے، سچ بولے، اپنے فکر وکردار کو اپنے ایمان کے مطابق ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتا رہے۔ تو یہ بہت اچھا ایمان ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا ایمان اسے اس بات کے لئے بیقرار کردے کہ اللہ کی باقی مخلوق اللہ سے ناآشنا کیوں ہے؟ لوگوں کو اللہ سے آشنا کرنے کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے۔ جہاد کرنا پڑے تو کرے، شمشیر بکف ہو کر اپنی جان دینی پڑے تو دے۔ مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو مال بھی خرچ کرے۔ سفر کرنا پڑے تو سفر کرے، زخم کھانے پڑیں تو کھائے۔ فرمایا یہ دوسرا درجہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ یہ دونوں درجے ایک جیسے نہیں ہو سکتے یعنی وہ مومن جو ایمان قوی رکھتا ہو، مضبوط یقین کا مالک ہو، باعمل مسلمان ہو، رزق بھی حلال کھاتا ہو، سچ بولتا ہو، نیکی کرتا ہو، فرائض عبادات کے علاوہ نوافل کا پابند ہو، قلبی اصلاح کے لئے قربِ الٰہی کی طلب میں ذکر اذکار کرتا ہو، لیکن اپنی حد تک ہی کرتا ہو۔ فرمایا وہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا جس کا دل اس روشنی کو، اسلام کے نور کو لے کر چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لئے سرگرداں ہو جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے مال و جان سے دریغ نہ کرے تو ایسے مجاہدین کا اللہ نے درجہ بلند کردیا ہے۔ انہیں بیٹھ رہنے والوں پر بہت فضیلت عطا کی ہے۔

یہاں ایک مسئلہ تصوف کا بھی حل ہو گیا کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ نیک لوگ اللہ اللہ سیکھتے ہیں یا اللہ اللہ سیکھ کر نیک ہو جاتے ہیں۔ ان میں دو درجے یوں ہو جاتے ہیں کہ کچھ لوگ اس بات پر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ انہیں ذکر اللہ نصیب ہے۔ مراقبات نصیب ہیں۔ توفیقِ عمل نصیب ہے۔ بس یہی ان کے لئے کافی ہے۔ دوسرے کے دل میں آگ لگ جاتی ہے وہ کہتا ہے اس درد کو بانٹا جائے۔ پھیلایا جائے۔ اللہ کی مخلوق کو اللہ سے آشنا کیا جائے۔ دونوں طرح کے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ جسے اتنا درد دل ملے کہ وہ اسے بانٹنے کے لئے بے قرار ہو جائے اور درد دل لے کر بیٹھ رہنے والا اور لٹانے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لے کر اپنی ذات تک محدود ہو جائے ان پر مجاہدین کو فضیلت حاصل ہے کہ وہ درد دل کو عام کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے کسی چیز کو بچا کر نہیں رکھتے۔ سب اللہ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ **وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى** اللہ کی بخشش کا وعدہ احسان کا وعدہ سارے مومنوں کے ساتھ ہے۔ بخشے تو سب جائیں گے۔ لیکن قربِ الٰہی میں، وصالِ الٰہی میں، مجاہد اور غیر مجاہد کے درجات میں بہت بڑا فاصلہ ہوگا۔ اللہ پاک نے قرآنِ حکیم میں اس کی تاکید کے لئے اس کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اس بات کو پھر دہرایا ہے **وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾** کہ مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم کے درجات عالیہ سے نوازا جائے گا۔ **دَرَجٰتٍ مِّنْهُ** انہیں بلند درجے ملیں گے۔ **وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً** اللہ کی رحمت و بخشش بھی نصیب ہوگی۔ **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾** وہ تو ہر مومن کے لئے بخشش اور رحمت کو عام فرماتا ہے لیکن جو بخشش اور رحمت دردِ دل بانٹنے والوں کو نصیب ہوگی۔ وہ بیٹھ رہنے والوں کو نہیں ملے گی۔

سورۃ النساء آیات 97 تا 100 رکوع 14

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

بیشک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم کس کام میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں بالکل بے بس ولاچار تھے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترکِ وطن کر کے اس میں چلا جانا چاہیے تھا۔ سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کیلئے وہ بُری جگہ ہے۔ ﴿۹۷﴾ لیکن جو مرد اور

عورتیں اور بچے قادر نہ ہوں کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ رستہ سے واقف ہیں ﴿۹۸﴾ سو اُن کے لیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں ﴿۹۹﴾ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا، پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں ﴿۱۰۰﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ

انسانی کردار کے اثرات دنیا کی زندگی پر اور عندالموت:

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس کا قول و فعل اتنا متاثر کن ہے کہ وہ نہ صرف اس کی اپنی ذات کو متاثر کرتا ہے بلکہ پورے ماحول اور معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر کوئی نیک بات کہتا ہے، نیک عمل کرتا ہے، اتباعِ سنت میں کوشاں ہے اور وہ یہ سب کام خلوص سے کرتا ہے تو اس کے پرخلوص قول و فعل کے انوارات و برکات دنیا کی بھی آبادی کا سبب بنتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کے مسائل حل ہوتے ہیں اور انہی اقوال و افعال کے اثرات انسانوں کو عذابِ الٰہی سے بچانے کا بھی سبب بنتے ہیں اور ان کا اُخروی اجر بھی یقینی ہے۔ جو انہیں ابدالآباد کی زندگی میں نصیب ہوگا۔ لیکن اگر کوئی برائی کرتا ہے تو وہ تنہا اس کی ذات کے لئے ہی تباہ کن نہیں ہوتی ہے، اس کا اپنا ضمیر، مزاج، اس کی روح اور اس کا کردار ہی خراب نہیں ہوتا بلکہ اس کے ہر قول و فعل سے اثر پھیل کر پورے ماحول کو آلودہ کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں روئے زمین پر فسادات برپا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ** (الروم آیت 41) روئے زمین پر خشکی و تری میں فساد برپا ہو گیا لوگوں کے کردار کی وجہ سے یعنی جب لوگوں کا عمومی کردار خراب ہوتا ہے تو اس کا ایک اثر تو خرابی کرنے والے کی ذات پر پہنچتا ہے اور ایک اثر اس کے پورے ماحول کو متاثر کرتا ہے اور اُخروی تباہی تو اس کے نتیجے میں یقینی ہے۔ سوائے اس کے کہ بندۂ تائب ہو کر اصلاح احوال کر لے۔

ظاہری ماحول کی حفاظت اور صفائی کے لئے تو اب ہمارے ملک میں بھی وزارت ماحولیات بن گئی ہے۔ جس کا مقصد فضا کو آلودگی سے پاک رکھنا ہے کہ گاڑیوں، فیکٹریوں اور بسوں کے دھوئیں سے ماحول کو بچایا جائے۔ اس کی اصلاح کے لئے دھواں دینے والے انجن کو درست کیا جاتا ہے۔ یعنی جب انجن میں خرابی ہوتو وہ ماحول کو آلودہ کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح فرد کی ذات میں برائی ہوتو اس کا اثر پورے ماحول تک جاتا ہے۔ مادی ماحول و فضا کی حفاظت کی طرف تو آج انسان کی نگاہ جاتی ہے۔ کردار کی آلودگی سے خشکی وتری میں جو فساد پھیلتا ہے اس کی طرف توجہ کیوں نہیں جاتی؟ اس لئے کہ جب دین نہ ہو، روح زندہ نہ ہو، حضور ﷺ سے تعلق استوار نہ ہوتو نگاہ محدود ہو جاتی ہے۔ مادی اشیاء سے آگے تک کی سوچ ہی نہیں آتی۔ اسی لئے بین الاقوامی سطح تک ماحولیات کی حفاظت کے لئے بنائے گئے ادارے بے حد متفکر ہیں اور ''اوزون'' کے قدرتی حصار کے خراب ہونے اور اس قدرتی حفاظت کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ''اوزون'' قدرت کی عطا کردہ فضا کی ایسی حفاظتی تہ ہے جو سورج کی ہلاکت آفرینیوں سے اس کی خطرناک تمازت کے اثرات سے انسانوں کو بچاتی ہے۔ سورج کی تمازت اس حفاظتی تہہ سے چھن کر حیات بخش دھوپ بن کر انسانوں تک پہنچتی ہے۔ اگر فضائی حفاظت کا یہ حصار ٹوٹ جائے تو پھر سورج آگ بن کر دنیا پر برسے گا۔ اس تباہی کو تو پہلے سے محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کی پیش بندی کے لئے اصلاحات ہو رہی ہیں۔ اس لئے کہ ہماری عقل اور ہمارا ظاہری علم ہمیں یہی کچھ سمجھاتا ہے کہ عقل کی رسائی ہی مادی ضروریات، مادی فوائد اور مادی نقصانات تک ہی ہے۔ وہ مادی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہی بنائی گئی ہے اور اس کی پہنچ وہیں تک ہے۔ اس سے آگے کی باتیں سمجھنا قلب کا کام ہے۔ دل کو جب تک نورِ ایمان نصیب نہ ہوتو اس میں حیات نہیں۔ نورِ ایمان کے بغیر وہ مردہ ہے اور نورِ ایمان نصیب ہوتو حیات کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ جیسے ایک شیر خوار بچہ بھی زندہ ہے اور ایک تنومند، صحت مند جوان بھی زندہ ہے، ایک ضعیف اور کمزور بزرگ بھی زندہ ہے، زندہ تو تینوں ہیں لیکن تینوں کے زندہ ہونے میں کتنا فرق ہے۔ یہی فرق دل کی قلب کی حیات میں بھی ہے۔ جب دل کو حیات بھی نصیب ہو اور برکاتِ نبوت ﷺ بھی نصیب ہوں تو اس میں وہ قوت وبصیرت وہ دور بینی آجاتی ہے کہ بندہ اپنے لمحات کو قیمتی سمجھ کر ان کو گن گن کر بھلائی کے کاموں میں بسر کرتا ہے اور جنہیں یہ چیزیں نصیب نہ ہوں وہ صرف زندگی گزارتے ہیں۔ اسے بسر نہیں کرتے۔ اس کی مثالیں آج کے ماحول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بے شمار ایسے لوگ ہیں جب ان سے پوچھیں کیا ہو رہا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں بس وقت گزار رہے ہیں۔ بھلا جس بندے کو رب العالمین نے گن کر سانسیں دی ہوں اور جس کے پاس گنتی کے لمحات ہوں وہ انہیں فضول

کیوں گزار رہا ہے۔ اسلئے کہ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ اس کی قیمت کتنی ہے!

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط ان آیات مبارکہ میں انسانی کردار، اس کی مہلتِ عمل، اللہ کے انعامات، بندے کے کردار اور ماحول پر اس کے اثرات اور بالآخر موت کے وقت اس کی حالت کا بیان ہے کہ ایسے لوگوں کی مہلت عمل جب ختم ہوتی ہے اور موت کے فرشتے قبض روح کے لئے آتے ہیں۔ تو وہ دیکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو اپنے آپ کو' اپنی جان کو' اپنے نفس کو' اپنے ضمیر کو' اپنے قلب و باطن کو' اپنی روح کو' اللہ کریم کی نافرمانیوں سے آلودہ کر رکھا ہے۔ تو فرشتے پوچھتے ہیں فِيْمَ كُنْتُمْ تم دنیا میں کہاں رہے؟ کیا کرتے رہے کہ تمہارے تو بدن سے روح تک سب کفر و شرک برائی و بدکاری سے آلودہ ہے! ایسے ہر فرد سے وہ پوچھتے ہے کہ کیا تو دنیا میں اس لئے آیا تھا؟ تجھے اللہ نے اس لئے مہلت عمل دی تھی؟

اللہ نے تو انبیاء مبعوث فرمائے اور اپنی رحمتوں کی انتہا کر دی کہ نبی رحمت ﷺ مبعوث فرمائے۔ جنہیں وہ قوت عطا فرمائی کہ بعثتِ عالی سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر طالبِ ہدایت کا تزکیہ فرما دیں۔ تو یہ بندہ کہاں رہا؟ جب اتنا نور برس رہا تھا، جب اتنی رحمتیں برس رہی تھیں، اتنی بخشش عطا ہو رہی تھی، رمضان المبارک کے مہینے گزرے، جمعۃ المبارک کی مبارک ساعتیں گزریں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات بیان ہوتے رہے، اللہ کا ذکر ہوتا رہا، ہر طرح کی مبارک محفلیں سجتی رہیں، تو یہ کیا کرتا رہا؟

فرشتے حیران ہو کر اس سے سوال کرتے ہیں آخر تم انسان تھے۔ اللہ نے تمہیں انسانی زندگی دی تھی۔ انسانی شعور سے نوازا تھا۔ بھلائی برائی میں تمیز کرنے کا سلیقہ دیا تھا تو تم نے عمر کہاں کھپا دی؟ کیا کرتے رہے ہو؟ فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ط موت کے منہ میں جانیوالے شخص سے فرشتوں کے یہ سوال و جواب ہو رہے ہوتے ہیں اور دنیا والے یہ دیکھتے ہیں کہ بندے کی نظر ایک جگہ ٹک گئی ہے۔ وہ نہ کسی کی بات سنتا نظر آتا ہے نہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسے تو اس وقت موت کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ درحقیقت ان کے ساتھ مصروف ہوتا ہے۔ ان آیات میں ظالموں کی موت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ فِيْمَ كُنْتُمْ ط تم کیا رہے تھے؟ تمہیں عمر اس لئے تو نہیں ملی تھی کہ کفر و شرک، گناہوں اور غلاظتوں سے روح کو آلودہ کر لو۔ تمہیں تو دنیا میں اللہ نے اسلئے بھیجا تھا کہ مغفرتِ الٰہی کے درجاتِ اعلیٰ حاصل کرتے۔ رحمتہ العالمین کی رحمتوں کے مزے لوٹتے، سینہ و دل روشن کرتے، روحِ قلب و باطن اور ضمیر کو پاکیزہ کرتے، اللہ کا قرب پاتے، تو آج تمہارے

استقبال کے لئے جنت سے فرشتے آتے، جنت کے لباس لاتے، جنت کی خوشبوئیں لاتے اور نہایت عزت و احترام سے لے جاتے۔ لیکن تم ہو کہ گناہوں کی غلاظت ہمیں تمہارے قریب نہیں آنے دیتی۔ تم سے بدبوؤں کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ ہم آگ کا لباس دوزخ کی زنجیریں لئے پھرتے ہیں۔ تم نے اپنی مہلت عمل کہاں ضائع کر دی؟ ساٹھ ستر اسی سو برس تم کیا کرتے رہے؟ اسوقت وہ بندہ جو کفر و شرک میں مبتلا رہا، جو گناہوں میں غرق رہا، جس نے توبہ کا راستہ نہ اپنایا، جس نے سنت چھوڑ کر بدعات اور رسومات میں زندگی گزاری، جو بے ایمانی سے دولت کمانے کو ہوشیاری اور دانائی و عقلمندی سمجھتا رہا، جو جھوٹ بول کر عہدے لے لیتا اور اسے اپنی کامیابی کی دلیل قرار دیتا رہا وہ یہ جواب دیتا ہے **کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ** ہم تو عام آدمی تھے، کمزور لوگ تھے، جس ملک و معاشرے میں رہتے تھے، وہاں طاقتور لوگوں کی بات چلتی تھی۔ قانون ان کے تھے تعلیمی، معاشی عدالتی سیاسی اور معاشرتی نظام ان کا تھا۔ ہماری تو وہاں کوئی حیثیت نہ تھی اور ان کے مطابق زندگی گزارنا ہماری مجبوری تھی۔ فرشتے جواباً کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس سرزمین کو چھوڑ دیتے۔ جہاں کا آئین و دستور جہاں کے قوانین اور نظام، جہاں کا ماحول تمہیں کفر و شرک برائی اور اللہ کی نافرمانی پر مجبور کرتے تھے۔ تم ایسے ملکوں میں رہنے کے بجائے جنگلوں پہاڑوں میں چلے جاتے۔ لیکن کفر و شرک اور گناہوں سے آلودہ زندگی تو نہ گزارتے۔ آج بھی تو تم ساری دنیا چھوڑ کر جا رہے ہو۔ کوئی رشتہ دار تمہیں رکنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ماں، باپ اولاد، بہن، بھائی سب سے جدا ہو رہے ہو۔ آج تم یہ کہہ کر نہیں رک سکتے، کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی، بچے یتیم ہو جائیں گے۔ والدین پریشان ہو جائیں گے۔ آج بھی تو تم گھربار، دولت، موٹر گاڑیاں، زمین، جائیداد ہر چیز چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اگر تمہارا گھربار، کاروبار، رشتے ناتے، تمہیں اسوقت وہ جگہ نہیں چھوڑنے دیتے تھے، تو پھر آج کیوں نہیں رکے؟ جب تمہیں بتا دیا گیا تھا کہ ایک دن یہ ساری دنیا ہی تمہیں چھوڑ کر جانا ہوگا، تو پھر جہاں کا ماحول ناپاک تھا، جہاں کے قوانین غیر اسلامی تھے، جہاں کا معاشرہ غیر اسلامی تھا، جہاں تم گناہ آلود زندگی گزارنے پر مجبور تھے اس ملک کو، اس ماحول کو تم نے کیوں نہ چھوڑا؟ **اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً** اللہ کی زمین کیا وسیع نہیں تھی؟ **فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا ؕ** تم کہیں ہجرت کر جاتے۔ کسی ایسی جگہ چلے جاتے جہاں کم از کم نیکی کرنے پر کوئی پابندی نہ ہوتی۔ کوئی تمہیں اللہ کے راستے پر چلنے سے نہ روکتا۔ حلال کھانے سے نہ روکتا۔ شرک کرنے پر مجبور نہ کرتا۔ تم وہاں چلے جاتے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ سب بہانے ہوتے ہیں۔ جس طرح میڈیکل کے ذریعے علاج کرنے والے

معالج کہتے ہیں کہ مچھر تو بہت سارے انسانوں کو کاٹتا ہے لیکن ہر ایک کو ملیریا نہیں ہو جاتا۔ ملیریا کے جراثیم دراصل جس بندے کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ مچھر کے کاٹنے سے وہ Activate ہو جاتے ہیں۔ ان میں حیات آ جاتی ہے۔ متحرک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ گناہ کے جراثیم بندے کی ذات کے اندر ہوتے ہیں۔ برائی کی خواہش اس کے اندر ہوتی ہے۔ لوٹ مار کرنے کی طمع کا مادہ اندر ہوتا ہے۔ ب برائی کے مواقع آئیں۔ برائی کا ماحول میسر آئے۔ تو وہ ماحول اس کو متحرک کر دیتا ہے۔ یہی حال ہمارے معاشرے کا ہے ہم میں سے ہر ایک کے اندر یہ جراثیم ہیں۔ ماحول سے متاثر ہو کر یہ متحرک ہو جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت کی رحمتیں بھی اسی طرح عام ہیں ہر ایک کے لئے درِ رحمت وا ہے:

ہم اپنے لئے رحمتیں سمیٹ کر اپنے اندر نیکی کا نور انڈیل سکتے ہیں۔ جب اندر نیکی آ جائے گی تو ماحول سے غلط اثر لینے کے بجائے ماحول کو نیکی کے اثر سے پُر نور کر دے گی۔ لیکن ہم نے بحیثیت قوم ساٹھ سال سے پاکستان میں کیا نیکی پھیلائی۔ ہم نے ساٹھ برسوں میں وطنِ عزیز میں کیا کمال کر دکھایا؟ ہم نے انگریز سے کیسی آزادی لی؟ گورے انگریزوں نے ہمیں کالے انگریزوں کی غلامی میں دے دیا۔ آزادی کا مطلب تھا نظام کی تبدیلی۔ انگریزی نظام کی بجائے اسلامی نظام کا نفاذ۔ لوگوں نے اپنی جانیں لاالــہ الا اللــہ کے لئے دیں۔ اسی کلمے کیلئے، اسی اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے، گھروں کے گھر اُجاڑ دیئے اور شہروں کے شہر اُجاڑ دیئے اور لٹے قافلے ناگفتہ بہ حال میں وطنِ عزیز میں داخل ہوئے۔ لاکھوں لوگ راستوں میں رہ گئے۔ پاکستان نہ پہنچ سکے اور جو اتنی عظیم قربانیاں دے کر پہنچ سکے وہ بڑی امیدیں لے کر آئے۔ قدرت اللہ شہاب نے مہاجرین کے وطن آمد پر ہونے والے واقعات کے بارے ''یا خدا'' نامی ایک چھوٹی سی کتاب لکھی تھی۔ اس میں بہت سے دردناک واقعات درج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مہاجرین کے قافلے آ کر ٹھہرتے جس جگہ بعد میں پنجاب کے چیف منسٹر وائیں صاحب نے بابِ پاکستان بنانے کی تجویز دی بلکہ کروڑوں روپے اس کام کے لئے مختص ہوئے پھر وہ بنا یا نہ بن سکا۔ لیکن ہمارا کردار یہ ہے کہ اللہ کے نام پر یہ ملک حاصل کیا گیا اور لٹے پٹے قافلے جب وطنِ عزیز کی سرزمین پر اترتے تو اس وقت کے اربابِ اقتدار وزراء اور اعلیٰ سول آفیسرز وہاں سے نوجوان لڑکیاں اٹھواتے اور اپنی ہوس کا نشانہ بناتے۔ یہ وہ بچیاں تھیں جو سکھوں اور ہندو بلوائیوں سے عزت بچا کر یہاں پہنچیں اور پاکستان پہنچنے پر ہندوؤں اور سکھوں کی حسرت مسلمان افسروں نے یہاں پوری کر لی اور اسی جگہ پر مہاجرین کی یادگار بنانے کے لئے ملک کے کروڑوں روپے ضائع ہوئے۔

جب انگریز ہندوستان پر حکمران ہوا۔ اس نے مسلمانوں کے جاری کردہ آئین و دستور اور ملک

میں رائج اسلامی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر نوآبادیاتی نظام رائج کر دیا۔ ہمارے آج کے دانشور جو یہ کہتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے بعد روئے زمین پر کبھی کہیں بھی اسلام نافذ نہیں رہا۔ یہ نہایت لغویات ہے۔ برصغیر میں اسوقت اورنگ زیب عالمگیر کی نگرانی میں ماہرین اور علماء کرام نے ملک کا آئین ودستور بنایا تھا۔ جو آج بھی علماء کرام اور مفتیانِ کرام کے پاس ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے موجود ہے۔ جس کی سند کے ساتھ مفتیانِ کرام آج فتوے جاری کرتے ہیں۔ انگریز نے مسلمانوں کے آئین ودستور کو ختم کر کے ایسا رزیل نظام جاری کیا جس کا مقصد عوام کو غلامی کے شکنجے میں قید رکھنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس نظام نے غلام عدالتیں بنائیں، وہ قوانین بنائے جو غلاموں کے لئے تھے۔ اسی لئے برصغیر میں موجود انگریز پر اگر کوئی فرد جرم عائد ہوتی تو اسے انگلستان سے باہر بھیج دیا جاتا، اس کا مقدمہ وہاں دائر ہوتا۔ اسلئے کہ وہ آزاد قوم کا فرد تھا۔ آزاد ملک کا شہری تھا۔ وہ آزاد ملک میں جاتا جہاں کی عدالتیں آزاد تھیں۔ لہٰذا انگریز کا مقدمہ انگلستان کی آزاد عدالتوں میں سنا جاتا اور فیصلے دیئے جاتے۔ جبکہ یہاں کے لوگوں کے مقدمات مقامی عدالتیں سنتیں کہ یہ لوگ غلام تھے اور قوانین غلاموں کے لئے تھے۔ جب برصغیر میں یہ صورت حال ہوئی تو علمائے کرام نے برصغیر کو دار الحرب قرار دے دیا اور فتویٰ دے دیا کہ دارالحرب میں نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی اور دارالحرب میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی ظہر ہی ادا کریں۔ گویا آزادی اتنی بڑی ضرورت ہے کہ اگر مسلمان آزاد نہیں تو وہ جمعۃ المبارک کی سعادت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس فتویٰ کے بعد جمعہ منعقد نہ ہوا۔ انگریز کی شیطانی حکمرانی جب طول پکڑتی گئی اور ایک صدی پر محیط ہوگئی تو علماء نے اس پر سوچ بچار کیا کہ اگر حالات طول پکڑ گئے تو لوگ جمعہ پڑھنا بھول جائیں گے۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ فقہی حکم تو تبدیل نہیں ہوسکتا احتیاطی تدبیر کے طور پر جمعۃ المبارک منعقد تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کیساتھ چار رکعت ظہر ادا کی جائے۔ تقسیم ملک سے پہلے کے لوگ جانتے ہیں کہ ہم اگرچہ بچے تھے لیکن بڑوں کے ساتھ جمعہ پڑھنے جاتے تھے تو بعد میں چار رکعت ظہر احتیاطاً پڑھا کرتے تھے۔ تمام مسلمان ایسے ہی کرتے تھے کہ معلوم نہیں جمعۃ المبارک ہوا یا نہیں۔ لہٰذا احتیاطاً ظہر پڑھنا چاہئے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ برصغیر میں انگریز رہتے تھے؟ نہیں! مسلمان ریاستوں میں عیسائی یہودی اور دیگر غیر مسلم رہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز نے اسلامی نظام بدل کر اپنا ایجاد کردہ نوآبادیاتی نظام رائج کر دیا تھا۔ تبدیلی نظام کے باعث برصغیر دارالحرب ٹھہرا۔

جب پاکستان بنا تو کیا انگریزوں کا غلاموں کے لئے بنایا ہوا عدالتی نظام بدل گیا؟ اور اسلامی نظام رائج ہوگیا؟ غلاموں کے لئے ترتیب دیا ہوا سیاسی نظام بدل گیا؟ تعلیمی نظام بدل گیا؟ کیا تبدیلی آئی؟ جب

نظام وہی ہے تو مجھے بھی آج یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وطنِ عزیز آج بھی دار الحرب ہے۔ کیونکہ اس پر وہی کافرانہ نظام مسلط ہے۔ انگریز بدیسی گورے چلے گئے اور دیسی گورے آ گئے۔ بس اتنا ہی فرق پڑا ہے۔ وہی غلامانہ ذلت وخواری ہے اور حالات انگریزوں کے دور سے زیادہ بدتر ہو چکے ہیں۔ انگریزوں کو اپنی حکمرانی قائم رکھنے کے لئے، عوام کو اپنی حمایت میں رکھنے کے لئے، ان کی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ کسی حد تک امن و امان قائم رکھنا ان کی ضرورت تھی۔ لہٰذا وہ قیامِ امن اور انصاف بہم پہنچانے کی کوشش کرتے تھے جتنی ان کی حکومت قائم رکھنے کے لئے ضروری تھی۔ ان کے جانے کے بعد تو یہ آوارہ بھیڑیوں کا گلہ بن چکا ہے۔ جس کے چرواہے، بھیڑیئے بن گئے ہیں۔ بھیڑیوں کو چیر پھاڑ کر کھانے سے غرض ہے۔ انصاف کے نام پر جو کچھ انگریز دیتا تھا اسی نظام میں انصاف اب بکاؤ شئے ہے، بازار سجا ہوا ہے، ہر چیز یہاں بکتی ہے، سرمایہ ہے تو خریدو جو خریدنا چاہو۔ انصاف خریدنا ہے تو لوگ بتاتے ہیں کہ عدالت خریدو، وکیل کرنے کے بجائے جج کرو، وکیل کو فیس نہ دو بلکہ جج کو رقم دو۔ کوئی فیصلہ کروانا ہے تو جج کو پیسے دو۔

جب انگریز حکمران تھے تو انگریز فوج مسلمانوں کو مارتی تھی۔ مسلمان محکوم تھے اور انگریز غیر ملکی ظالم حاکم ان کا ظلم تو سمجھ میں آتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جس فوج کو ہم تنخواہ دے رہے ہیں وہ ہمیں کیوں مار رہی ہے؟ ہماری فوج ہماری حفاظت کرنے کے لئے ہم سے تنخواہ لیتی ہے اور ہمیں ہی گولیوں سے بھون ڈالتی ہے۔ ان تمام قباحتوں کے باوجود ایک بات ہمیں ماننا پڑتی ہے کہ اگر ہم نیکی کرنا چاہیں تو کوئی ہمیں روکتا نہیں، ہم سود نہ لینا چاہئیں تو کوئی ہمیں مجبور نہیں کرتا، ہم حرام نہ کھانا چاہیں تو کوئی ہمیں زبردستی نہیں کھلاتا، رشوت نہ لینا چاہیں تو کوئی ہمیں مجبور نہیں کرتا اور اذان کہنا چاہیں، سجدہ کرنا چاہیں تو کوئی ہمیں روکتا نہیں۔ اس لئے ہم روزے بھی رکھتے ہیں، باجماعت نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جب ہمیں نیکی سے کوئی منع نہیں کرتا تو پھر ہم جاننے کی کوشش کریں کہ

ہم من حیث القوم برائی کی طرف کیوں دوڑ رہے ہیں؟

تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں سارا قصور معاشرے کا اور حکومت کا نہیں ہے۔ ہمارے اپنے اندر بے ایمانی کے جراثیم موجود ہیں۔ ہمارے اپنے دل صاف نہیں ہیں۔ ہماری روحیں زندہ نہیں ہیں۔ ہمارا اپنا تعلق محمد رسول اللہ ﷺ سے بن ہی نہیں سکا۔ بنتا تو اس میں لذت آتی اور ہم اس کے دیوانے ہوتے۔

لذت ایں مے ناشناسی تا نچشی

شاعر نے کہا تھا کہ تم اس پر تنقید تو کرتے ہو لیکن جب تک تم خود اس کو پیو گے نہیں تم اس لذت سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ جب ہم نے نبی رحمت ﷺ سے رشتہ جوڑا ہی نہیں تو آشنا کیسے ہوں گے؟ اس نام کی ہم

نے ایک رسم ادا کر دی ہے۔ رسم اور رشتے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہمارے لوگ جب امریکہ یا یورپ جاتے ہیں تو وہاں رہائش حاصل کرنے کے لئے ایک طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اسے paper marriage کہتے ہیں یعنی کاغذوں میں شادی۔ غیر ملکی لڑکا ملکی لڑکی کو کاغذوں میں بیوی ظاہر کرتا ہے۔ لڑکی اس کے عوض کچھ رقم لیتی ہے اسکے علاوہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کاغذی شادی کے سبب لڑکے کو اس ملک میں رہنے کی اجازت مل جاتی ہے اور چند سال بعد وہاں کی شہریت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس لڑکی کو رقم ملنا بند ہو جاتی ہے اور معاملہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ ہم نے بھی اسلام کو قبول نہیں کیا اسلام کے ساتھ پیپر میرج کی ہوئی ہے۔ پیپر میرج میں تعلق اور رشتہ نہیں ہوتا، رشتے کا پاس نہیں ہوتا، میاں بیوی بن کر نہیں رہتے، ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، اولاد کی پرورش نہیں ہوتی، نہ کوئی تعلق نہ ذمہ داری۔ ہماری اکثریت نے بھی اسلام سے پیپر میرج کر رکھی ہے نہ دل سے کلمہ پڑھا ہے نہ تعلق بنا۔ اگر کوئی دل سے کلمہ پڑھ لے تو اس کلمے میں اتنی قوت ہے، اتنی طاقت ہے کہ اگر صدیوں سے کفر و شرک کسی پر مسلط ہو صرف یہ کلمہ قبول کر لینا ہی اس کے کفر و شرک و لحوں میں اتار کر بندے کو خالص کر دیتا ہے۔ صرف ایک بار کلمہ قبول کر لیا تو عمر بھر کے کفر و شرک سے پاک کر کے خالص اللہ کے لئے مخلص کر دیتا ہے۔ اس طرح جیسے اس نے آج تک کوئی گناہ نہیں کیا۔ ہمیں اَسّی، برس ہو گئے کلمہ پڑھتے ہوئے ہماری اصلاح ہوتی ہی نہیں۔ ادھر حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر کوئی کافر ستر اسی برس کفر میں گزار کر ایک بار سچے دل سے کلمہ پڑھ لے تو وہ اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنا۔ کلمے میں اتنی طاقت ہے کہ ہر گناہ پر جرم دھل کر بندہ پاک ہو جاتا ہے تو ہمیں تو پون صدی بیت گئی کلمہ پڑھتے ہوئے، ہمیں نہ اللہ کے موجود ہونے کا احساس ہے، نہ اللہ کے نبی ﷺ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ ہماری اسلام سے پیپر میرج ہی ہوئی ہے جس میں ہم خود کو مسلمانی کا دھوکہ دیتے ہیں۔ کیا کوئی مسلمان ہو کر نماز نہ پڑھنے کی عادت بنائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا **من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر او كما قال رسول الله** ﷺ۔ علمائے حدیث اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایسے شخص نے دعویٰ تو اسلام کا کیا اور کام کافروں جیسا کیا۔ عمداً نماز چھوڑنا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا یہ تو کافر کا شعار ہے۔ اس طرح ہم سود کھاتے ہیں لیکن اس کا نام منافع رکھ دیا ہے۔ میاں محمد نواز شریف کے دور میں شریعت کورٹ نے سود حرام قرار دے دیا۔ میاں صاحب وزیر اعظم تھے وہ اسے سپریم کورٹ لے گئے وہاں پھر اس کی سماعت نہ ہو سکی میاں صاحب کی حکومت گئی اور نو سال مشرف نے بھی گزار لئے۔ اب پھر میاں صاحب اور زرداری صاحب آ گئے لیکن اس اپیل کی سماعت سپریم کورٹ نے ابھی تک نہیں کی۔ لیکن اس عرصے کے دوران کیا ہمارے کلمے نے ہمیں سود کھانے سے روک دیا؟

حکومت تو مجبور نہیں کرتی پھر ہم اپنا سرمایہ بلاسودی کھاتے میں کیوں نہیں رکھتے ؟ بلکہ میاں صاحب نے تو یہ بھی کرم فرمایا کہ سود کو سود نہ کہا جائے مارک اپ کہا جائے۔ یعنی کتے کا نام دنبہ رکھ لیں اور کھاتے رہیں تو کیا نام بدلنے سے کتا دنبہ ہو جائے گا؟ کیا نام بدلنے سے سود حلال ہو جائے گا؟ کیا سود کو منافع کہہ کر یا مارک اپ کہہ کر حلال سمجھا جا سکتا ہے؟ کتے کو بکرا کہہ کر کھانے سے کیا وہ حلال ہو جائے گا؟ بیماری تو یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ کسی شخص نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے کسی کام سے ڈاک خانے گیا تو باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ ڈاک خانے میں پیسے جمع کروائیں تو بینک سے زیادہ سود ملتا ہے۔ اسی اثناء میں اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت عجلت میں تھا اور اپنی رقم پر جمع شدہ سود کی رقم کے بارے میں استفسار کر رہا تھا۔ ڈاک خانے کے کارندے نے حساب لگا کر اسے بتایا کہ اس کی سود کی رقم ایک لاکھ اور چند ہزار ہو چکی تھی۔ وہ شخص پوری رقم یک مشت لینے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ڈاک خانے والے نے اس سے پوچھا کہ وہ اتنی رقم کو کیا کرے گا۔ اس نے کہا کہ اسے حج کے لئے رقم جمع کروانی ہے اور اتفاق سے سود کی رقم اس کے لئے کافی ہو گئی ہے۔ لہٰذا اصل رقم کی ضرورت نہیں صرف سود ہی کافی ہے۔ گویا اتنی دلیری آگئی ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو سود نہیں چھوڑے گا اس کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ ہے اور بندہ اتنا دلیر ہو جائے کہ سود کی رقم لے کر بیت اللہ بھی جائے۔ روضۂ اطہر پر بھی جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ بھی کرے۔ تو یہ تو ایسے ہی ہے جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ دیکھ لیں میں تو سود کھاتا ہوں، یہ اخراجات بھی سود سے پورے کر کے یہاں آ گیا ہوں، آپ نے میرا کیا بگاڑ لیا ہے۔ (معاذ اللہ)

ایسے ہی لوگوں پر جب موت آتی ہے تو پھر کہتے ہیں کہ ہم تو بہت مجبور لوگ تھے۔ ہم تو معاشرے کے طاقتور لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہی عمل کرتے رہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ تم مجبور تھے تو اللہ کی زمین کیا وسیع نہیں تھی؟ کسی ایسی جگہ چلے جاتے کہ جہاں نیک لوگ ہوتے، اطاعت گزار لوگ ہوتے، وہاں کا ماحول پاکیزہ ہوتا، تمہیں یادِ الٰہی نصیب ہوتی، عبادات نصیب ہوتیں، کھانے کو حلال ملتا اور تم اللہ کی فرمانبرداری کی زندگی گزار سکتے۔ لیکن اب یہ بہانے نہیں چلیں گے۔ **فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ** اب تم اس انجام کو پہنچ گئے ہو جو تم نے زندگی بھر اللہ کی نافرمانی کر کے پایا ہے۔ اب تم ہو، جہنم کی آگ ہے، جہنم کی زنجیریں ہیں، آگ کا لباس ہے اور یہ سب تم نے اپنے لیے خود پسند کیا ہے۔ **وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۹۷** یہ بہت بری جگہ ہے جو تم نے اپنے لیے چنی ہے جس کے لئے تم نے عمر لگائی، زندگی ختم کر دی اور حاصل کیا کیا۔ جہنم! جو بہت بری جگہ ہے۔ **اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ**

وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ ہاں ایسے معاشرے میں کچھ لوگوں کے رہ جانے کا جواز بھی ہے۔ ایسے لوگ واقعی مجبور ہوتے ہیں اور اس مجبوری کے باعث برے معاشرے میں رہ سکتے ہیں۔ یعنی بہت مجبور و معذور، مرد و خواتین ایسے جو نہ تو سفر کر سکتے ہیں نہ اپنی زندگی کا کچھ سامان آبادی سے باہر جا کر کر سکتے ہیں۔ وہ اتنے کمزور، معذور و مجبور افراد ہیں جو نہ تو آبادی سے باہر کے راستوں سے واقف ہیں نہ اپنی زندگی کے لیے اسباب و وسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ تو وہ انہیں معاف فرما دے گا۔ وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ اور اللہ کی شان ہی یہ ہے کہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کی شان کو یہ زیبا ہے کہ وہ بندوں کو بخشے اور ان پر رحم کرے۔ لیکن جو خود اللہ کی رحمت کو ٹھکرا کر جہنم کی طرف بھاگے تو یہ اس بندے کا اپنا فیصلہ ہے۔ اللہ کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (البقرۃ ۵۷) بلکہ لوگ اپنے آپ پر خود ظلم کرتے ہیں۔

ہمیں وطنِ عزیز جیسی عظیم دولت کا اندازہ کرنا چاہیے کہ ہزار خرابیوں کے باوجود یہاں ہمیں نیکی کرنے سے کوئی نہیں روکتا۔ اس کے باوجود جب ہم نہیں کرتے تو پھر ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہئے۔ اللہ کریم ہمیں ہدایت دے۔ مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس نو آبادیاتی نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور اسلام نافذ کریں تاکہ ملک واقعی آزاد ہو۔ ملک افراد کے بدلنے سے نہیں نظام کے بدلنے سے آزاد ہوتے ہیں۔ جب تک ہم مسلمان بحیثیت مسلمان اسلام کا عادلانہ نظامِ سلطنت، معیشت و معاشرت نافذ نہیں کریں گے غلامی بدستور جاری رہے گی۔ یورپین گوروں کی نہ سہی دیسی گوروں کی سہی۔ اللہ ہمیں غلامی کی اس لعنت سے نکلنے کی توفیقِ عمل دے، قوتِ جہاد دے، نورِ ایمان دے اور اپنے نبی کریم ﷺ کا عشق نصیب کرے۔ آمین۔

سورۃ النساء آیات 101 تا 104 رکوع 15

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا
مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ
فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫
فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَ لْتَاْتِ
طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ
لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ
عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ
بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا
اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا
اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا (بلکہ ضروری ہے) کہ تم نماز کو کم کردو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے صریح دشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف رکھتے ہوں پھر آپ ان کو نماز پڑھانا چاہیں تو یوں چاہیے کہ ان میں ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور وہ لوگ ہتھیار لے لیں، پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں۔ اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی آجائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں، کافر لوگ (یوں) چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کر بیٹھیں، اور اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تمہیں اس میں کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار رکھو، اور اپنا بچاؤ لے لو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے سزا اہانت آمیز تیار کر رکھی ہے ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو۔ یقیناً نماز مسلمانوں پر اپنے مقرر اوقات کے ساتھ فرض ہے۔ ﴿۱۰۳﴾ اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں اگر تم الم رسیدہ ہو تو وہ بھی تو الم رسیدہ ہیں جیسے تم الم رسیدہ ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں کی

امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ امید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، بڑے حکمت والے ہیں ﴿۱۰۴﴾

سفر میں صلوٰۃ کے احکام:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ

فرمایا جب تم سفر کی حالت میں ہوتے ہوتو کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی صلوٰۃ کی فرض رکعتوں کو آدھا کردو۔ فقہا کرام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے کم از کم پینتالیس یا پچاس میل کے سفر پر نکلتا ہے تو وہ مسافر ہے۔ اب دورانِ سفر فجر کی دو رکعت، ظہر کی دو رکعت، عصر کی، دو مغرب کی تین اور عشاء کے بھی دو فرض ہی پڑھے گا۔ اس لئے کہ سفر میں صلوٰۃ کی رکعات آدھی ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ سفر میں ہیں لیکن فرصت ہے لہٰذا وہ قصر کے بجائے پوری صلوٰۃ پڑھ لیتے ہیں تو یاد رہے کہ کسی نے سفر میں قصر کے بجائے پوری صلوٰۃ ادا کر لی تو اس کی فرض صلوٰۃ بھی ادا نہیں ہوئی اور پڑھی گئی رکعات نوافل شمار ہوں گی۔ اس کی فرض نماز اس کے ذمے باقی رہے گی اگر سفر میں کوئی صلوٰۃ قضاء ہوگئی گھر پہنچ کر قضاء ادا کی تو وہ بھی دو رکعت ہی ادا کرنا ہوگی۔ کیونکہ قصر کی قضاء بھی قصر ہی ہوتی ہے۔ اگر کسی جگہ چودہ دن کا قیام ہو اس جگہ قصر صلوٰۃ پڑھی جائے گی۔ چودہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہے تو نماز قصر پڑھے گا۔ اگر قیام کا ارادہ دس دن تھا یا چودہ دن سے کم کا تھا لیکن کام دس دن میں مکمل نہ ہوا مزید دس بارہ دن قیام کرنے کی ضرورت پڑ گئی پھر بھی قصر ہی پڑھے گا۔ خواہ اسی طرح مدت قیام دراز ہوتی جائے۔ جب تک ارادہ چودہ دن یا اس سے کم قیام کا ہوگا صلوٰۃ قصر ہی رہے گی۔ بعض لوگ اللہ کی دی ہوئی رخصت کو استعمال نہیں کرتے اور پوری صلوٰۃ پڑھنے کو عزیمت سمجھتے ہیں تو یہ تقویٰ نہیں گستاخی ہے۔ اللہ کریم کی اطاعت میں ہی تقویٰ ہے۔ جب وہ پوری رکعتیں پڑھنے کا حکم دے تو پوری پڑھنا اطاعت ہے۔ جب وہ قصر پڑھنے کی رخصت دے تو قصر کرنا ہی اطاعت ہے۔ اسی طرح زخم لگ جائے تو اس پر مسح کی شرعاً اجازت ہے لیکن لوگوں کو وہم ہو جاتا ہے کہ زخم خراب ہوتا ہے تو ہوتا رہے وہ ضرور وضو کریں گے اور تیمم کی اجازت سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ یہ بہادری نہیں الٹا جرم ہے کہ بندے کی کیا حیثیت ہے کہ دین کے احکام میں دخل اندازی کرے۔ دین تو اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہے۔ جہاں اللہ نے تیمم کی اجازت دی ہے، حضور ﷺ نے طریقہ سکھا دیا ہے، احکامات بتائے ہیں، اس کے مطابق کرنا چاہئے اور یہ وہم نہیں کرنا چاہئے کہ صرف وضو کرنے سے ہی پاکیزگی

حاصل ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ وضو کرنے سے جلد پاک ہوتی ہے، تیمّم سے ہڈیاں اوران کے اندر کا گودا پاک ہوجاتا ہے۔ لہٰذا دین پر عمل اس طرح کرنا ضروری ہے کہ جس طرح شارع علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ یہ کوئی بہادری نہیں کہ تیمّم کی اجازت بھی ہو لیکن بندہ ضد کرے کہ وہ یہ اجازت استعمال نہیں کرے گا۔ اس آیۃ مبارکہ میں فرمایا کہ اگر تم سفر میں ہو تو صلوٰۃ کی رکعت کو نصف کردو اس میں حرج نہیں ہے۔ یہ نہ سوچو کہ قصر کا اجر کم ہے۔ قصر کا اجر اتنا ہی ہے جتنا چار رکعت پڑھنے کا ہے۔ معراج میں جب اوّل پچاس نمازیں فرض ہوئیں تو حضرت موسیٰؑ کے مشورے سے آپ ﷺ نے بار بار بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی تو پچاس سے کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے فرمایا ہے کہ جو یہ پانچ ادا کرے گا میں اسے اجر پچاس نمازوں کا ہی دوں گا۔ گویا اللہ کریم نے اجر میں کمی نہیں کی تعدادِ صلوٰۃ کے حکم میں کمی کی ہے۔ آپ ﷺ کا جو اُمتی پانچ نمازیں ادا کرے گا اسے پچاس کا ہی اجر ملے گا۔ اسی طرح اگر قصر میں اللہ نے رکعتیں کم کردی ہیں تو اجر میں کمی نہیں فرمائی اجر پوری صلوٰۃ کا ہی ملے گا۔

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

اس آیۃ مبارکہ میں صلوٰۃ کو قصر پڑھنے کا دوسرا جواز بتایا گیا ہے۔ پہلا جواز سفر تھا دوسرا جواز خوف ہے کہ اگر کفار کے فتنے کا اندیشہ ہو یا کہیں فساد ہو رہا ہو اور جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑھے یا کفار کے مقابلے کے لئے مورچے میں بیٹھنا پڑے دورانِ جہاد خطرات سے دوچار ہوں تو صلوٰۃ قصر کرلیں۔ **اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾** اور یہ بات یاد رکھو کہ کافروں سے کبھی بھلائی کی امید نہ رکھو۔ وہ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ بات یہ ہے کہ شکوہ غیروں سے نہیں ہوتا، شکوہ اپنوں سے ہوتا ہے۔ یہی بات اللہ کریم نے فرمادی ہے کہ کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں تو تم ان سے بھلائی کی امید نہ رکھو۔ اس آیۃ مبارکہ کے حوالے سے اپنا قومی رویہ دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم کافر طاقتوں کا رونا روتے ہیں، امریکہ کے مظالم کی بات کرتے ہیں، اس کا علاج کافر طاقتوں کا شکوہ نہیں اپنے آپ کو درست کرنا ہے۔ تاکہ کافر طاقتیں ہم پر مظالم ڈھانے کا سوچ بھی نہ سکیں۔ اللہ پاک اسی طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ تم اپنی وفا اللہ سے ثابت کرو۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت کرو دشمن منہ دیکھتے رہ جائیں گے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** (ال عمران 139) اگر تم مومن ہوگے۔ شرط ایک ہی رکھی ہے کہ اگر تم میرے بندے بن کر رہے۔ میرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں زندگی بسر کرتے رہے تو تم فاتح ہو۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت تمہیں شکست نہیں دے سکتی لیکن اگر تم

نے ایسا نہ کیا تو ذلت وخواری تمہارا مقدر بن جائے گی۔ اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وفا نہیں کرو گے تو ذلت تمہارا مقدر بن جائے گی، سبب خواہ کوئی کافر طاقت ہو۔ آج ہمارے حالات ہمیں یہی نتائج دکھا رہے ہیں کہ ہم اللہ اور اللہ کے نبی کریم ﷺ سے وفا نہ کر کے کافروں کا کھلونہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے دروازے کی جبہ سائی کرتے ہیں۔ ان سے اتنے مرعوب ہیں کہ ان کی تہذیب اپنانا باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔ کافروں کی بے حیائی فحاشی اور بے حجابی پر مبنی تہذیب کے زیرِ اثر ہمارے ہاں نیم لباسی اور بے حجابی نے رواج پالیا ہے۔ نتیجتاً غیرت، آبرو، حیا اور عزت جیسی اقدار معاشرے سے غائب ہو رہی ہیں۔ یہ علاقہ دورافتادہ ہے۔ زیادہ تر گھرانے فوجی ملازمت کرتے ہیں یا دیگر محکموں میں ملازمت کرتے ہیں۔ اس علاقے میں یہی تہذیب تھی کہ میاں بیوی اہل خانہ کی موجودگی میں آپس میں گفتگو نہیں کرتے تھے۔ اشاروں کنایوں میں بات ہوتی تھی۔ ماحول میں حجاب اور حیا کی خوشبو رَچی بسی ہوتی تھی۔ کفار کی تہذیب کی یلغار کا اثر یہاں بھی در آیا ہے اور یہاں بھی اب عزت و سربلندی، انگریزی طور اطوار، حلیئے، نیم لباسی و بے حجابی میں ہے۔ مرد بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں بڑا آدمی ہوں کہ میرا لباس غیر ملکی انداز کا ہے، میری بیوی کے بال تراشے ہوئے ہیں، انداز اور حلیہ مکمل بے حجابانہ ہے۔ ہمارے ملک کی درآمدات میں بناؤ سنگھار کی اشیاء پر کثیر رقوم خرچ ہوتی ہیں لیکن یہ سمجھ نہیں آتی کہ چہرے بناوٹی بنانا کون سی خوبصورتی ہے؟ لیکن جب کفار کی تہذیب سے مرعوب ہو گئے تو اس کا اثر غیر شعوری طور پر ہر چیز پر آیا۔ کفار کے نظریات نے متاثر کرنا شروع کر دیا۔ اعمال وکردار میں ان کا اثر آیا۔ اخلاقی اور معاشرتی اقدار بدلیں، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نام جاتا رہا اور ہم صاحب لوگ بن گئے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جو آدمی دشمن کی غلامی کر رہا ہو وہ اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ اب دشمن اس پر مہربانی کر رہے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ دنبہ اگر کسی بھیڑیئے کے بھٹ کی صفائی کرتا رہے اور اس خوش فہمی میں رہے کہ اس نے تو بھیڑیئے کا اتنا کام کیا ہے کہ اب وہ آکر اسے کاٹ نہیں کھائے گا بلکہ خوش ہوگا، ممنون ہوگا تو دنبے کی یہ خوش فہمی ہے۔ اس لئے کہ بھیڑیا اگر دنبوں کو پیار کرنے لگے تو زندہ کیسے رہے۔ اسلئے اللہ پاک نے فرمایا اپنے مقام کو پہچانو، کفار سے شکایت نہ کرو وہ تو تمہارے دشمن ہیں۔ دشمنی ہی کریں گے۔ تم اپنا محاسبہ کرو کہاں کھڑے ہو؟ کیا کردار ہونا چاہئے؟ کیا ہو چکا ہے؟ اپنا بھلا خود چاہو، اپنی اصلاح خود کرو، اپنے فیصلے خود کرو، اپنی معیشت، اپنے قوانین، اپنے اقدام سب کچھ اپنے اللہ اور اللہ کے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے دائرے میں لے آؤ۔ یاد رکھو کہ سارے کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

عین حالتِ جنگ میں بھی اللہ کی حضوری کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہو جاؤ۔ اصل حیات اسی میں ہے کہ

میدانِ جہاد میں برستے گولوں میں صلوٰۃ الخوف ادا کرلو لیکن صلوٰۃ قضاء نہیں کرو۔ یہ حاضری زندہ رہنے سے زیادہ ضروری ہے۔ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فرمایا اس حالت میں اے میرے حبیب ﷺ! اگر آپ درمیان میں موجود ہوں تو آپ انہیں صلوٰۃ الخوف اسطرح پڑھائیں کہ آدھی فوج آپ کے ساتھ دو رکعت ادا کرے اور آدھی فوج دشمن کے مقابلے پر رہے۔ دو رکعت پوری کر کے مقتدی سلام پھیر کر اپنی پوزیشن پر واپس چلے جائیں اور دوسرے لوگ آ کر دو رکعت پڑھ لیں۔ یعنی میدان بھی نہ چھوڑا جائے اور اللہ کی حاضری بھی نہ چھوڑی جائے۔ صلوٰۃ اتنی اہم عبادت ہے کہ یہ کسی حالت میں ترک نہیں کی جاسکتی۔ میدانِ کارزار میں بھی، جب دشمن کے خلاف نبرد آزما ہوں تب بھی اسے ادا کرنا ضروری ہے۔ اور آج اتنی اہم عبادت ہماری گپ شپ کی نذر ہورہی ہے، کاروبار کی نذر ہورہی ہے، دکاندار دکان بند نہیں کرسکتے یہاں تک کہ پانچ دس بھیڑ بکریاں چروانے والے بھی اپنے کام کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ سجدہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ کریم نے عین حالتِ جنگ میں بھی صلوٰۃ معاف نہیں کی۔ اس لئے کہ وہ حاضری ہی طاقت ہے، وہ نور ہے جو بندہ اللہ کی عبادت سے حاصل کرتا ہے۔ اگر عبادت کی قوت حاصل نہ ہوئی تو ایمان میں حیات کہاں سے آئے گی؟ لہٰذا ہر حالت میں اس حیات کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ مومن کی زندگی ہی اللہ سے تعلق پر ہے۔ صلوٰۃ اس کا اہم ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۪ وَ لْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَ لْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ ۚ آدھے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اپنی دو رکعت پوری کر کے اپنے ہتھیار اٹھا کر مقابلے کے لئے کھڑے ہوجائیں اور دوسرے آ کر دو رکعت ادا کرلیں اور جب وہ بھی فارغ ہوں تو اپنے ہتھیار اٹھالیں اور مقابلہ کریں۔ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ جب تم اپنے اسلحہ اپنے ہتھیاروں سے غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یلغار کردے لیکن اسے ایسا موقع نہ دو۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَ خُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ ہاں قدرتی آفات آجاتی ہیں، بیماری آجاتی ہے یا تیز آندھی طوفان بادوباراں کہ تم میدان میں کھڑے نہیں رہ سکتے تو مورچے میں چلے جاؤ۔ وہاں سے مقابلے کے لئے تیار رہو یا بیمار ہوگئے ہو تو پیچھے ہٹ جاؤ اور ہتھیار رکھ دو۔ اس طرح کے حالات اسباب فطرت ہیں۔ ان میں یہ رعائتیں دی گئی ہیں اور ان حالات میں ہتھیار رکھ دینے کی وجہ سے

دشمن تم پر غلبہ نہ پاسکیں گے۔ اس لئے کہ یہ حالات فطری ہیں۔ تم میں سے جو بیمار ہے وہ ہتھیار رکھ دے گا تو باقی سب تو مستعدرہیں گے مسلمانوں سے تو یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ کامیابی ایمان والوں اور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرنے والوں کا مقدر ہے اور عَذَابًا مُّهِينًا دوعالم میں ذلت آمیز عذاب کافر کا حصہ ہے۔

اُمت مسلمہ آج دنیا میں زبوں حال کیوں ہے:

اُمت مسلمہ اگر آج دنیا میں ذلت سے دوچار ہے تو دیکھنا ہوگا کہ اُمت نے کہیں کافر کے شعار تو اختیار نہیں کر لئے ؟ کیونکہ ایمان، عمل صالح، اتباعِ رسالت ﷺ پر تو نہ عذاب آتا ہے، نہ ذلت آتی ہے تو پھر یہ ذلت بھرا عذاب جو کفر کا انجام ہے اس سے اُمت مسلمہ کیوں دوچار ہے؟ ایک آدمی پہلے صحت مند ہو لیکن کسی وقت زہر کھالے تو اس کا مرجانا یقینی ہے۔ یہی بات مومن و کافر کے ساتھ ہے۔ خواہ کافر زہر کھائے یا مومن جو زہر کھائے گا وہ مرجائے گا۔ زہر تو ہے ہی سمِ قاتل۔ اگر مسلمان کہلانے والا کافر کا کردار اپنائے گا تو ذلت و رسوائی اس کا بھی مقدر بن جائے گا۔ جس طرح زہر کھانے سے موت واقعہ ہوجاتی ہے اسی طرح کفریہ عقائد و اعمال پر دنیا و آخرت کی ذلت و خواری مرتب ہوتی ہے۔ اگر اُمت مسلمہ کفار کے نظریات و اعمال اپنائے گی تو خواری تو ان کفریہ اعمال کے ساتھ آئے گی۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں **عذاب مهين** یعنی ذلت کا عذاب تو بنا ہی کافروں کے لئے ہے۔ اور کوئی عذاب مومن کے لئے تخلیق نہیں کیا گیا تو بندہ مومن و مسلمان کو اگر آج یہ شکایت ہے تو اسے سوچنا ہوگا کہ کہیں وہ کفر میں تو نہیں گھس گیا؟ اگر کوئی تنور میں آدھا بھی گھس گیا تو اس کے بال اور چہرہ تو ضرور جھلس جائے گا کہ تنور کا کام تو جلانا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ میں نے تو یہ عذاب بنایا ہی کافروں کے لئے ہے۔ تو تم خود کو گھسیٹ کر اس میں لے جانا چاہتے ہو کہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہو اور کردار کافروں کا اپنا لو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم ان عذابوں کو خود اپنے اوپر مسلط کر رہے ہو۔ تمہیں تو اللہ کی اطاعت کرنا ہے، اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ کرنا ہے اور رحمتِ الٰہی کے سائے میں رہنا ہے۔ ذلت و عذاب تمہارے لئے نہیں ہیں یہ کافروں کے لئے ہیں۔ جنہوں نے خود رحمت الٰہی سے اپنا دامن اپنی مرضی سے چھڑا لیا ہے۔ اب اگر تم کافروں کے شعار ان کی اقدار اور ان کے جیسے اعمال کر کے اس عذاب سے دوچار ہو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ سمجھنے کی بات ہے جیل تو بنی ہی مجرموں کے لئے ہے جو جرم کرے گا وہ جیل ہی تو جائے گا اور اگر کوئی علامہ، فاضل بھی جرم کرے تو جیل تو اسے جانا ہی ہے وہ خواہ کتنا ہی احتجاج کر لے کہ وہ بڑا عالم ہے لیکن اسے بتا دیا گیا ہے کہ عالم ہو کر جرم کیا تو اب عالم ہونا جیل جانے سے نہیں بچا سکتا۔ دنیا کی جیل تو انسانوں کے عدل پر ہے۔ یہاں تو بے گناہ کو

بھی جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں ایسا نہیں ہوتا اس نے فرمایا ہے کہ ذلت آمیز عذاب یقیناً کافروں کے لئے ہے سو اگر آج اُمت مسلمہ کو شکایت ہے کہ ہم ذلیل ہو رہے ہیں تو ہمیں تلاش کرنا چاہئے کہ ہم کون سے کام کافروں جیسے کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں ذلت کا عذاب ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ وہ کام چھوڑ دیں تو ذلت ٹل جائے گی۔ اللہ کرے اس آسان سی بات کی سمجھ عام آدمی کو آئے اور اللہ ہمارے حکمرانوں کو بھی شعور دے، انہیں اس کی سمجھ دے اور انہیں یقین ہو جائے کہ پناہ امریکہ کے دامن میں نہیں ہے، پناہ چین، روس، یا کسی عالمی طاقت کے دامن میں نہیں ہے۔ ہماری پناہ کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کا دامن بہت وسیع ہے اور اسی دامانِ رحمت میں ہماری حیات ہے، ہماری آبرو ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ذکرِ قلبی نصِ قرآن سے واجب ہے:

ارشاد فرمایا جب صلوٰۃ ختم کر چکو تو اللہ کا ذکر اس طرح کرتے رہو کہ تمہارا کوئی حال ذکرِ الٰہی سے خالی نہ ہو۔ کھڑے ہو، بیٹھے ہو یا لیٹے کسی حال میں بھی ذکر الٰہی منقطع نہ ہو۔ ایمان قبول کرنا اور اس کی قلبی تصدیق کرنا بھی ذکر الٰہی ہے۔ جو عمل شریعت کے مطابق ہو وہ عملی ذکر ہے۔ تلاوت، تسبیحات اور صلوٰۃ زبانی ذکر کی صورتیں ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے پہلے صلوٰۃ الخوف کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس آیۃ مبارکہ میں قرآنِ حکیم کا مطالبہ کچھ زیادہ ہے۔ عین حالتِ جنگ میں صلوٰۃ ادا کرنا ضروری اور فرض ہے۔ جب گردنیں تن سے جدا ہو رہی ہوں اس حالت میں بھی صلوٰۃ ایسی عبادت ہے جس کے اوقات معیّن ہیں۔ جس کا طریقہ کار بتا دیا گیا ہے کہ کیسے مختصر کریں۔ لیکن معاف نہیں کی گئی۔ صلوٰۃ ایسی عبادت ہے جس کے اوقات معیّن ہیں، جس کا طریقہ متعین ہے، جس کی تمام تفصیلات معیّن ہیں، اس لئے وہ ابتداء سے اختتام تک جب ادا کر لی جائے تو مکمل ہو جاتی ہے۔ اور تکمیلِ صلوٰۃ کے بعد جس چیز کو لامتناہی طور پر کرنے حکم دیا جا رہا ہے وہ اللہ کا ذکر ہے۔ فرمایا صلوٰۃ مکمل ہو جائے لیکن اللہ کا ذکر ختم نہ ہو۔ اللہ کا ذکر ہر حال میں ہوتا رہے۔ کھڑے ہو تو ذکر ہوتا رہے، بیٹھ جائے یا لیٹ جائے ذکر ہر حال میں ہوتا رہے۔ کسی حال میں بھی ذکر الٰہی میں انقطاع نہیں آنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت سوائے ذکر قلبی کے ممکن نہیں۔ قرآن حکیم کے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے ذکر لسانی ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایک حد کے بعد لسانی ذکر منقطع کرنا پڑتا ہے۔ ذکرِ قلبی کے سوا کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ یہ حکم بجا لایا جائے لہٰذا ذکرِ قلبی نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ ہر بندہ مومن مرد و عورت پر ہر حال میں فرض

ہے، ضروری ہے اس سے چھٹکارا نہیں۔ بندے اور مالک کا رشتہ مالک کی طرف سے تو بے شمار پہلوؤں سے ہے کہ اللہ رب العزت ہے۔ ہر لحہ، ہر ضرورت پوری فرما رہا ہے۔ اس کی طرف سے یہ رشتہ برقرار ہے، نگاہ اس کی عطا ہے، سماعت اس کی عطا ہے، قوتِ گویائی اس کی عطا ہے، وہ ہر لمحے یہ قوت دیتا ہے اور جب چاہے روک بھی سکتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی ضروریات کے تمام پہلوؤں کی تکمیل وہ نہایت محبت اور تسلسل کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس کے کرم کے رشتے ہر فرد کے ساتھ بے شمار ہیں۔

اللہ کے کرم کے رشتے تو ہر فرد کیساتھ بے شمار ہیں' بندے کا رشتہ ذاتِ باری سے کیا ہے؟

بندے کا اپنے مالک سے رشتہ بندہ ہونے کا ہے۔ وہ خالق ہے بندہ مخلوق ہے۔ وہ قادر ہے بندہ عاجز ہے۔ بندہ جب ذاتِ باری پر ایمان لے آئے تو اس کا رشتہ استوار ہوتا ہے گویا رشتہ ایمان کا ہے پھر ایمان لانے کے بعد عمل صالح کرتا ہے۔ یہ رشتہ اطاعت کا ہے۔ پھر جب اللہ کی حمد وثناء کرتا ہے، اس کی فرمانبرداری کرتا ہے، تو اس کا اللہ سے عبدیت کا تعلق استوار ہوتا ہے۔ عبادات کرتا ہے تو عبدیت کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے، لیکن تمام ظاہری عبادات شروع ہوتی ہیں اور مکمل ہو جاتی ہیں۔ صلوٰۃ مقررہ وقت پر پڑھی جاتی ہے، ادائیگی صلوٰۃ پر مکمل ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے، روزے کی بھی ایک حد ہے، حج کے دن اور مناسکِ حج معین زمانے میں ہی ادا ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس عبادت کی بھی ایک حد ہے اور یہ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے کافی نہیں اس لئے کہ اس کی رحمت کا تعلق وقتی نہیں۔ اس کی رحمت مسلسل ہے۔ اس لئے اس کا شکر بھی مسلسل ادا ہونا چاہئے اور شکر کا طریقہ کار یہ ہے کہ بندوں کے دل اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوں۔

اللہ کی رحمتیں اور نعمتیں کس طرح مسلسل عطا ہو رہی ہیں۔ موجودہ سائنسی تحقیق سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تحقیق ہے کہ انسانی وجود خلیات سے مل کر بنا ہے ہر خلیہ اپنی جگہ دوسرا اس طرح کا خلیہ بنا کر خود معدوم ہو جاتا ہے اور چھ ماہ میں تمام انسانی اعضاء کے خلیات مکمل تبدیل ہو چکے ہوتے ہیں۔ انسانی وجود کے اندر خلیات کی موت وحیات کا تسلسل زندگی بھر ہوتا رہتا ہے اور اللہ کی ودیعت کردہ قوتیں مسلسل کام کرتی رہتی ہیں۔ قوائے جسمانی اس تبدیلی خلیات کے باوجود اپنا کام جاری رکھتے ہیں۔ اس طرح بندے پر اللہ کی عطا بے پایاں ہے اور ہر لمحے ہے اور بندہ چند سجدے کر کے جمعے کی دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے۔ اگر نمازی بھی ہے تو عصر تک اسے پھر یاد ہی نہ کرے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ جہاں تک لینے کی بات ہے اس کے کرم کی بات ہے تو وہ علی الدوام ہو، اس کی ربوبیت کے سبب ہر لمحے عطا کی جا رہی ہو، ہم لئے جا رہے ہوں اور شکر

محض وقتی ہو۔اس لئے فرمایا ہر حال میں ذکرِ الٰہی کرتے رہو میری یاد کو دوام بخشو۔اسی آیۂ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ

بندے کا اپنے رب سے تعلق شکر ادا کرنے کا ہے۔دوامِ ذکر شکر کا طریقہ ہے:

تو جو لوگ یہ کہتے ہیں صلوٰۃ ادا کر دی تو ذکر کا حق ادا ہو گیا۔انہیں اس آیت کے حکم کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ کریم ادائیگی صلوٰۃ کے بعد ذکرِ دوام کا حکم دے رہے ہیں۔فرمایا **فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ** جب صلوٰۃ ادا کر چکو یعنی حالتِ جنگ میں قصر دو رکعت پڑھے اور صلوٰۃ ادا ہو گئی تو فرمایا اب میدانِ جنگ میں جاؤ اور لڑتے رہو لیکن ذکر میں غفلت نہ آئے۔کھڑے ہو، بیٹھے ہو، سوار ہو، پیدل ہو، آرام کرنے کیلئے لیٹے ہو، یا زخمی ہو کر گر گئے ہو کسی حال میں ذکرِ الٰہی سے غفلت نہ ہونے پائے۔گویا اپنی عطا کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں عطا کر رہا ہوں اس سے کوئی پل خالی نہیں ہے۔میری طرف سے تم پر ہر لحہ عنایات کا سمندر اُنڈیلا جا رہا ہے۔اس لئے میرے ساتھ اپنا رشتۂ شکر استوار رکھو۔تمہارا دل میری یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور تمہارے روئیں روئیں سے میرا نام نکل رہا ہو۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور جب جنگ ختم ہو جائے، اطمینان ہو جائے، زمانہ امن آجائے تو صلوٰۃ کو جاری رکھو۔ **اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾** یاد رکھو صلوٰۃ وقت کے ساتھ یعنی وقت پر فرض ہوتی ہے۔اگر ظہر کا وقت نہیں ہوا اور کسی کو یہ اندیشہ ہے کہ بعد میں اسے فرصت نہیں ملے گی لہٰذا وہ پہلے پڑھ لے تو اس طرح اس کی ظہر ادا نہیں ہوگی۔وقت پر پڑھی جائے تو ادا ہوتی ہے۔وقت سے پہلے پڑھی جائے تو ادا نہیں ہوتی۔جب اس کا وقت ہوگا تب ہی وہ فرض ہوگی۔

ایک ضمنی مسئلہ:

بعض لوگ سال بھر صدقات و خیرات دیتے رہتے ہیں۔کسی بہن بھائی، کسی غریب مسکین کو دے دیا پھر جب زکوٰۃ دینے کا وقت آتا ہے تو اس وقت حساب کر کے کہتے ہیں کہ اتنی زکوٰۃ پہلے ادا ہو چکی ہے۔زکوٰۃ اس طرح ادا نہیں ہوتی۔زکوٰۃ تب ادا ہوگی جب فرض ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بندہ رجب میں ہی زکوٰۃ دے بلکہ اصول یہ ہے کہ سال کے جس ماہ میں رقم یا زیور ملکیت میں آیا اور پھر اس پر پورا سال گزر گیا۔سال بھر کچھ خرچ ہوا، کچھ رکھا رہا، محفوظ رہا تو سال بعد جب وہ مہینہ آئے گا تو محفوظ شدہ سرمایے پر زکوٰۃ ہوگی۔یعنی جو مال سال کے بعد بچا ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔اس طرح زکوٰۃ کا نظام سارا سال چلتا رہتا ہے۔جو مال سال بھر اخراجات کرنے کے بعد زائد از ضرورت ہوگا اس پر زکوٰۃ دینا فرض ہو جائے

گی اور یہ ادا تب ہوگی جب زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد دی جائے گی۔ تو وہ لوگ جو سال بھر بہنوں، بھائیوں، غریبوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں وہ جو دے چکے وہ نفلی صدقہ ہوگا۔ زکوٰۃ تب ہی ادا ہوگی جب فرض ہوگی اور اس کے بعد دی جائے گی۔ **كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا** صلوٰۃ اوقاتِ مقررہ کے ساتھ فرض ہے۔ فرمایا جب امن کا زمانہ آجائے تو صلوٰۃ بھی جاری رہے اور یادِ الٰہی کے معمولات بھی جاری رہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ اور ہمت مت ہارو مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں۔

جنگ میں حکمتِ عملی کے تحت مختلف چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ جنگ جاری رہتی ہے۔ اسکے دوران چھوٹے چھوٹے ٹکراؤ ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں کبھی ایک طرف جیت ہوتی ہے کبھی دوسری طرف لیکن جنگ میں غلبہ اسے حاصل ہوتا ہے جو مخالف کی قوت ختم کردے۔ اور مومن کو اللہ پاک قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ اصول دیتے ہوئے فرماتے ہیں **حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ** (البقرہ 193) مومن کا کافر سے تب تک جہاد رہے گا جب تک عالم کفر فتنے سے باز نہیں آجاتا۔ فساد سے باز نہیں آجاتا۔ جب تک وہ اپنے آپ کو اپنی تہذیب تک محدود نہیں کر لیتا۔ جب تک وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے سے روک نہیں لیتا اس سے جہاد جاری رہے گا۔ اس آیۂ مبارکہ میں فرمایا اگر تم لڑائی جیت جاؤ تو تم نے ایک مقابلہ جیتا ہے۔ جنگ نہیں جیتی۔ لہٰذا **وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ** مخالف کے تعاقب کرنے میں سستی نہ کرو۔ ان سے تب تک جہاد کرتے رہو جب تک دنیا سے فساد ختم نہ ہوجائے اور اللہ کے دین کی عظمت قائم نہ ہوجائے۔ **اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ** اگر تمہیں زخم لگے ہیں اور لڑائی میں تمہارے لوگ شہید ہوئے ہیں تو جنگ سے پیچھے ہٹنے کا یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے کہ جنگ میں صرف ایک فریق ہی زخمی نہیں ہوتا بلکہ کافر بھی مقابلے میں مارے جاتے ہیں اور زخمی ہوتے ہیں۔ اگر ان کے لوگ زخمی نہ ہوتے اور مقابلے میں مارے نہ جاتے تو وہ میدان چھوڑ کر کیوں بھاگتے؟ جب وہ ایک لڑائی سے بھاگ گئے ہیں تو ان کا تعاقب جاری رکھو۔ جب تک تم جنگ جیت نہیں لیتے۔ اور جنگ جیتنے کا معیار قرآنِ حکیم نے یہ دیا ہے کہ جب تک روئے زمین پر فتنہ ختم نہیں ہوجاتا اور فتنہ تب ہی ختم ہوگا جب اللہ کا دین غالب آئے گا۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ کافروں کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے ان پر چڑھائی کی جائے۔ اللہ نے ہر بندے کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ مسلمان رہے یا کافر رہے۔ ہر انسان کے انسانی حقوق ہیں۔ اس لئے کافر کے بھی انسانی حقوق ہیں۔ وہ اس حد تک رہے لیکن اس کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا

پر کفر و شرک اور گمراہی پھیلاتا پھرے۔ بے حیائی پھیلائے۔ لوگوں پر ظلم کرے۔ قتل و غارت گری کرے۔ ان کاموں کی اسے اجازت نہیں دی جاسکتی اور یہ فتنہ گمراہی و ظلم و زیادتی تب ہی ختم ہوگی جب عالم اسلام اور بندۂ مومن جنگ جیتیں گے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا من حیث القوم مقابلہ کفر سے ہے۔ جب تک اللہ کا دین غالب نہیں آجاتا تب تک جہاد فرض رہے گا اور مسلسل ہوتا رہے گا۔ سو اگر تمہارے کچھ لوگ زخمی ہوگئے یا شہید ہوگئے تو اس کو عذر بنا کر کافر کے تعاقب میں سستی مت دکھاؤ۔ اگر تمہیں دکھ پہنچا ہے تو مخالف کے لوگ بھی مارے گئے ہیں۔ کافر جہنم رسید ہوئے ہیں اور ان کے لوگ بھی زخمی ہوئے ہیں۔ لیکن تم میں اور ان میں فرق ہے۔ ان پر جہنم کی وعید ہے۔ **وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ** ط تم اللہ سے انعام کی امید رکھتے ہو۔ جو کافر نہیں رکھتے تو مومن کو بد دل ہونا زیب نہیں دیتا۔ بددل تو کافر کو ہونا چاہئے کہ اس کی دنیا بھی گئی اس کا دنیا کا نقصان بھی ہوا۔ بندے زخمی بھی ہوئے مارے بھی گئے اور عذاب الٰہی کا شکار بھی ہوگئے۔ اس لئے کہ اسے اللہ کے کرم کی امید نہیں ہے۔ وہ ایمان سے خالی ہے۔ اور تم تو وہ خوش نصیب ہو کہ تم میں سے جو جان ہار گئے وہ شہید ہوئے۔ جو زخمی ہوئے وہ اجرِ عظیم کے حقدار ہوئے وہ غازی بنے اور اللہ کے کرم کے امیدوار ہوئے۔ **وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا** ﴿۱۰۴﴾ اللہ کریم کو کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود علیم ہے۔ وہ جانتا ہے کون کس خلوص نیت سے اس کی راہ میں دکھ اٹھا رہا ہے۔ وہ اس سے کروڑوں گنا زیادہ بدلہ دے گا۔ اور اس پر اس کی عنایات بے پناہ ہوں گی وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ نظامِ عالم کو قائم رکھتا ہے۔ دنیا میں کتنی ہی برائی پھیل جائے قدرت توازن قائم رکھتی ہے۔ رات کتنی تاریک ہوجائے صبح ضرور طلوع ہوتی ہے اور دن کتنا ہی طویل ہو رات آہی جاتی ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے توازن قائم رہے گا اور بدی کبھی بھی نیکی پر فتح نہیں پاتی۔ ایک طرف سے بدی اگر غالب ہوگی تو دوسری طرف نیکی روشن ہونا شروع ہوجائے گی۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی سات سو سالہ حکومت ختم کر کے اہلِ مغرب نے فتح کے شادیانے بجائے کہ انہوں نے مسلمانوں کو مغرب سے نکال دیا ہے اور عین اسی وقت اللہ نے تاتاریوں کو ایمان عطا کردیا اور وہ اسلام کا جھنڈا لئے ہوئے یورپ میں داخل ہوئے۔ جس کے بارے میں علامہ مرحوم نے کہا ہے کہ

''پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے''

اسی واقعہ کی انہوں نے تعریف فرمائی کہ اللہ کریم نے کس طرح تاتاریوں کے دل بدل دیئے تھے۔

اس لئے کہ وہ حکیم ہے۔ اس کی یاد کبھی مٹ نہیں سکتی۔ ایسے دل رہیں گے جو اس کی یاد سے روشن ہوں گے اور ایسے لوگ بھی ہمیشہ رہیں گے جن کے وجود کا ہر خلیہ ذاکر ہوگا۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنہیں وہ اس کام کے لئے چن لے گا۔ یہ اس کی عطا ہے۔ جتنی برائی بڑھتی ہے اتنا وہ اپنے ذکر کی محافل کو رونق دیتا جاتا ہے۔

غزوۃ الہند کی نوید:

انشاء اللہ العزیز ایک وقت آئے گا کہ برائی کو چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ ہر طرف اللہ کے دین اور عدل کا نعرہ بلند ہوگا لیکن یہ کام زبانی نہیں ہوتے۔ یہ سرزمینِ میدان کارِزار بنے گی دریا سرخ ہو کر بہیں گے۔ غلبہ انہیں نصیب ہوگا جن کا انگ انگ ذاکر ہوگا اور یہی غزوۃ الہند ہوگا۔ جس کی نوید محمد رسول اللہ ﷺ نے سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت کے آخری حصے میں دو جماعتیں ایسی ہوں گی جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گی۔ ایک وہ جو الہند میں جہاد کرے گی۔ الہند پورے برصغیر کو کہتے ہیں۔ غزوۃ الہند جب برپا ہوگا تو دنیا کا کفر ایک طرف ہوگا۔ دینی قوتیں دوسری طرف ہوں گی۔ غلبہ مومنین کو ہوگا۔ شہداء اللہ کے حضور اپنی منزل پالیں گے۔ اور جو غازی ہوں گے وہ بھی جب آخرت میں جائیں گے تو بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور اس برصغیر پر اسلامی ریاست قائم ہوکر پوری دنیا میں احیائے اسلام ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ حالات بہت خراب ہیں لیکن میں دیانتداری سے یہ سمجھتا ہوں کہ حالات غزوۃ الہند کی طرف جارہے ہیں اس لئے کہ تخریب میں سے ہی تعمیر ہوتی ہے کسی پرانے کھنڈر کو گرائیں گے نہیں تو وہاں نئی عمارت کیسے بنے گی؟ لیکن سب کی نگاہیں ٹوٹ پھوٹ پر ہیں۔ انگریز کے استعماری نظام کی زنجیروں میں ہم نے ساٹھ سال گزار لئے اور خود کو آزاد بھی سمجھتے رہے ہم تب ہی آزاد ہوں گے جب ہم پر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نافذ ہوگا۔

اس آیۃ مبارکہ میں اللہ پاک فرمارہے ہیں جہاد اسطرح ختم نہیں ہوگا کہ ایک لڑائی تم نے جیت لی اور اب تھک گئے نہیں سستی مت دکھاؤ، ہمت جوان رکھو اور کفر کا تعاقب کرو۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اللہ کریم بہت علم والے اور بہت حکمت والے ہیں۔

سورۃ النساء آیات 105 تا 112 رکوع 16

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّ
اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَ لَا
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ
النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَ مَنْ
يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ
اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا
يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ
مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ
احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو کہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا ہے اور آپ ان خائنوں کی طرفداری (کی بات) نہ کیجیے ﴿۱۰۵﴾ اور آپ استغفار فرمائیے! بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے رحمت والے ہیں ﴿۱۰۶﴾ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو کہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے جو بڑا خیانت کرنیوالا بڑا گناہ کرنے والا ہو ﴿۱۰۷﴾ جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں سے تو چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس وقت ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہیں ﴿۱۰۸﴾ ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں سو اللہ تعالیٰ کے روبرو قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جواب دہی کرے گا یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا وکیل ہوگا ﴿۱۰۹﴾ اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کو ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں بڑے حکمت والے ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو اس نے بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لادا ﴿۱۱۲﴾

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾

ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی۔ اس کا لفظ لفظ حق ہے۔ حرف حرف حق ہے۔ جو جو واقعات اس نے ماضی کے بیان کئے وہ حق ہیں۔ جو حکم حال کے متعلق دیئے وہ حق ہے۔ جو بات مستقبل کی، آخرت کی، قیامت کی، قبر و برزخ کی، جنت و دوزخ کی، کی ہے وہ حق ہے۔ اس کتاب کے نزول کا مقصد

کیا ہے؟ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ یہ کتاب محض تلاوت کے لئے نہیں ہے۔ نہ صرف یہ ثواب حاصل کرنے کے لئے ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کئے جائیں اور لوگوں کو دنیا میں رہنے کا اسلوب بتایا جائے۔ بندے اور رب کے تعلق کی بات بھی اسی کتاب میں ہے۔ اللہ کے احسانات اور نعمتوں کا ذکر بھی اسی میں ہے۔ نظامِ سلطنت وحکومت بھی اسی میں ہے۔ اس لئے اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں اس کے مطابق فیصلے کئے جائیں۔ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ اسلئے کہ اللہ نے آپ ﷺ پر سب کچھ واضح کر دیا۔ آپ ﷺ کو ہر چیز دکھادی۔ کوہِ صفا کے خطبے میں بھی بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ کی مثال ملتی ہے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر آنکلا ہے تو تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے کہا آپ صادق اور امین ہیں ہم آپ کی بات پر یقین کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ میں سخت عذاب سے پہلے تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں اور میری مثال ایسی ہے اِنَّمَا مَثَلِیْ وَ مَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ رَءَی الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ یَرْبَأُ اَھْلَہٗ جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو اور وہ اس خطرے کو محسوس کر کے اپنے اہلِ خاندان کو پکارنے لگے کہ لوگو! ہوشیار ہو جاؤ۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ میں اسی طرح دنیا و آخرت کو دیکھ رہا ہوں اور تمہیں بتا رہا ہوں کہ اللہ کی توحید قبول کرلو ورنہ مارے جاؤ گے۔ اس مجمع میں ابولہب بھی موجود تھا۔ حضور ﷺ کے ارشادات سن کر بہت سیخ پا ہوا۔ آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر گستاخی کے الفاظ کے ساتھ کہنے لگا۔ ''کیا ہمیں اسی بات کے لئے جمع کیا تھا''؟ اسی طرح اول فول بکتا وہاں سے چلا گیا۔ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں سورۃ لہب نازل ہوئی۔ جس میں اللہ کریم نے اس کا نام لے کر جواب دیا۔ تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ جس میں اللہ کریم نے اسے تباہ و برباد ہونے کی وعید سنائی۔

حضور ﷺ جادۂ حق کے مینارۂ نور ہیں:

جس کی کرنیں اس عالم کو بھی منور کر رہی ہیں، اس عالم کو بھی جگمگا رہی ہیں، فرمایا بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ جو کچھ اللہ نے آپ ﷺ کو دکھا دیا اس کے مطابق یہ کتاب اسلئے نازل ہوئی ہے کہ اس کے مطابق حکومت کی جائے۔ اس سے آگے جو بات ہے وہ بہت سخت ہے۔ فرمایا وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ جو لوگ اللہ کے اس حکم میں خیانت کرتے ہیں، قرآن کے مطابق حکومت نہیں کرتے، قرآن کو حاکم نہیں مانتے وہ خائنین ہیں۔ اور میرے حبیب ﷺ آپ ان کی طرفداری کی بات نہ کریں۔ آپ ﷺ کے شایان نہیں ہے کہ خائنوں کی سفارش کریں۔

ارباب اختیار کے لئے لمحہ فکریہ:

ہمارے دانشوروں، سیاستدانوں اور ارباب حکومت کے لئے یہ سوچنے کا وقت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ جو اس کتاب کے نفاذ میں خیانت سے کام لے' جو اس کتاب حق کے مطابق امورِ سلطنت انجام نہ دے' اسکے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے نہ کرے اور آپ ﷺ کے حق بتا دینے کے بعد بھی بددیانتی کرے' بے دینی کو رواج دے' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نام تک نہ لے تو ایسے بے دینوں کی آپ ﷺ سفارش نہ کریں۔ **وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا** آپ ﷺ میری بارگاہ میں ان خائنوں کے لئے سفارش نہ کریں۔ مجھ سے ان کی بخشش کی بات نہ کریں۔ انہیں میں نہیں چھوڑوں گا۔ **وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾** آپ ﷺ استغفار فرمایئے۔ یقیناً اللہ بخشنے والا بھی ہے اور رحم کرنے والا بھی۔ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ہر بندہ اپنے لئے اس سے بخشش مانگے۔ دنیا میں بھی کسی کو کسی سے کچھ کام ہو تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور نافرمانی کرکے اسے ناراض نہ کردے۔ اسی طرح اگر کوئی استغفار کرتا ہے کہ اللہ بخش دے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنا کردار بھی قرآن میں ڈھالے۔ اس آیت کا حکم بھی لوگوں کیلئے عام ہے۔ صرف حکومت کرنے والے ہی نہیں بلکہ ہر فرد و بشر کیلئے ہے اور آپ بھی اس حکم کے پابند ہیں کہ اس کتاب کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ اس کو اپنے اوپر حاکم کریں۔ اگر کوئی نہیں کرے گا تو وہ اپنی حیثیت میں خائن ہے۔ اس کی سفارش کرنے سے اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو منع فرما رہا ہے۔ میں یا کوئی دوسرا مولوی اس کی کیا سفارش کرے گا۔ بخشش تو اللہ کی مرضی ہے۔ جس نے اپنی زندگی قرآن کے خلاف گزاری وہ جانے اور اس کا رب جانے۔ فرد پر حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی پر کتابِ الٰہی کو حاکم بنائے۔ حکمرانوں کے لئے حکم ہے کہ اس کے مطابق نظامِ حکومت قائم کریں اور اگر نہیں کرتے تو یہ یقین رکھیں کہ نبی ﷺ اس کی سفارش نہیں کریں گے۔ اللہ کریم ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ اپنی اطاعت اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ فرمایا آپ ﷺ ایسے لوگوں کی طرف سے بات مت کیجئے جو خود اپنے آپ سے خیانت کرنے والے ہوں۔ آپ ﷺ ایسے لوگوں کی طرف سے جواب دہ نہیں ہیں۔ عموماً خیانت یا بددیانتی دوسروں سے کی جاتی ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں جو اپنے آپ سے جھوٹ بولتے ہیں۔ اپنا نقصان کررہے ہیں۔ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دین سے ہٹ کر قرآن کا دامن چھوڑ کر' اسلام کے نظام حیات سے علیحدہ ہو کر' من مانے طریقے پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور خود کو مسلمان کہہ کر اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں۔ خود اپنی ذات سے خیانت کرتے ہیں۔

اللہ کریم نے قرآن نازل فرمایا **لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ** تاکہ لوگوں کے درمیان اس کتاب کے فیصلے نافذ کئے جائیں کہ یہ کتاب عملی زندگی کا پورا پروگرام ہے۔ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا؟ کیا کہنا ہے کیا نہیں؟ کہنا کس ہستی سے کس طرح پیش آنا ہے؟ عقائد و اعمال، اخلاقیات و سیاسیات' معاشرت و معیشت' عبادات و تہذیب غرض زندگی کے ہر شعبے کے لئے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ اب مسلمانوں کی زندگی میں قرآن حکیم کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور قرآن حکیم کی تعبیر و تشریح صرف نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ جیسا کہ قرآن میں آگیا **لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ** ؕ کہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کو اس کے سارے مفاہیم دکھا دیئے ہیں۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مفاہیم سمجھا دیئے ہیں بلکہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم کا وہی مفہوم اور وہی معنی قابل قبول ہوگا جو حضور ﷺ نے فرمایا۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے سامنے اس پر عمل کیا اور حضور ﷺ نے تصدیق فرمادی۔ اب اسلام کی تشریح میں اور اسے سمجھنے میں کوئی ابہام نہیں رہا۔ اب جو کوئی گمراہ ہوتا ہے وہ آپ ﷺ کے تصدیق شدہ مفہوم سے ہٹ کر مفہوم بنالیتا ہے اور اس وجہ سے گمراہ ہوتا ہے۔ ان آیات میں انہی لوگوں کی بات ہورہی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آپ ﷺ جوابدہ نہیں ہیں۔ جو قرآن کو من مانے معنی پہنا کر اپنے آپ سے دھوکہ کررہے ہیں۔ جیسے سابقہ کتب سماوی کے ساتھ کیا۔ جیسے عیسیٰؑ کے احکام کو غلط معنی پہنا کر غلط کاموں کے لئے جواز تلاش کئے گئے۔ وہی کام اللہ کی کتاب قرآن سے کیا جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ نئے مفاہیم انسانیت کی ضرورت ہے۔ تو یہی اپنے آپ سے دھوکہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں جمہوریت کے نام پر ایک طوفان برپا ہے۔ ہر سیاسی لیڈر' ہر رسالہ' ہر اخبار' ٹی وی' انٹرنیٹ سب پر جمہوریت کے نام پر واویلا کیا جارہا ہے۔ اکیس بائیس کروڑ مسلمانوں کے اس ملک کا کوئی لیڈر' کسی پارٹی کا کوئی نمائندہ دین کی بات نہیں کرتا۔ قرآن کا نام نہیں لیتا۔ اسلام کی بات نہیں کرتا۔ ہاں اہلِ مغرب کے ترتیب دیئے ہوئے اس نظامِ جمہوریت کی بات کرتا ہے جو صرف تھرڈ ورلڈ ممالک کے لئے ترتیب دی گئی ہے۔ ورنہ ان کے اپنے ممالک میں جو جمہوریت ہے وہ مختلف ہے۔ لفظ جمہوریت کا مفہوم کچھ اور ہے اور یہاں مغرب والوں نے کسی اور معنی میں استعمال کیا ہے۔

یاد رہے ظہورِ اسلام سے پہلے جمہوریت کی اصطلاح کہیں موجود نہیں تھی۔ شہنشائیت تھی' حاکمیت تھی'

سرداری تھی۔ بڑے بادشاہوں سے لے کر قبائلی سرداروں تک ہر جگہ کوئی نہ کوئی حاکم تھا اور اسی کا حکم چلتا تھا۔ دوسرے کی رائے کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی تھی۔ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے غلامی کی زنجیریں اتاریں اور ہر بندے کو رائے رکھنے کا حق دیا اور عام آدمی کی آراء کو جمہوریت کی رائے کہا گیا۔ لیکن اس میں تخصیص یہ کی گئی ہے کہ اگر فقہ کے بارے میں رائے لینی ہے تو فقہا کی اکثریت کو جمہور کہا جائے گا۔ سیاست کی بات ہو تو سیاست دانوں کی اکثریت کو جمہور کہا جائے گا۔ یا قانون کی بات ہوگی تو قانون دانوں کی اکثریت کی رائے کو جمہور کی رائے کہیں گے۔ لفظ جمہور دیا ہی اسلام نے اور یہ اصطلاح اسلام نے دی اس کی ابتداء ہی اسلام نے کی۔

مغربی جمہوریت میں نام اور نعرہ عوام کا ہے لیکن ان کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس میں یہ نعرہ دیا گیا ہے کہ طاقت عوام کی ہے۔ عوام کے لئے ہے۔ اس کے بعد عوام کو کوئی نہیں پوچھتا بلکہ جس نے ایسی جمہوریت سکھائی اسی نے بتایا کہ لوگوں سے اتنا جھوٹ بولو کہ انہیں باور کروادو کہ وہ اقتدار میں شریک ہیں۔ اس طرح کی جمہوریت لوگوں کو اسلام سے دور کرنے اور سیاستدانوں کو اپنے مفادات کے حصول کے لئے بہت پسند ہے۔ امریکہ میں جس انداز کی جمہوریت ہے وہ ہو بہو اسلامی نظام کی نقل ہے۔ جس میں اکابرینِ اُمت مل کر مشورے اور رائے سے خلافت کے اہل کو چنتے ہیں پھر اُمت اس کی بیعت کرتی ہے۔ خلافت اربعہ کا انتخاب اسی طرح ہوا اور اسلام کا اصول یہی ہے کہ جو امیر ہے اسی کی ذمہ داری ہے کہ پھر قابل لوگوں کو ذمہ داریاں تقسیم کرے اور عہدے دے۔ امریکہ میں رائج جمہوریت میں انتخابات کا طریقہ یہ ہے کہ وہاں دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔ وہاں کوئی شخص اپنی مرضی سے کھڑا نہیں ہوسکتا بلکہ اسے جماعت کے اکابرین چنتے ہیں۔ اسی طرح اکابرین دو تین افراد منتخب کرتے ہیں پھر جماعت میں ان کیلئے ووٹنگ کرائی جاتی ہے۔ جو جیت جاتا ہے اسے جماعت اپنا نمائندہ قرار دے دیتی ہے۔ اور اگر وہ عوام کی رائے سے جیت جائے تو وہ صدر بن جاتا ہے۔ پھر وزیر بنانا' عہدے دینا اس کی ذمہ داری ہے تاکہ وزارتوں میں کہیں کوئی کمی ہو یا غلطی تو جوابدہ صدر ہو۔ اور لوگ اس کا دامن پکڑ سکیں۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں سے جھوٹ بول کر پیسوں کا لالچ دے کر' رشتہ داری کا لحاظ کروا کر' ووٹ لیے جاتے ہیں۔ بلکہ فوت شدہ لوگوں کے کارڈ استعمال کر کے ووٹ ڈلوانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ اس طرح منتخب ہو کر حکومت میں جاتے ہیں۔ پھر اپنے خرچے کا حساب کرتے ہیں کہ تین کروڑ لگا تھا اور بارہ چودہ کروڑ کمانا ہے۔ اس عمل کا نام جمہوریت رکھا ہوا ہے۔ اور دن رات اسی کی رٹ لگی رہتی ہے۔ اللہ کا نام کوئی نہیں لیتا۔ قرآن کی بات، اسلام کی بات کوئی نہیں کرتا۔ جمہوریت خطرے میں ہے، کی بات کرتے ہیں۔ ملک لوٹنے کا کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جمہوریت کے

لئے قربانی دے رہے ہیں۔ اس لوٹ کھسوٹ کے عمل کو جمہوریت کے لئے قربانی کا نام دیتے ہیں۔ اسی دوران جو سیاستدان مرجاتا ہے وہ مر کر بھی جمہوریت پر احسان کر جاتا ہے۔ زندگی بھر ملک کو لوٹتا ہے اربوں لوٹ کر اسی عمل کے دوران قتل ہوجائے تو شہید کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کی موت جمہوریت پر احسان ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن میں آتا ہے کہ یہ لوگ **یختانون انفسھم** اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ جو کام قرآن حکیم سے ہٹ کر کیا جائے وہ نیکی نہیں اپنے ساتھ ظلم ہے۔

مغربی اقوام کی ترقی کو دیکھ کر یہ کہا جاتا ہے کہ مغربی اقوام ترقی کر گئیں اور ہم اسلام اسلام کرتے پیچھے رہ گئے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام اسلام کہتے ہیں حالانکہ اسلام ایک عمل کا نام ہے۔ ایمان کے ساتھ عمل کیا جائے تو وہ اسلام کہلاتا ہے۔ اور جن احکام و اعمال کے کرنے کا حکم اسلام نے دیا ہے ان احکام و اعمال پر اگر کوئی شخص بغیر ایمان لائے بھی عمل کرے تو اس کا دنیوی فائدہ ضرور پائے گا۔ جس طرح دنیوی نعمتیں کافر بھی استعمال کرے تو اسے دنیوی فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ ٹھنڈا پانی کافر بھی پیئے تو اسے اچھا لگے گا۔ صحت مند غذا کھائے گا تو اس کی صحت ٹھیک ہوگی۔ لیکن کافر اور مومن میں فرق یہ ہوگا کہ وہ کھانا اور پانی کی نعمت پر اللہ کا احسان مانے گا اور اسے آخرت کا انعام بھی ملے گا۔ یہی حال مغرب میں ترقی کا ہے۔ انہوں نے اسلام کے نظامِ زندگی سے چن چن کر وہ آدابِ زندگی اکٹھے کئے جس سے دنیوی زندگی پر سکون ہوتی ہے۔ انہوں نے تعلیم کو اہمیت دی اور وہ علوم میں مسلمانوں سے آگے نکل گئے۔ انہوں نے ہر بچے کو تعلیم دی اور اس کا حق ادا کیا۔ لیکن علم اور علم کی اہمیت مغربی اقوام کے پاس کہاں سے آئی؟ انہیں یہ کس نے بتایا؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ جب مدینہ منورہ میں حضور ﷺ نے مشرکین سے مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے لئے حکم فرمایا۔ تب سارا مغرب جاہل تھا ان میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔

آج اگر مغربی اقوام نے ناپ تول میں، کاروبار میں، تجارت میں، دیانتداری کے اصول اپنائے ہوئے ہیں تو یہ انہیں کس نے سکھایا؟ انہوں نے یہ چیزیں اسلام سے لیں۔ یہ اقوامِ مغرب تو لوٹ کر کھانے والے لوگ تھے۔ انہوں نے اسلام کی ترقی سے اصول اخذ کئے۔ اور اپنی عملی زندگی میں انہیں اپنایا۔ تو اس کے دنیوی فائدے بھی انہیں حاصل ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے اسلام کا دامن چھوڑا۔ وہاں ذلت آمیز نتائج ان کے معاشرے میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً اسلام نے شراب شرعاً منع کی وہ پیتے ہیں۔ اسلام نے مرد و عورت کے تعلقات میں توازن رکھا ہے۔ شراب پینے اور خنزیر کھانے، نے ان سے یہ توازن چھین لیا۔ ان کے معاشرے میں اس کے نتیجے میں مرد و عورت نہیں رہے بلکہ جانوروں سے بدتر انسان ہیں۔ آبرو نام کی

کوئی شے نہیں۔عزت وغیرت جیسے الفاظ ان کی لغت میں موجود نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے مفکرین کہہ چکے ہیں کہ وہ اپنی نسلوں کو معاشرتی طور پر نہیں سنبھال سکتے۔تو یہی اقوام اس معاملے میں اتنے پیچھے کیسے رہ گئے کہ زمانۂ جاہلیت کو بھی پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ اس لئے کہ ان معاملات میں انہوں نے اسلامی اصولوں کی پاسداری نہیں کی۔ اسلام نے سود سے منع کیا ہے انہوں نے اپنی معیشت کی بنیاد ہی سود پر رکھی۔نتیجتاً امریکہ' یورپ' تمام اہل مغرب امیر سے امیر ترین اور غریب سے غریب ترین کی تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں۔ نیویارک جیسے شہر میں ساٹھ فیصد لوگ پُلوں کے نیچے اور فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔تو جہاں جہاں انہوں نے اسلام کا دامن چھوڑا وہاں وہ انتہائی تباہی سے دوچار ہوئے۔آج کے مسلمان نام اسلام کا لیتے ہیں'عمل اسلام کے خلاف کرتے ہیں۔اور یہ بھولے ہوئے ہیں کہ نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں صرف کہنے پر نہیں۔اگر کوئی بھوکا شخص یہ کہتا رہے کہ اس نے کھانا کھالیا ہے تو اس کا پیٹ نہیں بھرے گا اور وہ اعلان نہ بھی کرے کھانا کھالے تو اس عمل سے اس کا پیٹ بھر جائے گا۔

ان آیات مبارکہ میں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہے کہ یہ اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں۔زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں۔دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں اور عمل اسلام کے خلاف کرتے ہیں۔سوچتے اسلام کے خلاف ہیں اقتدار میں آئیں تو اسلام کا نام نہیں لیتے۔اور ووٹ دینے جائیں تو اللہ کا خوف نہیں کرتے۔ یہ رویہ صرف حکمرانوں کا ہی نہیں ہمارا بھی ہے۔ ہم ٹکے ٹکے پر بک جاتے ہیں۔جنہیں ہم چور چور کہہ کر ملک سے بھگاتے ہیں انہی چوروں کو پھر لا کر ایوانِ اقتدار میں بٹھاتے ہیں۔تالیاں بجا کر خوش آمدید کہتے ہیں۔یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ ہے۔اس خیانت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ہم آج اس خیانت کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔یہ ہمارے اپنے کئے کی سزا ہے۔اس بددیانتی اور خیانت کی قرآن حکیم اتنی بڑی سزا سنا رہا ہے کہ اللہ اپنے حبیب ﷺ سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے کہ آپ ﷺ ایسے لوگوں کی بات ہی مت کیجئے۔ان کے سفارشی نہ بنئے۔انہیں بھگتنے دیجئے۔ میں ایسے بددیانت لوگوں سے نمٹ لوں گا۔اور ہم ہیں کہ ہماری ہر نعت حضور ﷺ کو اطلاع دیتی ہے کہ ہمارا یہ بگڑ گیا' ہمارا وہ بگڑ گیا' ہمارا وہ کام خراب ہو گیا' آپ ہمارا یہ سنوار دیں، وہ سنوار دیں۔ یہ آیات تو ہمیں بتا رہی ہیں کہ اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو روک رہا ہے کہ آپ ﷺ ان بددیانتوں کی بات نہ کریں۔تو پھر رسول ﷺ ہماری نعتوں کے پیغام کو کیا کریں۔

اسلئے ہمیں اپنے آپ کو اس قابل کرنا ہوگا کہ حضور ﷺ ہماری سفارش کرسکیں۔میرا تو ایمان ہے کہ ہم بددیانتی اور خیانت کرنا چھوڑ دیں تو ہمیں آپ ﷺ کے حضور عرض نہیں کرنا پڑے گا کہ حضور ﷺ ہماری

شفارش فرمائیں۔ حضور ﷺ ازخود سفارش فرمائیں گے۔ ہم پر آنے والی مصیبتوں کو اللہ خود روک دے گا۔
اگر ہم اپنے نبی کریم ﷺ سے وفا کرسکیں تو اللہ کریم حضور ﷺ کی رحمۃ العالمینی کو خود ہماری طرف متوجہ کریں گے۔ ساٹھ سال ہوگئے ہم اپنے نبی ﷺ سے وفا نہیں کرسکے۔ نام اللہ کا لیتے ہیں۔ نام اللہ کے رسول ﷺ کا لیتے ہیں۔ غلامی کافر کی کرتے ہیں۔ کون کہتا ہے پاکستان کو آزاد ہوئے ساٹھ سال ہوگئے۔
کیوں ہم اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم آزاد نہیں ہیں۔ انگریز کے بنائے ہوئے طوق اور غلامی کی زنجیروں کا نظامِ حیات ہمارے گلے میں پڑا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خود چلا گیا۔ اپنے پسندیدہ غلام اور وطن عزیز کے غداروں کے ہاتھ میں ان زنجیروں کا سرا پکڑا گیا۔ اب کلرک اپنے حقوق کے لئے ہڑتال کررہے ہیں۔
تنخواہ دار ملازمین اپنے حقوق کی بات کررہے ہیں۔ محنت سے روزی کمانے والے اپنے حقوق کی بات کررہے ہیں۔ کوئی انہیں بتائے کہ غلاموں کے حقوق نہیں ہوتے۔ غلام خدمت کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔
حقوق مانگنے کے لئے نہیں ہوتے۔ ان کا حق بس اتنا ہے کہ آقا کے دسترخوان سے اگر کچھ بچ جائے تو آقا کی مرضی کہ وہ کسی کُتے کو ڈال دے یا غلام کو دے دے۔ غلام کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ کوئی قوم کو بتائے کہ تم غلام ہو پہلے آزادی حاصل کرو پھر حقوق کی بات کرنا۔ حقوق آزاد لوگوں کے ہوتے ہیں غلاموں کے نہیں۔

یہی کہا گیا ہے ان آیات میں کہ جو لوگ خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے دھوکہ کرتے ہیں انہیں آپ رہنے دیں، ان سے میں خود نمٹ لوں گا۔ سب سے بڑا جھوٹ تو ہم بولتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ ساٹھ سال ہوگئے۔ جتنی حکومتیں آئیں کیا کسی نے اسلامی نظام ترتیب دیا؟ کیا نظام تعلیم اپنا بنایا؟ کیا اپنا آزاد عدالتی نظام بنایا؟ نظامِ مال پٹوار تحصیل دار بنوایا؟ کیا بلاسودی معاشی نظام بنایا؟ نہیں کچھ بھی نہیں کیا انگریز کے بنائے ہوئے استعماری نظام کی گدی پر جہاں پہلے گورا انگریز بیٹھ کر حکمرانی کرتا تھا اب وہاں دیسی گورے بیٹھ کر ہمیں غلامی کے کوڑے سے ہانک رہے ہیں۔ ہم مار کھا رہے ہیں اور چل رہے ہیں۔ برصغیر میں انگریزوں نے بڑی محنت سے سروے کرکے برطانوی کانگریس کو ایک رپورٹ بھجوائی اور انگریز لارڈ نے لکھا کہ وہ ہندوستان بھر میں گھوما پھرا ہے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اسے نہ کوئی گداگر نظر آیا نہ کوئی چور۔ اس لئے کہ یہاں ہر آدمی اتنا خوش حال ہے کہ نہ اسے چوری کی ضرورت ہے، نہ کسی سے مانگنے کی، اس نے رپورٹ میں لکھا کہ ایسے لوگوں پر فتح پانا ممکن نہیں۔ ان پر بزور وقتی طور پر حکومت تو کی جاسکتی ہے۔ ان کے ملک پر زبردستی قبضہ تو کرسکتے ہیں۔ انہیں قبضے میں رکھ نہیں سکتے اس نے اس کا حل یہ دیا کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کو بدل دیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیں کہ ان کا اپنا نظام نہایت ناقص

ہے اور انگریز کا نظام نہایت اعلیٰ ہے۔ یوں وہ ہمارے نظامِ تعلیم کے تحت تعلیم حاصل کریں گے جو ہم خاص ان کے لئے تیار کریں گے۔ جس میں وہ ہماری اقدار کو اپنائیں گے۔ خود کو کمتر، ہمیں بہترین سمجھیں گے۔ اور ذہنی طور پر ہمارے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ اس طرح ہمیں ان پر حکومت کرنا آسان ہو جائے گا۔

یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر انگریزوں نے برصغیر کے لئے نظامِ تعلیم ترتیب دیا۔ اور یہ لارڈ میکالے ہے۔ جس کے نظریۂ تعلیم کی بدولت برصغیر کا نظام تعلیم تبدیل کیا گیا اور کلمہ گو مسلمانوں کو انگریز کے غلاموں میں تبدیل کر کے کھیپ کی کھیپ تیار کی گئی۔ اور ہر شعبۂ زندگی میں انگریز کے بنائے ہوئے معاشی، عدالتی، سیاسی و تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے انگریز کے غلام تیار ہوئے۔ انگریز نے ہم سے ملک بزور شمشیر چھینا تھا۔ اس نے ہمیں اپنا غلام بنایا اور غلاموں کے لئے علیحدہ قوانین بنائے۔ عدالت کے، معیشت کے اور سیاست کے تمام قوانین حکمرانوں کے لئے اور تھے اور ہم غلاموں کے لئے اور تھے۔ برصغیر میں کہیں انگریز سے جرم سرزد ہوتا، اس کے خلاف انگریز سرکار میں شکایت کی جاتی تو اس کا مقدمہ برطانیہ میں چلایا جاتا۔ وہ جرم ہندوستان میں کرتا تھا مقدمہ برطانیہ میں چلتا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ انگریز تھا۔ وہ آزاد ملک کا آزاد شہری تھا۔ اس کی عدالتیں آزاد تھیں وہاں اسے اپنے دفاع کا حق ملتا تھا۔ لہٰذا اس کا مقدمہ وہاں چلایا جاتا۔ اور برصغیر کے عوام کے مقدمے یہاں سُنے جائیں گے۔ جہاں کی عدالتیں اور قوانین غلاموں کے لئے بنائے گئے ہیں۔

کیا ساٹھ سالہ آزادی کے دور میں ہم نے غلاموں کے لئے بنائے گئے قوانین بدل دیئے؟ کیا آج آزاد پاکستان کی عدالت جسے سزائے موت دیتی ہے اس میں یہ جملہ نہیں لکھتی کہ اسے یہ سزا دفعہ 302 کے تحت دی جاتی ہے۔ جو 1872 میں انگریز نے نافذ کیا تھا اور یہ کہ اسے یہ سزا تعزیراتِ پاکستان کے تحت دی جاتی ہے۔

کیا ہم آزاد ہیں؟ ہم آزاد نہیں ہیں۔ انگریز کے ڈالے ہوئے وہ طوق اور وہ زنجیریں تعزیراتِ پاکستان کی صورت میں ہمارے ہاتھ پاؤں میں جڑے ہوئے ہیں۔ اور ویسے ہی ہیں جیسے انگریز نے ڈالے تھے۔

سب سے بڑا جھوٹ ہم یہی بولتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ ہم خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اعمالِ کفریہ اختیار کرتے ہیں۔ ہمارا نظامِ زندگی، نظام مصطفیٰ ﷺ کے بجائے کفر کے نظام کا پابند ہو چکا ہے۔ اور اسے ہی ہم اسلام سمجھ کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نماز، روزہ، حج بھی چل رہا ہے اور سود وحرام بھی چل رہا ہے۔

فرمایا! میرے حبیب ﷺ آپ ان لوگوں کی بات نہ کریں ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا کہ جو بندہ خیانت کرے، برائی کرے بددیانتی کرے، اللہ اسے پسند نہیں کرتا۔ تو خود فریبی، بددیانتی اور عملاً برائی میں زندگی بسر کرتے ہوئے نعتیں لکھنے اور حضور ﷺ کا نام نامی لینے سے پہلے ہمیں خود کو وہاں کھڑا کرنا ہوگا۔ جہاں ہم حضور ﷺ کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ ہم دعویٰ اسلام کے باوجود حضور ﷺ کے بتائے ہوئے دین میں، عقائد سے اعمال تک میں من پسند رسوم و رواجات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ دین کے نام پر رسومات پر عمل کے لئے جان توڑ کوشش کرتے ہیں لیکن عقائد و عبادات کی پرواہ نہیں کرتے۔ رسمیں پوری ہو جائیں۔ خواہ نمازیں چھٹ جائیں زکوٰۃ کی ادائیگی ہو نہ ہو۔ رسوم و رواجات پر اخراجات بے شمار ہوں گے تو جو احکامِ الٰہی کو چھوڑ دیں اور خیانت کریں فرمایا انہیں چھوڑ دیں۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ انہیں لوگوں سے حیا آتی ہے۔ یہ لوگوں سے چھپ کر گناہ کرتے ہیں۔ انہیں لوگوں سے شرم آتی ہے۔ لیکن اللہ سے حیا نہیں آتی۔ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ اللہ سے شرم نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے کرتوت اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔ بدنامی ہوگی۔ انہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ لوگوں کو پتہ چل گیا تو صرف بدنامی ہوگی اللہ کے سامنے اس کی نافرمانی کرنے سے اللہ سے دوری ہوگی۔ اس عمل سے اللہ انہیں اپنی بارگاہ سے راندہ کردے گا۔ اپنی رحمت سے دور کردے گا۔ اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم کردے گا۔ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ جب یہ راتوں کو چھپ چھپ کر بری باتیں کرتے ہیں تو اللہ ان کے درمیان موجود ہوتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ اس سے چھپ تو نہیں سکتے یہ اپنی دانست میں چھپ کر اسلام کے خلاف، دین کے خلاف، دینداروں کے خلاف، سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ حقیقتاً اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ان کی بات سننا بھی اللہ کو پسند نہیں۔ سو میرے حبیب ﷺ آپ ان کی بات مت کیجئے جو ان کا جی چاہے یہ کرلیں یہ اللہ کی گرفت سے نہیں بھاگ سکتے اللہ ان کے سارے کردار پر محیط ہے۔ یہ کسی حیلے سے خود کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ یہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ذلیل ہوں گے۔ آج ہم دیکھیں کہ ہم رسوا کیوں ہیں؟ اسلامی ملک میں بندہ بندوق لے کر کھڑا نہ ہو تو نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ بازار میں جائیں تو قتل ہو جاتے ہیں۔ سرکاری گاڑیوں میں لوگ قتل ہو رہے ہیں ملک کی حفاظت کرنے والے روز مارے جاتے ہیں۔ فوج اور پولیس ماری جارہی ہے۔ تو ملک کی حفاظت کون کرے گا؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ اللہ اور اللہ

کے رسول ﷺ سے بے وفائی کا نتیجہ ہے جو ہم اس دنیا میں بھگت رہے ہیں۔ اللہ پناہ دے آخرت میں جو ہوگا وہ اس سے زیادہ شدید ہوگا۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اے وہ لوگو! جو سیاسی لیڈر بن جاتے ہو۔ بڑے بڑے رہنما بن جاتے ہو۔ عالم دین اور پیروں کا حلیہ بنا لیتے ہو اور ان خیانت کرنے والوں کی وکالت کرتے ہو، ظالموں کے آلۂ کار بنتے ہو، تم اللہ کی بارگاہ میں کیسے ان کی وکالت کر سکو گے؟

دنیا میں تو یہ حال ہے کہ جو بندہ پانچ وقت نماز پڑھنا شروع کر دے۔ داڑھی رکھ لے۔ حلیہ سنت کے مطابق اختیار کر لے وہ مجرم ہے۔ اسے پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جہاں اسے گوانتانا موبے کی جیلوں میں، عقوبت خانوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور جو شراب پیئے' مونچھیں بڑھائے' داڑھی صاف کرے' گانے سنے' اور رقص و سرور کی محفلیں سجائے وہ مہذب، جدید تہذیب کا علمبردار اور قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔ فرمایا دنیوی زندگی میں تو تم نے بڑی لچھے دار تقریریں کیں اور لوگوں کو دھوکہ دیا اور ان کی وکالت کی **فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿١٠٩﴾** وہ کون جرأت والا ہے جو ان بے ایمانوں کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں جھگڑا کرے گا۔ لوگوں کو دھوکہ دینا تو آسان ہے۔ لوگوں کے سامنے تقریریں کرنا تو آسان ہے۔ وہ بندہ تلاش کرو جو قیامت کو تمہاری طرف سے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو اور تمہاری وکالت کرے۔ تمہاری طرف سے جھگڑے۔ تمہارے کرتوتوں کو صحیح ثابت کرے۔ کون ہے جس میں یہ جرأت ہو کہ وہاں ان کا وکیل بن کر سفارش کرے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾

جو ظلم بھی کر چکے ہو۔ جھوٹ بول بول کر برائی کی۔ جس حد تک بھی پہنچ چکے ہو۔ جتنی برائی اور جتنا ظلم اپنے ساتھ کر چکے ہو۔ خواہ سیاست میں کیا ہے خواہ عالموں کا روپ دھار کر۔ چند تقریریں رٹ کر ایک جگہ ایک دہرادی دوسری جگہ دوسری دہرادی اور لوگوں کو بھگاتے پھرتے رہے ہو یا پیروں اور قابل احترام سلاسل تصوف کے مشائخ کے روپ میں خلافت بانٹتے رہے ہو۔ نہ خود معرفتِ الٰہی سے آشنا رہے ہو، نہ جن کو چوغے پہنا کر خلیفہ بنا رہے ہو انہیں کچھ پتہ ہے۔ ان مقدس شعبوں میں جھوٹ بولتے رہے ہو تو بڑی سے بڑی بددیانتی کے بعد بھی تم آج توبہ کر لو۔ **ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** سب کچھ چھوڑ دو اور میرے نبی کریم ﷺ کی غلامی کر لو۔ **يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾** تم دیکھو گے کہ اللہ کی رحمت کتنی وسیع ہے اور اس کی بخشش کتنی بڑی ہے۔ وہ تمہارے سب عیوب سے تمہیں پاک کر دے گا اور تم پر ایسی رحمت نازل فرمائے گا کہ

پھر تم دنیا میں بھی خوشحال ہوگے اور آخرت میں بھی۔ دیکھئے اللہ کریم نے کہیں پابندی نہیں لگائی، کوئی قدغن نہیں رکھی کہ اتنے ہزار گناہ اتنی برائی پر معافی ہے بلکہ فرمایا ظلم وخیانت کر کے جتنا ظلم تم اپنے اوپر کر رہے ہو وہ سب ایک لمحے میں معاف ہوسکتا ہے۔ وہ لمحہ زندگی کے کسی موڑ پر آ جائے۔ جب تک زندگی ہے بندہ کسی لمحے توبہ کرلے اور کہے کہ یا اللہ میں نے جو کیا غلط کیا اب اسے چھوڑتا ہوں۔ اب میں تیرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کروں گا۔ اس طرح کی زندگی جیوں گا۔ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ میری زندگی تیرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں ہوگی۔ تو اللہ فرماتا ہے پھر وہ دیکھ لے گا کہ اللہ کی بخشش کتنی وسیع ہے۔ **وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ** ؕ لیکن اگر باز نہیں آئے۔ گناہ کرتے رہے اور توبہ نہ کی تو بندہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ وہ تمام جرائم اپنے اوپر ہی لادتا ہے۔ جسے وہ خود ہی بھگتے گا۔ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا** ﴿۱۱۱﴾ اللہ کریم سب جانتا ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اس نے بندے کو مہلت دے رکھی ہے اور انتخاب کرنے کا اختیار بھی دے رکھا ہے۔ جو چاہے توبہ کر کے آنِ واحد میں غلامانِ محمد رسول اللہ ﷺ میں شامل ہو جائے۔ اور اب بھی کوئی یہ نہ چاہے تو پھر اسکی مہلت جب ختم ہوگی تو اسے خود بھگتنا پڑے گا۔

یہ ایک اصول ہے جس نے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقوں سے روگردانی کی اس کی زندگی بھی اجیرن ہوتی ہے اور آخرت کے عذاب لامتناہی ہیں۔ اللہ پناہ دے یہ ہماری عوام جو بھگت رہی ہے، بجلی نہیں، تیل نہیں، آٹا نہیں، ظلم و جور کا بازار گرم ہے، علاج سے محروم ہیں۔ یہ دنیا کے عذاب ہیں۔ جو آخرت کے مقابلے چھوٹے ہیں۔ آخرت کے عذاب تو بہت شدید ہیں۔ اللہ فرماتا ہے یہ عذابِ دنیوی بھی اٹھ سکتے ہیں اگر بندے توبہ کرلیں۔ اور خود کو حضور ﷺ کے عطا کردہ نظامِ زندگی کے سائبان تلے لے آئیں

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو
ملتِ احمد مرسل ﷺ کو مقامی کرلو

اپنا نظام تبدیل کرلو۔ اور اپنا دستورِ حیات بدل لو۔ جو ایسا کرلے گا وہی کامیاب وکامران ہوگا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نظام کی تبدیلی حکمرانوں کا کام ہے۔ درست، لیکن ہم ملکی نظام بدلنے کے مکلف نہیں ہم اپنی زندگی کا نصاب بدل کر حضور ﷺ کی غلامی میں آنے کے مکلف ہیں۔ ہم اپنے آپ کو، اپنے گھر کو، اپنے کنبے کو بدلنے کے مکلف ہیں۔ اگر ایک ایک پاکستانی خود کو اور اپنے گھرانے کو حضور ﷺ کی غلامی میں لے آئے تو حکمرانوں کو بھی ان قدموں میں آنا پڑے گا۔ لیکن ہمارا رویہ یہ ہے کہ دوسروں پر تنقید کرتے ہیں اور اپنے لئے جواز تلاش کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ توبہ کا وقت ختم ہو جائے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی اصلاح کرلیں۔ خود

جھوٹ بولنا چھوڑ دیں۔ خود ظلم کرنا چھوڑ دیں۔ خود سود کھانا چھوڑ دیں۔ خود اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عہد کرلیں۔ اپنی پوری کوشش اس میں لگا دیں تو پھر اللہ کریم خود توفیقِ عمل عطا کر دیتا ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾

قرآنِ حکیم کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ بیماری کی نشاندہی کرتا ہے اور اس کے علاج کا طریقہ بھی بتاتا ہے:

اللہ کریم نے انسان کو زندگی ایک ہی بار دی ہے۔ اس کا مقصد اطاعتِ الٰہی اور حصولِ رضائے الٰہی ہے۔ لیکن انسان کو دنیا کی رنگینیاں لبھالیتی ہیں۔ مختلف طرح کے لالچ اسے گھیر لیتے ہیں۔ کہیں مال کا، کہیں عہدے اور طاقت کا لالچ اس سے نافرمانی کرالیتا ہے۔ اور یہ گناہ اسکے مقصدِ حیات میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ پھر گناہ کی ایک خصوصیت اور بھی ہے کہ گناہ مزید گناہوں کا سبب بن جاتا ہے۔ گناہ کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ **وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا** کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے، کسی سے خطا ہو جاتی ہے تو اس کی اصلاح کا درست طریقہ تو یہ ہے کہ اپنی غلطی قبول کرے۔ اللہ سے مغفرت مانگے۔ کسی کا حق مارا ہے یا مال لیا ہے تو اسے واپس کرے۔ کسی سے زیادتی کی ہے تو معافی کا خواستگار ہو۔ اور یہ انسانی عظمت ہے کہ انسان ہوتے ہوئے خطا ہوگئی، اسے احساس ہوا، اپنی غلطی تسلیم کی اور اس کے ازالے کی کوشش کی تو اللہ کریم کی رحمت بہت وسیع ہے۔ وہ معاف فرمادے گا۔ لیکن لوگوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو پھر وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ غلطی کسی دوسرے کے ذمے لگ جائے اور وہ خود بری الذمہ ہو جائے۔ جب گناہ کرنے والا اپنا گناہ قبول نہ کرے، اللہ سے مغفرت نہ چاہے تو گناہ ایک ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ مزید برائی کرتا ہے۔

آپ ﷺ معلمِ انسانیت ہیں:

یہ کمال ہے معلمِ انسانیت ﷺ کا کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کے نقوش اتنے گہرے ہیں کہ نسلاً بعد نسلاً ہر زمانے کے معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے مسلمان کو بھی پتہ ہے کہ گناہ کیا ہے؟ اور نیکی کیا ہے؟ آپ ﷺ پوری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے آپ ﷺ نے اس طرح تعلیمات ارشاد فرمائیں اور اس طرح پڑھایا کہ یہ تعلیمات قیامت تک ان پڑھ اور جاہلوں میں بھی نیکی اور برائی کی تمیز پیدا کرتی چلی جاتی ہیں۔ یوں تو دنیا کے تعلیم یافتہ لوگ بڑے فخر سے اپنے اساتذہ کا نام لیتے ہیں اور اپنے مادرِ علمی کا نام اپنے نام کے ساتھ لگاتے

ہیں اور ہر تعلیمی ادارے کی چھاپ واقعی ان تعلیم یافتہ افراد کے اخلاق و کردار پر چھا جاتی ہے۔ لیکن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے معلم ہیں۔ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے یہ واحد رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم فرمائی کہ قیامت تک آنے والی انسانیت پر گہرے نقوش ثبت ہوتے رہیں گے۔ آج پندرہ سو سال کے بعد بھی یہ نقوش مسلّم ہیں۔ اور صدیوں تک ہر مسلمان بندہ جانے گا کہ جس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جرم کہا ہے وہ جرم ہے۔ یہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر ہے جو مسلمانوں کی روح میں سرایت کئے رہتا ہے۔ اور نسل در نسل آگے منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ احساس اندر ہی اندر موجود رہتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ یہ کمال تو اس ہستی کا ہے جسے اللہ کریم نے رہتی دنیا تک کے لئے ساری انسانیت کا معلم اور استاد مقرر فرما دیا ہے۔ لیکن انسان کی بدبختی یہ ہے کہ جب وہ برائی کرتا ہے تو اپنا جرم قبول نہیں کرتا۔ کسی اور کے ذمے لگانا چاہتا ہے کہ یہ جو گناہ ہوا وہ اس کی وجہ سے ہوا۔ اگر چوری، ڈاکہ بھی کرتا ہے تو پھر بھی یہی کہتا ہے کہ اس نے ظلم نہیں کیا بلکہ کہتا ہے کہ اسے حالات نے اتنا مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ اگر قتل بھی کر دیتا ہے تو کہتا ہے فلاں نے اتنا تنگ کر رکھا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ جب اپنا گناہ دوسرے کے سر منڈھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایک اور جرم بن جاتا ہے۔ ایک جرم کر لیا یا ہو گیا اب اس جرم سے خود کو بری کرنا چاہتا ہے پھر اس جرم کے جواز تراشنے لگتا ہے۔ فرمایا بری ہونے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔

غلطی یا گناہ ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

اللہ کے حضور اقبالِ جرم کیا جائے۔ جس سے زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔ اس خیال باطل کو ذہن سے نکال دیا جائے کہ رشوت لئے بغیر گزارہ نہیں ہوگا۔ یہ نہ کہا جائے کہ حالات ہی اتنے برے ہیں کہ غلط ہتھکنڈے استعمال کئے بغیر کوئی چارہ ممکن نہیں۔ تو کیا اگر حالات برے ہوں تو گناہ کرنا جائز ہو جاتا ہے؟ فردِ واحد سے لے کر حکمرانوں تک سب کے پاس جواز موجود ہے۔ ساٹھ سال سے ہر آنے والا حکمران یہی کہہ کر ہر غلط اقدام اٹھاتا ہے۔ حالانکہ یہ ملک تو اسلام کے نام پر لیا گیا۔ گھر اجڑے بیٹیاں ہندو سکھ اٹھا کر لے گئے بچے بوڑھے قتل ہوئے اور اتنی تباہی کے بعد یہ خطہ زمین اسی لئے حاصل کیا کہ یہاں مسلمان اسلامی شعار، اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر زندہ رہیں گے۔ ملک تو بن گیا اللہ کو منظور تھا۔ اب انشاء اللہ اسلام بھی نافذ ہوگا۔ جس طرح دنیا کہتی تھی کہ یہ ملک نہیں بن سکتا اور وہ بن گیا۔ اسی طرح جو لوگ سوچتے ہیں کہ یہاں کبھی اسلام نافذ نہیں ہوگا وہ جاہل ہیں۔ اسلام بھی ایسے ہی نافذ ہوگا جیسے یہ ملک بن گیا

تھا۔ انشاء اللہ وہ وقت جلد آئے گا۔ اللہ ہمیں بھی دیکھنا نصیب کرے لیکن حکمرانوں کے پاس اتنے بڑے بڑے عذر رہیں کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) قرآن کے مطابق تو زندگی گزاری نہیں جاسکتی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جس خالق نے مخلوق کو پیدا کیا اس کی ضروریات پیدا کیں۔ ان کی حاجات پیدا کیں انہیں قوت کار اور استعداد دی۔ وہ نہیں جانتا کہ اسکی مخلوق کیا کرسکتی ہے اور کیا نہیں کرسکتی۔ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام پر عمل کرنا ممکن نہیں تو یہ نبوت کا انکار ہے۔ دین کا اور قرآن کا انکار ہے۔ لیکن حکمرانوں کو جنونِ اقتدار نے اس احساس سے عاری کردیا ہے کہ وہ اپنے پیشرؤوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کوئی پھانسی پر جھول گیا۔ کسی کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ کسی کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ لیکن وہ اپنے سے پہلے حکمرانوں کے انجام سے عبرت بھی نہیں لیتے۔ انہیں اقتدار کا ایسا جنون ہے کہ انہیں اس اقتدار کو طول دینے کے لئے کافروں کی تقلید آسان لگتی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی مشکل نظر آتی ہے۔ اللہ کریم فرمارہا ہے کہ یہ گناہ کی خصوصیت ہے کہ بندہ جرم کرکے ایک اور جرم کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے عبادات کا نظام رکھا ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ کسی کا اللہ پر ایمان ہو، اللہ کے حبیب ﷺ پر ایمان ہو، آخرت پر یقین ہو اور بندے میں غلطی اور گناہ پر نادم ہونے کا احساس زندہ ہوجائے۔ یہ ساری محنت کیوں کروائی جاتی ہے؟ دن بھر میں پانچ مرتبہ صلوٰۃ کو قائم کیوں کروایا جاتا ہے؟ سال بھر میں تیس روزے کیوں فرض ہیں؟ مقصد صرف یہ ہے کہ ہر سجدہ، ہر رکوع، ہر صلوٰۃ، صلوٰۃ کی ہر رکعت، تلاوت کا ہر لفظ، روزے کا ہر لمحہ، یہ احساس زندہ کرتا ہے کہ میں بندہ ہوں، میرا مالک اللہ ہے، جو لاشریک ہے اور اس عالمِ آب وگل میں مجھے اس کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے۔ اسکی عظمت کے تابع ہوکر رہنا ہے اور ثابت کرنا ہے کہ میں اس کا بندہ ہوں اور بندے سے غلطی تو ہوجاتی ہے لیکن غلطی ہوجائے تو اس سے وہ توبہ کرتا ہے۔ اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کی مغفرت چاہتا ہے۔ لیکن جس آدمی کا ایمان کمزور ہو ایک تو وہ گناہ کرتا ہے پھر اس گناہ کو جائز کرنے کے لئے مزید الزام تراشیاں کرتا ہے۔ **فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾** اور گناہ کرنے کے بعد اسے دوسروں کے ذمے لگانا بہتان لگانا ہے۔ جو بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ **اِثْمًا مُّبِيْنًا** اور بڑا واضح جرم ہے کہ جرم تو بندہ خود کرے اور ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرائے۔

گناہ کی خاصیت کمزوری ایمان:

یہ کمزوری آج کے معاشرے میں عام دیکھی جاسکتی ہے کہ رمضان ہم پر اثر نہیں کر رہا۔ تراویح میں

کھڑے ہوکر قرآن سنتے ہیں۔ کردار وہی رہتا ہے۔ وہی جھوٹ، دھوکہ دہی، لوٹ مار، قتل و غارت ہے۔ ہر برائی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ آخر کیوں؟ یقیناً اسلئے کہ ہمارے ایمان کمزور ہو چکے ہیں۔ ہمیں آخرت پر وہ یقین حاصل نہیں جو ہمیں گناہ سے روک دے۔

مضبوطی ایمان کا ذریعہ:

ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سے وہ پیار نہیں جو نافرمانی سے روک دے۔ محبت رسول ﷺ کا دعویٰ تو ہر بندہ کرتا ہے لیکن محبت کا تقاضا یہ ہے کہ فان الله المحب لمن یحب یطیع ایک عربی مصرعہ ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کا مطیع ہو جاتا ہے۔ محبت کا تقاضا ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا۔ دنیا میں اسکی مثالیں عام ہیں۔ والدین سے محبت ہو تو ان کی خلاف ورزی یا نافرمانی نہیں کی جاتی۔ اولاد سے محبت ہے تو اس کی ناز برداری کی جاتی ہے۔ بیوی سے محبت ہے تو اس کی ہر بات مانی جاتی ہے۔ تو اگر واقعی ہمیں اپنے نبی کریم ﷺ سے محبت ہے تو پھر ہم کس دل سے قتل و غارت کرتے ہیں؟ کس جرأت سے جھوٹ بولتے ہیں؟

اسلام حق ہے اور جھوٹ کے ساتھ اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن نام نہاد مسلمان دعویٰ مسلمانی کے ساتھ نظریات سے کردار تک سچ اور جھوٹ کو اکٹھا رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا علاج توبہ ہے۔ دامانِ رحمت کو تھامنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اطاعت میں آنا ہے۔ اس کے لئے صرف دل کو خالی کر کے اللہ کی بارگاہ میں رکھنا ہے کہ اس کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت سے بھر دے۔ اس کیلئے خود سپردگی شرط ہے۔

سورۃ النساء آیات 113 تا 115 رکوع 17

وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جانوں کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں اور آپ کو وہ باتیں بتائی ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے ﴿۱۱۳﴾ عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی، ہاں مگر ان کی جو ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو

شخص یہ کام کرے گا حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے سو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے ﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی ﴿۱۱۵﴾

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ اگر آپ ﷺ پر اللہ کا خاص فضل و رحمت نہ ہوتو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے ارادہ کرلیا تھا کہ آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) غلطی میں ڈال دیں لیکن آپ ﷺ کی عظمت تو بے مثل ہے۔ آپ ﷺ کے نور سے دو جہان روشن ہیں۔ کوئی آپ ﷺ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ تاریکی آپ ﷺ کے قریب نہیں آسکتی اور اس کے باوجود کافروں کے گروہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو سیدھے راستے سے ہٹا لیں لیکن آپ ﷺ پر اللہ کا فضل اور رحمت ہے۔

مکالمہ بین المذاہب کی حقیقت:

ہمارے دانشور عوام اور حکمران یہ چاہتے ہیں کہ تمام مذاہب کے درمیان گفتگو ہونی چاہئے۔ سب کو مل جل کر ایک راستہ اختیار کرنا چاہئے کہ ایسا مذہب بنا لیا جائے جس میں کسی کی بھی دل شکنی نہ ہو۔ حق کی بات یہ ہے کہ اسلام اللہ کا دین ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ قرآنِ حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے۔ سارے کا سارا سچ وہ ہے جو قرآن میں ہے اور اس کے باہر جو کچھ ہے وہ جھوٹ ہے۔ جھوٹ اور سچ کے درمیان مکالمہ کیا ہوگا؟ کیسے سمجھوتہ ہوگا؟ حق اور باطل کے درمیان سے راستہ کہاں سے نکلے گا؟ یہی مکالمہ بین المذاہب مکہ میں بھی ہوا تھا جب کفار و مشرکین نے ہر حربہ آزمایا۔ آپ ﷺ کو تکالیف پہنچائیں۔ صحابہ کرامؓ کو ایذائیں دیں ۔ دین کو روکنے کی تمام کوششیں کرنے کے بعد جب تھک ہار گئے اور اہلِ مکہ نے یہ دیکھا کہ ان کی ساری کوششوں کے باوجود اسلام پھیلتا جا رہا ہے۔ ہر روز کوئی نہ کوئی اسلام قبول کئے جا رہا ہے جو باہر سے آجاتا ہے وہ کلمہ پڑھ لیتا ہے جہاں جاتا ہے وہاں لوگ مسلمان ہونے لگتے ہیں اور یہ کسی طور پر رکنے میں نہیں آ رہا۔ تو انہوں نے سوچا کہ کوئی درمیانی راستہ نکالا جائے۔ مکہ مکرمہ ایسا شہر تھا کہ وہاں سے تاجر

دنیا بھر کو جاتے اور ان کے ہاں تاجر باہر سے آتے تھے۔ اس طرح وہاں دنیا بھر کے مذاہب جمع تھے۔ یہودی عیسائی تھے تو آگ کے پجاری، سورج، چاند اور بتوں کو پوجنے والے بھی تھے۔ فرشتوں، جنوں کی عبادت کرنے والے بھی تھے تو نجومیوں، جوتشیوں کے ماننے والے بھی تھے۔ اور ان سب کا آپس میں ٹھیک گزارا ہو رہا تھا تو اہلِ مکہ کے سردار جمع ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اسی شہر میں اتنے مذاہب ہیں اور سب کا گزارا یہاں ہو رہا ہے۔ آپ نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال دی ہے تو آپ اپنے مذہب پر رہیں خدا کو ایک مانیں، اپنے طریقے سے عبادت کریں۔ لیکن یہ جو آپ نے انداز زندگی بدل دیئے ہیں کہ یہ حلال ہے وہ حرام ہے یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے اس طرح کمانا ہے اور اسطرح خرچ کرنا ہے اسطرح تو ہمارا سسٹم ختم ہو جائے گا۔ آپ عبادت اپنے طریقے پر کرتے رہیں لیکن باقی معمولاتِ زندگی کو مت چھیڑیں۔ لوگ جس طرح زندگی گزارنا چاہتے ہیں انہیں گزارنے دیں۔ لگتا ہے جیسے مشرکین مکہ نے گویا آج کے حالات کی تصویر کشی کی ہے۔ ہمارا طریقہ بھی یہی ہے کہ مسجد بھی ہو آئے، حلال حرام کی تمیز کیئے بغیر مال کما لیا۔ حقداروں کا حق غصب کر کے سجدے دیتے رہے۔ بینک میں رقم رکھ کر منافع کہہ کر سود کھا لیا۔ بھلا کُتے کا نام دنبہ رکھ لینے سے کتا حلال تو نہیں ہو جائے گا۔ سود کو منافع کہہ دینے سے سود حلال نہیں ہو جائے گا۔ حرام، حرام ہے بدل کر حلال نہیں ہو جائے گا۔ یہی مطالبہ مشرکینِ مکہ کا بھی تھا اور حضور ﷺ کا جواب سونے کے حروف سے زیادہ قیمتی سیرۃ پاک میں آج بھی موجود ہے۔ فرمایا تم میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دو تو میں وہی کہوں گا جو میرا رب مجھ پر وحی کرتا ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے مکالمہ بین المذاہب کی حقیقت۔ کافر یا کافر رہے گا یا مسلمان ہو گا۔ مسلمان یا مسلمان ہو گا یا کافر ہو گا۔ درمیانی راستہ کوئی نہیں ہے۔ ان باتوں سے کافر دراصل یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو حرام کھلائیں، انہیں فحاشی اور شراب کا عادی بنائیں، انہیں جوئے اور رشوت میں الجھا دیں، جھوٹ، برائی اور قتل و غارت گری میں مشغول کر دیں۔

فرمایا **وَ مَا یَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ** یہ آپ ﷺ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ رائی برابر آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ **وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ** آپ ﷺ کی ہستی تو کائنات میں وہ واحد ہستی ہے جس پر اللہ نے قرآن جیسی کتاب نازل فرمائی اور جس پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ **وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا** (الفتح آیت 28)

اتباعِ رسول ﷺ اور مخالفتِ رسول ﷺ دو مختلف انجام:

جس نے اس ہستی ﷺ کی بات پر عمل کیا وہ اللہ کا ولی ہے۔ اور جس نے نافرمانی کی وہ جہنم میں جائے گا۔ سیدھی سی بات ہے جو آپ ﷺ کی پیروی کرے گا دنیا و آخرت میں فلاح پا لے گا۔ جو آپ ﷺ

کی پیروی چھوڑے گا۔ آپ ﷺ کا حکم ضائع کرے گا۔ آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ خواہ کافروں کی دوستی کے لئے کرے، حکومت واقتدار کے لئے کرے، وقتی فائدے کے لئے کرے، احساسِ لذت کے لئے کرے، کسی بھی وجہ سے کرے۔ جو بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرے گا وہ اللہ کا عذاب پائے گا۔ اور جو اطاعت کرے گا کامیابی اسی کا مقدر ہوگی۔

• اطاعت کے لئے اللہ کا کلام عطا ہوا:

نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو اللہ کا کلام پہنچایا۔ اطاعت کے لئے یہی کلام ملا جس کے تیس پارے ہم رمضان شریف میں سنتے رہے۔ اس کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہم اسے سمجھیں۔ اپنائیں اور اس پر عمل کریں۔ اور قرآن تو ہماری حیات ہے۔ اس لئے قرآن کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ ہر حافظ والناس تک تراویح میں سناتا ہے اور پھر سورہ بقرہ کے پہلے رکوع تک پڑھتا ہے۔ اور یہ بات عہدِ نبوی ﷺ سے جاری ہے قرآن کریم ختم نہیں ہوتا۔ قرآن پھر سے شروع کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم ہماری زندگی ہے۔ ہماری حیات ہے۔ اسکے ایک ایک لفظ کے ساتھ کروڑوں رحمتیں وابستہ ہیں۔ جس طرح دنیا سے ہوا اور پانی ختم نہیں ہو سکتے کہ ان سے مخلوق کی حیات وابستہ ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم سے ایمان کی روح وابستہ ہے اور یہی بات رمضان کے بارے میں فرمائی گئی ہے کہ **وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ** (البقرہ آیت 185) جب رمضان کی معیاد پوری کرلو یہ نہیں کہ رمضان ختم کرلو بلکہ فرمایا روزے مکمل کرلو تو عید کرنا۔ جب رمضان کی گنتی پوری کرلو تو اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ اسکا شکر ادا کرو۔ دو رکعت عید الفطر کے پڑھو۔ **وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ** اور اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے ہدایت دی، ایمان دیا، توفیق نصیب ہوئی۔

تمام عبادات بندے کو بارگاہِ الٰہی کی حضوری عطا کرتی ہیں۔ اور بیمار کردار کی دوا ہیں۔ جس طرح پہلے پہل بیمار کو دو گولیاں ایک پڑیا دے دیتے تھے۔ پھر دیکھتے تھے کہ افاقہ نہیں ہو رہا تو علاج تبدیل کر دیتے تھے۔ کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھاتے تھے، کسی اور بڑے شہر کا رخ کرتے تھے، اسی طرح ہر صلوٰۃ ایک دوا ہے۔ رمضان حیات بخش ٹیکہ ہے۔ ایسی بے شمار گولیاں دن میں پانچ مرتبہ کم از کم کھاتے ہیں۔ سال میں رمضان کے تیس ٹیکے لگوائے تو کیا صحت ٹھیک ہوئی؟ برائی چھوٹ گئی؟ جھوٹ سے نفرت ہوگئی؟ حقوق ضائع ہونے سے بچا لئے گئے؟ اگر نہیں تو پھر اسلام کے نظام عبادت سے بڑا کوئی ہسپتال نہیں۔ چند دن پہلے مجھے مکہ مکرمہ سے فون آیا کہ میرے لئے دعا کریں۔ مجھ سے ذکر اللہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا تمہاری یہ جرأت کہ اللہ کے گھر بیٹھ کر کہہ رہے ہو کہ اللہ کا ذکر نہیں ہوتا۔ اب مجھے کوئی اور دروازہ دکھاؤ، کوئی ہستی بتاؤ جو اللہ سے بڑی ہو۔

اور میں اس سے بات کروں! اللہ کا ذکر تو تم پہلے ہی چھوڑ بیٹھے ہو۔ اس کا ذکر تو تم سے ہوتا نہیں۔ اب اللہ سے کیا عرض کروں؟ پھر گھبرا کر بولا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں نے کہا آپ کی اس بات کا مطلب یہی نکلتا ہے۔ اللہ سے ڈرو یہ مت کہو کہ تم سے ذکر نہیں ہوتا یا روزہ نہیں رکھا جاتا تو گناہ قبول کرو کہ یا اللہ! میں جرم کر رہا ہوں یا اللہ مجھے توفیق دے، صحت دے، ہمت دے کہ میں گناہوں سے بچ جاؤں اور نیکی کیا کروں۔ یہ کہنا کہ مجھ سے گناہ نہیں چھوٹتا یہ بہت بڑی جرأت ہے اور مغفرت کیلئے اللہ کی بارگاہ کے علاوہ کوئی اور جگہ بھی نہیں۔

عبادات کے بے نتیجہ ہونے کی وجہ:

اگر صلوٰۃ بے حیائی اور برائی سے نہیں روک رہی تو دیکھنا یہ ہوگا کہ کیا ادائیگی صلوٰۃ صحیح ہو رہی ہے۔ جیسے بیمار کو شفا نہ ہو تو دیکھا جاتا ہے کہ دوا اصلی ہے یا نقلی۔ اسی طرح دیکھنا ہوگا کہ عبادت میں بدعات تو شامل نہیں ہیں۔ رسومات کی آمیزش تو نہیں ہوگی۔ مثلاً آج اکثر مساجد سے جو اذان بلند ہوتی ہے وہ اس اذان سے فرق ہو چکی ہے جو عہدِ نبوی ﷺ میں تھی۔ جو ہم نے بھی ساری عمر سنی ہے۔ اللہ اکبر سے شروع ہوتی تھی لا الہ الا اللہ پر ختم ہو جاتی تھی۔ اب ایسی اذان سن کر کسی کا صلوٰۃ کے لئے دل ہی نہ چاہے تو یقیناً اس دوا میں ملاوٹ ہوگئی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی بارگاہ کی پکار سنے اور دل نہ چاہے۔ اسی طرح ہم نے عبادات میں، رسومات اور عادات کی ملاوٹ کر دی ہے۔ عبادات کا سلیقہ یہ ہے کہ اس طرح ادا کی جائے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہیں۔ جو بھی ان عبادات میں آمیزش کرتا ہے وہ اس کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ کوئی ہستی نہیں جو حضور ﷺ کے کلام کے ساتھ اپنی بات جوڑے۔ ہم عجیب لوگ ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ تراویح میں ہم نے پورا قرآن سننے کی سعادت حاصل کی۔ ہر روز بیس رکعت نماز اور ہر رکعت میں مسلسل قران حکیم کی تلاوت بہت بڑا طاقت کا ٹیکہ ہے۔ اس نے بیماریوں کے خلاف مضبوط دفاع فراہم کرنا تھا۔ اس سے ہماری صحت اور قوت میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ ہمیں قوت ملی یا ہم نے کہا قرآن ختم ہوگیا جان چھوٹ گئی۔ رمضان ختم ہوگیا جان چھٹی۔ مجھے اور آپ کو ہمیں یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ پھر ہمیں وہاں بڑا دکھ ہوگا کہ کاش ہم نے یہ کیا ہوتا۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جسے بخشش مل گئی وہ کامیاب ہوا۔ **فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ** (ال عمران 185) قرآن بھی یہی بتاتا ہے کہ جو دوزخ سے بچ گیا اور جنت چلا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ حضور ﷺ کے ارشادِ پاک کا مفہوم ہے کہ اہلِ جنت کو جنت میں کوئی غم دکھ اور فکر نہیں ہوگا۔ لیکن ایک حسرت جنت میں بھی ہوگی۔ جنتیوں کو بھی یہ احساس ضرور ہوگا کہ جہاں اچھے اچھے کام کرنے کی توفیق ملی تھی۔ وہاں میں کچھ مزید نیکیاں کر لیتا۔ مزید تلاوت کر لیتا۔ مزید

ذکرِ الٰہی کر لیتا۔ مزید نیک معاملات کئے ہوتے اور جو جہنم میں جائیں گے انہیں وہاں حسرت ہی حسرت ہوگی کہ دنیا میں مہلتِ عمل بھی ملی۔ رمضان بھی دیکھا، قرآن بھی سنا اور توبہ نہ کی۔

کافر کے ساتھ تعلقات کی صورتیں:

قرآنِ کریم کا اصول یہ ہے کہ کفار سے دنیاوی معاملات کئے جا سکتے ہیں۔ دینی امور نہیں کئے جا سکتے۔ مثلاً کافر بھی انسان ہے۔ اس کے انسانی حقوق اسے اللہ نے دیئے ہیں۔ کافر کے ساتھ مسلمان کاروبار کر سکتا ہے۔ تجارت کر سکتا ہے۔ لین دین کر سکتا ہے۔ وہ بیمار ہو تو اس کا علاج کر سکتا ہے۔ کسی کافر معالج سے مسلمان علاج کروا سکتا ہے۔ یعنی دنیاوی معاملات کافر سے ہو سکتے ہیں لیکن کافر کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے کہ یہ معاملہ دنیاوی نہیں دینی ہے۔ کافر اور مسلمان میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ جہاں دین آئے گا وہاں مسلمان کا راستہ کافر سے جدا ہوگا۔ کافر شراب خریدے گا، بیچے گا، تو مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ دین میں سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے۔ مسلمان حکومتیں کافر حکومتوں سے معاہدے کر سکتی ہیں لیکن وہ معاہدے نہیں کر سکتیں جس سے دینی معاملات پر زد پڑے۔ غرض یہ کہ کافر سے نہ دلی دوستی ہو سکتی ہے، نہ رشتہ داری۔ کافر' کافر ہے، مومن' مومن ہے۔ عوام کو بھی اور حکمرانوں کو بھی اپنا اپنا تجزیہ کرنا چاہئے۔ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ مجھے تیس روزے نصیب ہوئے۔ ہر روز پانچ نمازیں اور بیس تراویح نصیب ہوئی، قرآن پڑھنا اور سننا نصیب ہوا، یہ سب کچھ دوا بھی تھا اور غذا بھی۔ میرے کردار کی صحت کیسی ہوئی؟ کیا مجھے جھوٹ بولنے سے، حرام کھانے سے نفرت ہوئی؟ کیا نماز کی باقاعدگی نصیب ہوئی؟ مسلمان کو ان دواؤں سے جنہیں عبادات کہتے ہیں۔ شفا نہ ہوئی تو یہ مومن کی موت ہوگی۔ اس کا عقیدہ ختم ہو کر ایمان رخصت ہو جائے گا۔ پھر وہ جانور کی طرح زندہ رہے گا۔ جب عقیدہ ختم ہوتا ہے تو کوئی بھی گمراہ فرقہ اسے اچک لیتا ہے۔ یہ ساری فرقہ بندی جو نظر آرہی ہے یہ مرنے والے لوگ ہیں۔ ان کا ایمان ختم ہو گیا ہے۔ جب ایمان ضائع ہو جائے تو پھر جو مرضی عقیدہ رکھیں یہ ایسے ہے کہ جس پتنگ کی ڈور کٹ گئی ہو۔ اسے ہوا اُڑا لے جائے یا وہ کسی جھاڑی سے اٹک جائے یا کسی بجلی کی تار میں الجھ جائے۔

اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے:

اسلام بڑا سیدھا سادا دین ہے۔ **لا الٰہ الا اللہ** کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فقہی اختلافات حقیقی اختلافات نہیں ہیں۔ یہ کوئی اختلاف نہیں ہے کہ کوئی آمین آہستہ کہتا ہے

اور کوئی آمین بلند آواز میں کہتا ہے۔ یہ اصول کی تعبیر اور تشریح میں فرق ہے۔ تکبیر اولیٰ پر تو سب ہی ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اگر کسی نے ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے تو اسے اختلاف نہیں کہیں گے۔ آمین تو سب ہی کہتے ہیں۔ کسی نے بلند آواز سے کہہ دیا تو یہ اختلاف نہیں ہے۔ اسلئے کہ کسی کا بھی اصول پر اختلاف نہیں ہے۔ اصول کی تعبیر اور تشریح میں فرق ہے۔ اور ہر تعبیر درست ہے کہ ہر تعبیر کا اصول قرآن وسنت سے لیا گیا ہے۔ تو فرق کرنے والے سب حق پر ہیں۔ کہ اطاعت تو آپ ﷺ کی ہی ہوتی ہے۔ کوئی ایک طرح سے کر لیتا ہے کوئی دوسری طرح سے۔ لیکن بنیادی عقائد ہی بدل جانا توحید و رسالت کے عقائد میں تبدیلی کرنا۔ قرآن اور آخرت پر عقائد کا بدل جانا یا بزرگانِ دین کے بارے میں عقائد کا درست نہ ہونا، یہ ان لوگوں کے بدلتے ہیں جو دینی اعتبار سے مرجاتے ہیں۔ جنہیں صلوٰۃ جیسی دوا اور رمضان کی صورت میں لگنے والے قوت بخش انجیکشن بھی شفا نہیں دیتے۔ اور پھر وہ کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد مرجاتے ہیں۔ مرنے سے مراد یہ ہے کہ ایمان ختم ہوجاتا ہے اور روح مرجاتی ہے۔ اور وہ کسی نہ کسی بدعقیدہ فرقے کا حصہ بنے رہتے ہیں۔ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ ان لوگوں کا دل چاہتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کو بھی راستے سے دور لے جائیں لیکن آپ ﷺ کی ہستی تو وہ ہستی ہے جس پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی جو قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کی رہنمائی کا حق ادا کر رہی ہے۔ آپ ﷺ تو رہبرِ انسانیت ہیں۔ بھلا آپ کا کوئی کیا بگاڑے گا؟ **وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ** آپ ﷺ کو دانائی دی اور کتاب کے مفاہیم اس طرح سمجھائے کہ کوئی دوسرا آپ ﷺ کا ثانی نہیں۔ اور اللہ نے آپ ﷺ کو وہ باتیں بتائیں جو پہلے آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھیں۔ اللہ نے اپنی ذات وصفات کی معرفت عطا کی دنیا و مافیہا کے علوم اس قدر عطا فرمائے کہ دنیا کی حکمتیں تو الگ، آخرت کی تمام بھلائیاں آپ ﷺ کو تعلیم فرمادیں۔ اور اتنے علوم عطا فرمائے کہ آپ ﷺ کے علوم کی کوئی حد نہیں۔ اللہ کریم نے آپ ﷺ کو بے حد و بے حساب علوم عطا فرمائے۔ **وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾** میرے حبیب ﷺ بات مختصراً یہ ہے کہ آپ پر اللہ کی جو رحمتیں ہیں ان کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ **عَظِيْمًا** عظیم ترین بے شمار اور بے حد وحساب۔

جو اس رحمتِ عظیم سے حصہ پائے گا وہ کامیاب ہوگا۔ اللہ ہم خطا کاروں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے گناہ معاف فرمائے۔ اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت واطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ

النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

دینِ اسلام ہر پہلو سے مکمل رہنمائی عطا کرتا ہے:

دینِ اسلام نے بنیادی باتوں پر پوری طرح متوجہ فرمایا ہے۔فرمایا! اللہ پاک نے زبان اس لئے نہیں دی کہ اس کا غلط سلط استعمال کرتا رہے۔ بلکہ دینِ برحق نے انسانی زبان، نطق اور لسان پر بھی ضبط رکھنے کا حکم دیا ہے۔اور فرمایا اکثر باتیں اور ایک دوسرے سے کی گئی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔عموماً باتیں دو طرح کی ہوتی ہیں یا تو کسی کے خلاف ہوتی ہیں یا پھر کسی کے نقصان کے لئے، سازش کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔تنقیدِ محض ہوتی ہے۔ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ویسے ہی وقت گزاری کرتے ہیں۔یعنی یا کسی کا گلہ شکوہ اور غیبت ہوتی ہے یا فضول گپ شپ اور یاوہ گوئی ہوتی ہے۔فرمایا اس میں بہتری نہیں۔ ہاں ایک بات میں بہتری ہے۔جب بھی زبان کھولو تو اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ کسی کو اللہ کی راہ میں کام کرنے کی دعوت دو۔صدقہ صرف مالی خیرات ہی کو نہیں کہتے بلکہ ہر وہ کلمہ صدقہ ہے جس میں کسی کی بھلائی کی بات کی جائے۔ کسی کو اچھی بات کہنا، خیر کا مشورہ دینا، کسی کو پڑھا دینا صدقہ ہے کسی کو عبرت کے لئے ترغیب وتبلیغ کے واقعات سنا دینا، جس کے نتیجے میں وہ گناہ سے باز آجائے توبہ کر کے نیکی کی طرف آجائے تو یہ سارا صدقہ ہے یعنی زبان سے وہ بات نکلے جو صدقہ وخیرات کے زمرے میں آتی ہے جو اس کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی ہے اور سننے والے کو بھی بھلائی کی دعوت دے۔اگر سننے والے قبول کرلیں تو وہ بھی اجر پائے گا اور نہیں مانتا تو دعوت دینے والے کے اجر میں کمی نہیں آئے گی۔ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ پھر بات کرو تو لوگوں میں فساد مٹانے کی بات کرو۔فساد بڑھانے کی بات نہ کرو۔یعنی اصلاح کی بات کرو۔بھلائی کی اور اتفاق بڑھانے کی بات ہو۔لوگوں میں عداوت اور بدامنی پیدا کرنے کی بات نہ ہو۔ بلکہ بدامنی سے امن کی طرف بلانے کی بات ہو۔

انسان مدنی الطبع ہے۔اُسے مل بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔دیہاتوں، گاؤں میں بھی ہر برادری نے مل بیٹھنے کی جگہیں بنا رکھی ہیں۔لوگ شہروں میں بھی، ہوٹلوں میں ملتے ہیں۔گھروں میں بھی محفلیں جمتی ہیں۔لیکن ان تمام موقعوں پر زبان کے درست استعمال کو ملحوظ رکھنا دینی ضرورت ہے اور جب زبان کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو پھر انہی مل بیٹھنے کی جگہوں پر گپ بازی ہوتی ہے۔جس کا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اور یہی دیکھا گیا ہے کہ دیہاتوں میں جگہ جگہ فضول گفتگو ہوتی ہے۔تو شہروں میں پان کی دکانوں پر بیٹھنے والے، ہوٹل میں بیٹھنے

والے، سارادن خرافات سننے اور کہنے میں مصروف رہتے ہیں۔ یا کسی کے خلاف بات کرتے ہیں۔ کسی پر الزام دیتے ہیں اور کہیں لوگوں کو بھڑکانے کی باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ پاک نے زبان انسان کو اس لئے نہیں دی کہ وہ اس سے لایعنی اور لاحاصل گفتگو کرے۔ اگر کسی فوجی کو اسلحہ ملتا ہے تو اس لئے نہیں ملتا کہ وہ شہروں میں گولیاں چلاتا پھرے۔ لوگوں کو قتل کرتا اور فساد مچاتا پھرے۔ بلکہ اس کے پاس جو اسلحہ ایمونیشن ہے وہ فساد مٹانے کے لئے ہے۔ دشمن کو روکنے اور ظلم کو مٹانے کے لئے ہے۔ جہاد کرنے کے لئے ہے۔ فساد کرنے کے لئے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

زبان اسلحہ سے زیادہ اثر رکھتی ہے:

اس لئے اس کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ کسی چاقو کا زخم یا گولی کا زخم لگ جائے تو وہ مندمل ہوجاتا ہے۔ زبان کا زخم بندے کو عمر بھر یاد رہتا ہے۔

فرمایا یہ گپ بازی تمہارے انجام کا راستہ متعین کرتی ہے:

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مل کر بیٹھے۔ حالانکہ ہم زبان کا بے جا استعمال کر کے اٹھ آئے۔ ہم نے گپ شپ کی تو کسی کا کیا بگڑا؟ فرمایا یہ گپ بازی تمہارے انجام کا راستہ متعین کرتی ہے کہ تمہارا اپنا انجام کیا ہو رہا ہے۔ اگر تم محض گپ ہانکتے ہو تو اس میں کوئی بھلائی نہیں اور اگر کسی کے خلاف بولتے ہو تو وہ بجائے خود جرم بن گیا۔ اگر تمہاری باتوں سے بھڑک کر کسی کے ہاں فساد ہو گیا، کسی نے خودکشی کر لی، کسی نے دھکا دے کر دیا، کسی کو قتل کر دیا تو تم بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہو گئے۔ فرمایا **لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ** اکثر لوگ جو گپ ہانکتے ہیں یا چھپ کر باتیں کرتے ہیں یا سرگوشیاں کرتے ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں۔ زبان صرف ایسی باتیں کہنے کے لئے دی گئی ہے کہ جو تمہارے حق میں صدقہ و خیرات شمار ہوں۔ یہی بات قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ یوں ارشاد ہوئی ہے۔ **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ** (ق آیت 18) فرمایا تمہارے لبوں سے کوئی جملہ نہیں نکلتا کہ میرے مقرر کردہ لکھنے والے ساتھ موجود ہوتے ہیں اور سب ضبطِ تحریر میں آجاتا ہے۔ میدانِ حشر میں اللہ کی عدالت ہوگی اور اعمال نامے ان جملوں سمیت تمہارے سامنے ہوں گے۔ کسی نے ایک بزرگ سے یہ عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ میرے کردار عقائد و اعمال کی اصلاح ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا صبح اٹھتے ہی ایک قلم کاغذ لے کر وہ کچھ لکھنا شروع کر دو جو بولتے ہو۔ رات سونے سے پہلے دن بھر کی تمام باتیں پڑھ لینا۔ تمہیں خود احساس ہو جائے گا کہ تم

نے دن بھر میں کیا کھویا کیا پایا! جب اس نے لکھنا شروع کیا تو اسے بات کہتے ہوئے احساس ہو کہ یہ تو غلط بات ہے اسے کیسے لکھوں! پھر غصے میں آیا، گالی دینے لگا تو احساس ہوا کہ گالی کیسے لکھوں گا۔ اسی طرح زبان کے ہر طرح کے غلط استعمال کرنے لگتا تو احساس ہو جاتا کہ کیا لکھوں۔ شام کو اپنا لکھا ہوا پڑھوں گا تو شرمندہ ہوں گا پھر اگلے دن بزرگ کے پاس پہنچا کہ یہ تو عجیب معاملہ ہے لکھتا ہوں تو اپنے آپ سے شرم آتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا اگر تمہیں اپنے آپ سے حیا آتی ہے تو پھر یاد رکھو کہ اللہ کے لکھنے والے فرشتے بھی وہی کچھ لکھ رہے ہیں جنہیں تم زبان سے ادا کرتے ہو اور خود پڑھتے ہوئے تمہیں حیا آتی ہے۔ تو سوچو کہ اگر تمہیں اپنی کہی گئی باتوں کو پڑھنے سے حیا آتی ہے تو جب یہ پلندہ بارگاہِ ربوبیت میں پیش ہوگا۔ اس اللہ کے حضور پہنچے گا جس کے تم بندے ہو۔ جس کے اپنی مخلوق پر بے شمار احسانات ہیں۔ جب اس مالک الملک کے سامنے وہ تحریر پیش ہوگی تو کیا عالم ہوگا؟ ہمارا ملکی میڈیا بھی اس کی زد میں آتا ہے۔ بے شک ملک میں بدامنی ہے۔ حکومتی نظام صحیح نہیں چل رہا۔ مہنگائی ہے۔ لوگوں کو انصاف نہیں مل رہا۔ یہ وہ ساری حقیقتیں ہیں جن سے ہم آشنا ہیں۔ لیکن ہمارے ٹی وی چینلز انہیں اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ لوگ زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ خبر کو خبر کی طرح پہنچا دیں تو درست ہے لیکن وہ دھماکے کی خبر کی کمپیوٹر سے تصویر بناتے ہیں۔ پھر اس آگ اور دھوئیں کو سارا دن دکھاتے رہتے ہیں۔ زخمی لوگوں کو اور میتوں کو بار بار دکھاتے رہتے ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھنے والوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہی عالم اخبارات کا بھی ہے اور یہی موضوع گفتگو ہوٹل اور قہوہ خانوں میں بیٹھنے والوں کا ہے۔ دکانوں اور بیٹھکوں پر بھی لوگ برائی کی خبر کو زیرِ بحث لاتے ہیں اور سنسنی خیز انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے ملک کی ساری آبادی میں کوئی بندہ نیکی کرتا ہی نہیں اور گویا پورے ملک میں سوائے ظلم کے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ حالانکہ اگر ایک یا چند گاڑیوں کو حادثہ پیش آیا ہے تو ہزاروں گاڑیاں بحفاظت بھی یہاں سے گزر گئی ہیں۔ اگر ہزاروں لوگوں نے برائی میں شرکت کی تو لاکھوں لوگ نیک کاموں میں مصروف بھی رہے ہیں۔ میڈیا چن چن کر برائی اور مسائل کو نمایاں پیش کرتے ہیں۔ گویا ملک میں صرف برائی ہی ہوتی ہے۔ آج کی زبان میں جسے پراپیگنڈا کہتے ہے۔ قرآنِ کریم اس کے بارے میں فرما رہا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں سراسر نقصان ہے۔ اس لئے زبان کھولو تو اچھی بات کے لئے۔ لوگوں کو، غریبوں، مسکینوں کی دستگیری پر آمادہ کرو۔ مستحقین کی مدد کے لئے علاج معالجے کے لئے کسی کو آمادہ کرو۔ بھلی بات کہو تو یہ زبانی اور عملی صدقہ ہوگا۔ یا کسی کو نیکی اور بھلائی کی بات بتاؤ۔ عبادات کے طریقے سکھاؤ۔ وضو، تیمم کے مسائل سکھاؤ۔

تعلیم اور تعلّم کی بات کرو۔ کسی سے بہتری اور بھلائی کی بات کرو یا لوگوں کی اصلاح کی بات کرو۔ ایسی باتیں کرو جس سے کردار سدھرے، اصلاح ہو۔

کوئی نیکی تب تک نیکی نہیں جب تک اس میں للّٰہیت اور رضائے باری تعالیٰ نہ ہو:

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور یہ تمام اچھی باتیں زبان کا یہ محتاط استعمال صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ خود کو بڑا بنانے کے لئے یا اپنی پارسائی کے اظہار کے لئے نہ کیا جائے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم جب نیکی کی بات کرتے ہیں۔ دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں۔ تو اس کے پیچھے ایک جذبہ ہوتا ہے کہ بتانے والا یہ چاہتا ہے کہ اسے نیک مانا جائے۔ تو یہ خود ایک بیماری ہے۔ اسلئے قرآنِ حکیم نے اس کی نشاندہی کر دی ہے کہ نیک کاموں کو انجام دیتے ہوئے، نگاہ اللہ کی رضامندی کے حصول پر رہے۔ ایک شخص نے اپنے استاد سے اپنی کسی بری عادت کا تذکرہ کیا اور عرض کی کہ وہ اپنی بدعادت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے کوئی علاج بتایا جائے انہوں نے فرمایا اس برائی پر وعظ کیا کرو۔ اللہ بڑا کریم ہے۔ ہوسکتا ہے دوسروں کو اس سے ہدایت نصیب ہو جائے اور اس کی اصلاح کے طفیل تمہاری بھی اصلاح ہو جائے۔ اگر تمہارے وعظ سے کسی کی بھی اصلاح نہ ہوئی تو اللہ تمہاری اصلاح کا اہتمام فرما دے گا۔ تم خود اس برائی سے چھٹکارا پالو گے۔

واعظ یا مبلغ کو خود اپنے آپ کو بھی مخاطبین میں سے ایک سمجھنا چاہیے:

بات اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ سننے والے اسے بڑا عالم فاضل سمجھیں۔ بڑا مقرر سمجھیں کہ یہ شعر بڑے خوبصورت پڑھتا ہے۔ اس کی آواز کا زیر و بم اور تقریر کا سلیقہ بڑا اچھا ہے۔ ان باتوں کو چھوڑ دیجئے۔ مقصد صرف یہ رہے کہ میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے۔ یعنی نیکی کی بات میں بھی خلوص نیت شرط ہے۔ نیکی تب تک نیکی نہیں جب تک اس میں للّٰہیت اور رضائے باری تعالیٰ نہ ہو۔ ورنہ بظاہر نیکی ہو اور بندہ اپنی شہرت کے لئے کرے تو وہ نیکی نہیں سوداگری ہے۔ اللہ کریم اس کا اجر اسے دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ جیسے دکاندار کو رقم دے کر اس سے کچھ چیز خرید لی جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر کوئی ذاتی پارسائی کے لئے لوگوں پر رعب بٹھانے کے لئے تقریر کرتا ہے اور لوگ اسے اچھا مقرر اور پارسا مانتے ہیں تو سودا برابر ہو گیا۔ حساب چکتا ہوا۔ قیامت کے دن اسے کچھ نہیں ملے گا۔ وہ اپنی نیکی کا اجر دنیا میں ہی لے گیا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ جیسے عظیم انسان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس راستے سے عمرؓ

آرہا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ حضرت عمرؓ کا حال یہ تھا کہ جب فتوحات ہوئیں اور بے شمار مال غنیمت مدینہ منورہ آیا اور گلیوں میں سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے تو وہ فرماتے تھے یا اللہ اس دولت اور مال غنیمت کو کہیں ہمارے جہاد کا بدلہ نہ بنا دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو محنت و مجاہدہ ہم نے کیا، جانیں دیں، سینے پر زخم کھائے، کہیں یہ سب کچھ حصولِ دولت کا مقصد نہ بن جائے۔ یا اللہ! ہمارا مقصد تیری رضا ہے مال ملے تو بھی نہ ملے تو بھی۔

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ کوئی عالم فاضل ہو یا استاد کوئی ہو جب بھی بھلائی کی بات کرتا ہے تو وہ اللہ کی رضا کے لئے کرے۔ اس کی نیت میں خلوص ہو کہ میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے۔ میرے نبی کریم ﷺ میری باتوں کو پسند فرمائیں۔ میرے اساتذہ جنہوں نے مجھ پر محنت کی ہے ان کو بھی اجر ملے۔ جن سے میں نے سیکھا ہے اللہ انہیں بھی اجر دے۔ میرے والدین جنہوں نے میری پرورش کی، تربیت کی، میری بھلی باتوں کا اجر اللہ انہیں بھی پہنچائے۔ اللہ کریم ہم سب سے راضی ہو اور ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں سرخرو کرے۔ **فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾** ہم اسے اجر عظیم دیں گے۔ جس اجر کو اللہ عظیم فرمائے اس کی عظمت کیا ہوگی؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے ہم اس عظمت کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں رکھتے۔

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾ اگر کسی نے میرے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا اور وہ چلا مومنین کے راستے سے ہٹ کر تو اسے جانے دیں گے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ وہ جہنم میں جھونکا جائے گا جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اگر کوئی شخص وہ باتیں کہتا ہے جو آپ ﷺ کو ناپسند ہوں تو جب وہ باتیں ایسی کرتا ہے تو پھر اس کا عمل بھی اس کی باتوں میں ڈھل جاتا ہے۔ اور پھر اسکا کردار ارشاداتِ نبوی ﷺ کے مخالف ہوگا۔ یعنی جس طرح کی بات کرے گا اسی طرح کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔ اور جب یہ برائی کردار کا حصہ بن جائے تو پھر وہ اللہ کے نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں آ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک کام سے روکا ہے اور وہ کہتا ہے کہ وہ یہ کام کرے گا تو اس سے بڑی مخالفت کیا ہوگی؟ یہی فرمایا **وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى** اگر کسی نے میرے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی۔ اس کے بعد کہ ہر بات کی وضاحت کی جا چکی۔ قرآن حکیم نازل ہو چکا۔ اس کی تشریح محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دی۔

ایک ریاست اسلامی بنادی۔ جس کی ساری بنیادیں قرآنِ حکیم پر استوار تھیں۔ جس کا ہر شہری قرآنِ حکیم پر عمل کرتا تھا۔ جس کی عدالتیں قرآن حکیم کے مطابق تھیں، جس معاشرے کے نکاح وطلاق کے احکام قرآن کے مطابق تھے۔ جس کی صلح و جنگ قرآنِ حکیم کے مطابق تھی۔ اور جس کا ایک عام شہری سے لیکر حکمران تک پورا معاشرہ قرآن کے سانچے میں ڈھل گیا تھا۔ یہی نہیں حضور ﷺ جب دنیا میں جلوہ افروز تھے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب ریاست اسلامی میں داخل ہو چکا تھا۔ ایک دیہاتی چرواہے کاشتکار سے لے کر دکاندار تاجر تک۔ رئیس وامراء سے جرنیل وافسر تک سب کے کردار دین کے سانچے میں ڈھل چکے تھے۔ جب قرآن مکمل ہوگیا۔ قرآن کی علمی وعملی تفسیر مکمل ہوگئی۔ پوری انسانی زندگی کا لائحہ عمل بن گیا۔ اوامر ونواہی مکمل ہوگئے۔ صرف زبانی یا تعلیمی نہیں، عملی طور پر بھی سب کچھ اس ریاست میں نافذ کردیا گیا۔ تب نبی کریم ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔ حجتہ الوداع کے موقعہ پر جب یہ آیۃ مبارکہ نازل ہوئی **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** (المائدہ آیت 3) تو صحابہ کرامؓ خوش تھے کہ یہ آیت بہت بڑی خوش خبری لائی ہے۔ ''آج تمہارا دین مکمل کردیا گیا''۔ دین مکمل ہونے سے مراد ہے کہ تمام نعمتیں جو بندہ اپنے مالک سے مانگ سکتا ہے وہ اس دین میں سمودی گئیں۔ اب اسلام سے باہر عمل کرنے میں نعمت باری کا کوئی تصور نہیں۔ ہر نعمت اس دین کے اندر ہے۔ اب دین مکمل ہوگیا۔ نہ نیا نبی آئے گا۔ نہ نئی کتاب آئے گی۔ قیامت تک کے لئے دین مکمل ہوگیا۔ اور اللّٰہ نے اس دین کو مسلمانوں کے لئے پسند کرلیا۔ یہی آیت سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ دل گیر ہوگئے اور اتنے درد سے روئے کہ انہیں یہ سمجھ آگئی تھی کہ جب دین مکمل ہوگیا تو پھر اللہ کے نبی کریم ﷺ کا کام مکمل ہوگیا۔ اس کا مطلب ہے اب حضور ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ اسی یا تراسی دن دارِ دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر رفیقِ اعلیٰ کو سدھار گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق احکام کی یہ آخری آیت تھی۔ جو نازل ہوئی۔ بعد میں چند آیات نازل ہوئیں وہ ترغیب وترہیب کی آیات تھیں۔ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد نزولِ وحی ختم ہوگیا۔ صحابی بننے کا زمانہ ختم ہوگیا۔ پھر اس کے بعد کوئی صحابیؓ نہ بن سکا۔ رُخ انور ﷺ کو دنیاوی آنکھوں سے دیکھنے کا دور چلا گیا۔ سورج کی طرح کا روشن عہد رخصت ہوگیا۔ جس میں نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں ادائیگی صلوٰۃ کی سعادت نصیب ہوئی۔ وحی کا دروازہ بند ہوگیا۔ آپ ﷺ نے آخری حکم تک تمام احکام بالتفصیل لوگوں تک پہنچائے، سمجھائے۔ ایک ریاست تعمیر فرمائی۔ جس

کا عام آدمی قاضی، تاجر، دکاندار، حاکم، فوجی، جرنیل، سپاہی، دوست، دشمن، اول، آخر، بچہ، بوڑھا، عورت، مرد، ہرفرد، بشر، اس دین پر عمل پیرا تھا۔ اس تکمیل دین کے بعد اتنی وضاحت کے بعد بھی جو میرے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ دین کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے کے پیچھے چلا۔ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى ہم اس کا مزاج ایسا کر دیں گے کہ وہ پھر زندگی بھر ادھر ہی چلتا رہے گا۔ جدھر اس نے رُخ اختیار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر بندے کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ جدھر چاہے پھیر دے۔ اور پھر جو اپنی پسند سے نبی کریم ﷺ کا اتباع چھوڑ دے۔ جیسا ہم نے ملک کا معاشی نظام سودی اپنا رکھا ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت مول لے رکھی ہے۔ اسی عدالتی نظام کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں جو سن اٹھارہ سو میں انگریزوں نے برصغیر کے غلاموں کے لئے بنایا تھا۔ تعلیمی نظام بھی انگریز کا دیا ہوا ہے۔ جو غیر اسلامی بنیادوں پر استوار ہے۔ ساٹھ برس ہو گئے اور ہم اسی نظام پر رواں دواں ہیں۔ کسی کو حیا نہیں آئی حتیٰ کہ علماء کو بھی حکومت بنانے کا موقع ملا لیکن کسی نے اس نظام کو نہ بدلا۔ کم از کم جس صوبے میں علماء کو حکومت ملی تھی وہاں تو اسلامی احکام، اسلامی معیشت و معاشرت نافذ ہو جاتی۔ اسلامی نظام رائج ہو جاتا۔ لیکن وہاں بھی سودی نظام جاری رہا۔ شراب و شباب کی محفلیں جاری رہیں۔ نتیجہ کیا ہوا؟ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى ہم موڑ دیتے ہیں جدھر وہ مڑ جاتا ہے۔ آج ملک میں بدامنی اور بے انصافی ہے۔ کمر توڑ مہنگائی ہے اشیائے ضرورت ناپید ہوئی جارہی ہیں۔ ملک حالتِ جنگ میں ہے۔ فوج اور پولیس عوام اور ملک کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ اب فوج اور پولیس ملکی شہریوں سے نبرد آزما ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ ایسا ہمارے ساتھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہم نے کافروں کا راستہ اپنا لیا ہے۔ کفر کے راستے میں یہی کچھ پیش آتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا دامنِ رحمت تھامنے والوں کے لئے۔ آپ ﷺ کا اتباع کرنے والوں کے لئے۔ خلوصِ نیت سے اللہ کے دین پر قائم رہنے والے کے لئے ہر جگہ راحت ہے۔ اگر پورے ملک میں آتش نمرود بھڑک رہی ہے تو آج بھی سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والا ابراہیمؑ کی طرح اس آگ میں پرامن و پرسکون بیٹھا ہے۔ کسی جنگل میں بھیڑیں چراتا ہوا، کسی صحرا میں بیٹھا ہوا، شہر کے کسی کونے میں رہتا ہوا، کسی مسجد میں اکیلا بیٹھا ہوا، اگر اللہ کے دین پر خلوص نیت سے قائم ہے۔ تو نمرود کی آگ اس کا دامن نہیں جلا سکتی وہ آج بھی سکون میں ہے۔ اللہ توفیق دے اور ساری قوم اسی روش پر آجائے تو یہی ملک جنت بن سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے اللہ کریم نے فرمایا قُلْنَا يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيمَ (الانبیاء آیت 69)

اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی بن جا۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ کریم نے آگ سے یہ نہیں فرمایا بجھ جا بلکہ فرمایا ٹھنڈی ہو جا۔ اس کی جلانے کی خصوصیت کو اللہ کریم نے ٹھنڈک بنانے کی خصوصیت میں بدل دیا۔ اور پھر اتنی ٹھنڈی بھی نہیں کہ طبیعت پر گراں گزرے۔ بلکہ ابراہیمؑ کے لئے سلامتی بن جا۔ مفسرین کرام نے اس سے آگ کے بجھنے کا مفہوم سمجھا ہے مجھے یہ سمجھ آئی ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے ٹھنڈی ہو جا، بادِ بہار بن جا، بادِ سحر بن جا، بادِ صبا بن جا اور جب یہ تخصیص فرمائی کہ ابراہیمؑ کے لئے بادِ صبا بن جا تو اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ آگ کو کہا لکڑیوں کو تو جلاتی رہ لیکن ابراہیمؑ کے لئے خوشگوار ٹھنڈک بن جا۔ سو آج بھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین حق پر عمل کرے گا وہ آج اس پوری دہشت گردی میں بھی امن وسکون اور سلامتی سے سانس لے رہا ہوگا۔ ایسے شخص کا حال پوچھیں تو وہ کہے گا کہ الحمد اللہ ٹھیک ہوں۔ اللہ کا احسان ہے۔ سب نعمتیں میسر ہیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ اسی مسائکستان میں اس بندے کو کوئی مسئلہ نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے۔

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ مسائل میں گھرے ہیں۔ پریشان حال، خوفزدہ، دنیا میں عذابِ الٰہی کا شکار ہوتے ہیں۔ **نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط** دنیا میں ذلیل ورسوا ہوں گے۔ مختلف خوف ان کی زندگی اجیرن کردیں گے۔ محلات میں ہوں گے گرداگرد پہرے ہوں گے۔ لیکن ہم ان کے دل میں ایسا خوف بٹھا دیں گے کہ گولی کھائے بغیر انہیں نیند نہیں آئے گی۔ پھر دنیا کے دکھوں اور دنیا کی ذلت کے بعد میں انہیں جہنم میں پھینک دوں گا۔ **وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾** فرمایا لوگو! دوزخ بہت بری جگہ ہے دنیا میں کوئی سوچ نہیں سکتا کہ دوزخ کے دکھ کیا ہوتے ہیں؟

لوگو! دوزخ بڑی بری جگہ ہے۔ تم نے بے شمار دکھوں کی کہانیاں سنیں۔ بے شمار دکھ جھیلے۔ لیکن ایسا کوئی دکھ دنیا میں تمہارے تجربے میں نہیں آیا جس طرح کے دکھ جہنم میں ہوں گے۔ اللہ جہنم سے پناہ میں رکھے۔

سورۃ النساء آیات 116 تا 126 رکوع 18

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿116﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿118﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾ ۭ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ

اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾

بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جسکے لیے منظور ہو گا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ﴿۱۱۶﴾ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر چند مؤنث چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ سرکش ہے ﴿۱۱۷﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے (یوں) کہا تھا کہ میں ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ (اطاعت) کا لوں گا ﴿۱۱۸﴾ اور میں ان کو گمراہ کروں گا اور میں ان کو حرص و ہوس دلاؤں گا اور میں انکو تعلیم دوں گا جس سے وہ چوپایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنالے گا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا ﴿۱۱۹﴾ (شیطان) ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو جھوٹی امیدیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے ﴿۱۲۰﴾ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کیے، ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس

میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے (اور) سچا وعدہ (فرمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ملے گا نہ مددگار ملے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا ﴿۱۲۴﴾ اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور وہ ملتِ ابراہیمؑ کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنایا تھا ﴿۱۲۵﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں ﴿۱۲۶﴾

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

دین کی بنیاد توحید باری پر ہے:

آدمؑ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبیؑ نے توحید باری کی بھرپور تبلیغ کی۔ ہر نبیؑ کے کلمے کا پہلا جزو لا الہ الا اللہ رہا۔ عقائد ہی اعمال کی بنیاد ہوتے ہیں۔ کوئی عمارت بنیادوں کے بغیر تعمیر نہیں ہوتی۔ عقائد ہی کردار کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگر عقائد درست نہ ہوں تو نیکی بدی کا تصور درست نہیں رہتا جبکہ نیکی تب نیکی کہلاتی ہے جب وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔ اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اور اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ یہ تین شرائط ہر نیکی میں لازم ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ یہ رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ یعنی اگر عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ طریقہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لیکن اس سے غرض شہرت حاصل کرنا

ہے۔ روپیہ کمانا ہے یا کوئی اور دنیاوی مفاد حاصل کرنا ہے تو پھر یہ عمل نیکی نہیں ہوگا۔ اگر یہ عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہے لیکن نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے تو پھر بھی وہ عمل نیکی نہیں ہے۔ اور اگر پہلی شرط ہی غائب ہو کہ اللہ کے حکم کے مطابق نہیں تو پھر نیکی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کا حکم ماننے کے لئے بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کو واحد لاشریك مانا جائے۔ اگر اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کیا جائے تو عقیدہ تباہ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس پر بے شمار دلائل دیئے ہیں۔ مثلاً یہ وضاحت فرمائی ہے کہ خالق الٰہ ومعبود متعدد ہوتے تو ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کرتے۔ یہی بات دنیاوی حکمرانوں اور باطل مذاہب میں نظر آتی ہے۔ ہندوؤں نے مختلف بتوں میں مختلف اوصاف بانٹ رکھے ہیں۔ کوئی شفا دینے والی دیوی ہے کوئی زراعت کا دیوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان دیوتاؤں میں جنگیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے احکام میں مداخلت کرتے ہیں۔ ان دیوی دیوتاؤں کے مذکر، مؤنث بھی ہوتے ہیں اور ان کی انسانی ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ جس کے لئے وہ ایک دوسرے پر چھینا جھپٹی کرتے ہیں۔ اسی بات سے یہ دلیل ثابت ہوتی ہے کہ الٰہ ہونے کے لئے بنیاد یہ ہے کہ معبود صرف وہ ہے جو کسی کام میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ وہ مخلوق سے بے نیاز ہے۔ معبود وہ ہے جو ہر ذرے کے، ہر حال سے، ہر وقت واقف ہے اور ہر کام پر ہر لحہ قادر ہے۔ اپنے کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں۔ لہٰذا اگر معبود کی ذات میں کسی کو شریک کر لیا تو فرمایا باقی امور کے فیصلے تو میدانِ حشر میں ہوں گے اور گناہوں کی معافی یا گناہوں پر پکڑ تو حشر میں ہوگی۔ اگرچہ اللہ کی ذات کریم ہے چاہے تو بڑے سے بڑا جرم معاف کر دے اور قادر ہے کہ کسی خطا پر گرفت کر لے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا تھا۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ آیت 118)

بار الٰہ تو بخش دے تو بڑی رحمت ہے اور نہ بخشے تو تیرے اپنے بندے، تیری اپنی مخلوق ہے۔ یہاں کسی کو لب کشائی کا یارا نہیں۔ لیکن ایک فیصلہ اللہ کریم نے حضور ﷺ کے وسیلے سے ہم تک پہنچایا لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ کہ کسی نے اللہ کی ذات وصفات میں کسی دوسرے کو شریک کیا اور توبہ کئے بغیر مر گیا یعنی شرک پر ہی اس کا خاتمہ ہو گیا تو اس کی بخشش کی امید رکھنا فضول ہے۔ اسے نہیں بخشا جائے گا۔ یہ بہت بڑا فیصلہ ہے جو انسانی زندگی کو یکسر بدلنے کے لئے کافی ہے۔ آج کا نام نہاد دانشور جب یہ کہتا ہے کہ اسلام کے طرزِ زندگی پر عمل ممکن نہیں۔ یہ سب بہت مشکل ہے۔ ہو نہیں سکتا۔ تو دراصل اس کا یہ قول اس کے دل کی بیماری کو ظاہر کرتا ہے۔

اللہ کے نبی کریم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اسلام کو عملاً نافذ کیا رہتی دنیا تک کے لئے ثابت کر دیا کہ تمام انسانی ضروریات اسی طرزِ زندگی کو اپنانے سے آسان طریقے سے پوری ہو جاتی ہیں۔ دنیا عالمِ اسباب ہے اور انسان کی بے شمار ضروریات و حاجات ہیں۔ اسے بھوک لگتی ہے، وہ بیمار ہو جاتا ہے، اس نے بچے پالنے ہیں اور وہ اپنی تمام ضروریات کیلئے لحہ لحہ محتاج ہوتا ہے۔ اسے نبی کریم ﷺ کے طفیل یہ یقین عطا ہوا کہ اللہ کریم نے جہاں ضروریات پیدا کی ہیں وہاں ان کی تکمیل کے ذرائع بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ مخلوق کے ہر فرد کا رزق موجود ہے۔ جسے اس نے اپنی محنت سے حاصل کرنا ہے۔ محنت انسان پر فرض کر دی گئی ہے۔

فرق صرف یہ ہے کہ اللہ کی عظمت کو ماننے والا انہی اسباب و وسائل کو استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے حکم کے مطابق، اس کے نبی کریم ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق۔ اور جو اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کو نہیں مانتا وہ بھی اسی کی دی ہوئی نعمتیں استعمال کرتا ہے لیکن اپنی پسند سے کرتا ہے۔ تو زندگی ہر فرد و بشر کو اسی زمین پر بسر کرنی ہے۔ اسی ہوا میں جینا ہے، اسی سورج کی تپش میں، انہی بادلوں کی برسات میں اور انہی وسائل زندگی اور اسبابِ حیات کو استعمال کرنا ہے جو اللہ کریم ہر ایک کو عطا کرتے ہیں۔ لیکن ماننے والے اور نہ ماننے والوں کا انجام بہت فرق ہوگا۔

آپ ﷺ کے تعلیم فرمانے کی قوت:

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس نے چودہ سو سال پہلے صرف اللہ کا دین پہنچایا ہی نہیں، صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ آپ ﷺ کے تعلیم فرمانے میں یہ قوت تھی کہ چودہ صدیاں بیت گئیں اور جس چیز کو حضور ﷺ نے غلط کہا اسے دنیا آج تک غلط سمجھتی ہے۔ خواہ اس پر عمل کریں یا نہ کریں۔ جانتے ضرور ہیں کہ یہ کام غلط ہے اور جسے نبی کریم ﷺ نے صحیح کہا ہے اسے ساری کائنات، مومن و کافر، جاہل و عالم، چرواہا و گڈریا، ہر فرد و بشر جانتا ہے کہ نیکی کیا ہے برائی کیا ہے؟ یہ قوت ہے آپ ﷺ کے بتانے کی۔ یہ تاثیر ہے آپ ﷺ کے تعلیم فرمانے کی! یہ قوت تعلیم اپنی تاثیر اور اثر انگیزی کے ساتھ نسلاً بعد نسلاً قیامت تک چلتی رہے گی۔ کوئی ایسا زمانہ نہیں آئے گا کہ ان تعلیمات کو مٹا سکے۔ آپ ﷺ نے اس قوتِ تعلیم کے ساتھ ایک ریاست تعمیر فرمائی۔ اس آسمان نے دیکھا کہ روئے زمین پر صرف ایک ہستی نورِ نبوت کا اعلان کر رہی ہے اور کوئی دوسرا بحیثیت نبیؐ اسے جاننے والا موجود نہیں۔ ہر مخلوق گمراہی کی دلدل میں پھنس چکی تھی۔ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے وحی کا تذکرہ فرمایا تو وہؓ فوراً ایمان لے آئیں اور کہا کہ آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ وہی فرشتہ ہے جس کے بارے میں ہم سنتے آئے ہیں کہ وہ موسیٰؑ پر وحی لے

کرآ تا تھا یوں حضرت خدیجہؓ پہلی مسلمان خاتون ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے سب سے عزیز دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تذکرہ کیا تو وہ بھی فوراً ایمان لے آئے۔ اور بالغ مردوں میں پہلے مسلمان ہوئے۔ بچوں میں یہ شرف حضرت علیؓ کو نصیب ہوا۔ اس آسمان نے دیکھا کہ ایک بچہ ایک بزرگ اور ایک خاتون آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کو ماننے والوں کی یہ مختصر ترین جماعت بنی۔ پھر اسی آسمان نے وہ دن بھی دیکھا کہ تیئس برسوں میں قرآن کا نزول مکمل ہوا اور تیئس برسوں میں پورا جزیرہ نمائے عرب اسلامی ریاست میں تبدیل ہوگیا۔ ریاست کے تمام شعبے ترتیب پاگئے۔ حکومت کے سارے محکمے بن گئے اور پوری اسلامی مملکت کا ایک ایک فرد پوری زندگی اس روش پر گزارنے لگا جو آپ ﷺ نے عطا فرمائی۔ جب دین علمی، عملی طور پر مکمل ہوگیا تو عملاً نافذ ہوگیا۔ اور آپ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا۔ تو دن گن لیجئے وصالِ نبوی ﷺ کے تیئس برس بعد یہ ریاست جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ہسپانیہ سے چین تک اور سائبریا و افریقہ تک پھیل جاتی ہے۔ معلوم دنیا کے تین حصوں پر جو ریاست بنتی ہے اس اتنی بڑی ریاست کا حکمران مسجدِ نبوی کا امام اور خطیب ہوتا ہے اور ریاست کے سارے قوانین وہی ہوتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے۔ تو ایسا فلسفۂ حیات جو معاشرے کی بنجر زمین کو گلستان بنادے، ریگزاروں کو ہدایت کا منبع بنادے اور وصالِ نبوی ﷺ سے تیئس برسوں کے اندر اندر روئے زمین کو اسلام کی بارانِ رحمت سے سیراب کردے اس فلسفۂ حیات کو ناقابلِ عمل کہا جائے تو ایسا کہنے والا جاہل ہے، یا وہ گو ہے اور انتہا درجے کا دروغ گو ہے۔ دین اسلام کی اثر انگیزی پر تاریخ کی گواہی موجود ہے کہ دنیا کے دوسرے نامور لوگوں نے اہل دنیا کو فلسفے دیئے۔ ہٹلر نے تسخیر عالم کا فلسفۂ دیا۔ مقدونیہ کے سکندر نے دنیا فتح کرنے کا فلسفۂ دیا۔ اہل مغرب نے سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفۂ دیا۔ روس اور چین میں مارکسزم اور سوشلزم کا فلسفۂ دیا۔ ہندوستان میں کئی تحریکیں اٹھیں ہر ایک نے ایک نیا فلسفۂ حیات دیا۔ لیکن کیا کوئی فلسفۂ حیات انسانیت کو اس طرح قابلِ قبول ہوا جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا فلسفۂ حیات قبول ہوا۔ کسی بھی فلسفۂ حیات نے پون صدی پوری نہ کی اور اپنی موت آپ مرگیا۔ صرف اسلام وہ واحد فلسفۂ حیات ہے جو عملی طور پر انفرادی و اجتماعی سطح پر چودہ صدیاں پوری کرچکا ہے اور من وعن قیامت تک زندہ رہے گا۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا ابَدًا علیٰ اُفُقِ الاولیٰ لَاتَغْرُبُ

کئی سورج طلوع ہوئے اور غروب ہوگئے لیکن ہمارا شمسِ ہدایت طلوع ہوا تو کبھی غروب نہیں ہوگا۔ شمسِ نبوت ﷺ کی جو روشنی پھیلی اس نے دنیا کو چمکا دیا۔ یہ سورج اب کبھی غروب نہیں ہوگا۔ ہمیشہ افق پر چمکتا دمکتا رہے گا۔ ہمارے پیارے حبیب ﷺ نے جو فلسفۂ حیات دیا اس کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ

لاشـــریك ہے اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کوئی اسکا شریک نہیں۔ کوئی ثانی نہیں۔ ایسی کوئی دوسری ہستی نہیں جس کی اطاعت اس طرح کی جائے جس طرح اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ دنیا کو بتائیں کہ جس نے یہ جرم کیا، جس کا خاتمہ شرک پر ہوگیا اس کی بخشش کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یہ بات طے ہے کہ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ** جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اسے اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اس کے علاوہ انسان سے جو لغزشیں اور خطائیں ہوجاتی ہیں۔ اللہ شرک کے علاوہ تمام خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرنے پر قادر ہے۔ کتنے ہی بڑے گناہ ہوں اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کرسکتے۔ وہ جسے چاہے بخش دے۔

علماء حق نے گناہوں کی دو اقسام تحریر کی ہیں۔ ایک گناہ کبیرہ اور دوسرا گناہ صغیرہ۔ لیکن یہ فہرستیں بتانے کے بعد بڑی پتے کی بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ گناہ تو گناہ ہی ہے خواہ صغیرہ ہو۔ لیکن گناہ کی بنیاد اللہ کی نافرمانی پر ہے۔ گناہ یہی ہے کہ مالک الملک کی نافرمانی کی جائے۔ اگر اس انداز سے دیکھا جائے کہ کس ذات عظیم کی نافرمانی ہے تو پھر کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہ جاتا۔ اگر اللہ کی عظمت کو پیش نظر رکھا جائے تو ہر غلطی گناہ کبیرہ ہے۔ بعض امور نادانستہ سرزد ہوجاتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ہم نیکی سمجھ کر کام شروع کرتے ہیں، پھر نیت میں آمیزش ہوجاتی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے بخشش مانگتے رہا کرو۔ اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے رہا کرو۔ یہاں فرمایا جارہا ہے کہ ہر گناہ بخشا جاسکتا ہے لیکن اگر کسی نے اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرلیا اور بغیر توبہ کئے مرگیا تو وہ کبھی بخشا نہیں جائے گا۔ شرک صرف بت پرستی نہیں ہے۔ شرک یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے سے ایسی امیدیں وابستہ کی جائیں جو صرف اللہ کی ذات کو سزاوار ہیں۔ پھر اس امید پر اللہ کی نافرمانی کی جائے کہ اس طرح دولت مل جائیگی، عہدہ مل جائے گا یا حکومت مل جائے گی۔ یعنی اللہ کے مقابل کسی اور کی بات مانی جائے گی تو یہ بھی شرک ہی ہے۔ خواہ وہ اسے اللہ مانے یا نہ مانے۔ زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے۔ اس کے عمل نے ثابت کیا کہ اس نے اپنی امید کسی اور سے وابستہ کررکھی ہے اور اسے راضی اور خوش کرنے کے لئے اللہ کی نافرمانی کئے جارہا ہے۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کو خوش کرنا اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ نے اس کی سند دی ہے۔ قرآنِ حکیم میں ہے **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (النساء آیت 80) جس نے میرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی۔ یعنی نبی کریم ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ کی رضا سے فرماتے ہیں اور وہی اللہ کی اطاعت ہے۔

علماءِ حق نبیوں کے وارث ہیں:

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ علماءِ حق نبیوں کے وارث ہوتے ہیں لیکن عالم کا کام دین بتانا ہے۔ دین پہنچانا ہے۔ دین گھڑنا نہیں۔ وہ اپنی طرف سے دین میں ایک لفظ بھی شامل نہیں کرسکتا۔ عالم کا کام ہے کہ اللہ کے احکام اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات ہم تک پہنچائے اور اگر کوئی عالم بھی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہمیں بتاتا ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس سے اجتناب کریں۔ ہمیں اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنی ہے۔ علماءِ حق کی اطاعت اس لئے کرنی ہے کہ وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ہم دین جاننے میں ان کے محتاج ہیں لیکن ہمیں جاننا وہی ہے جو بات اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ اور اگر خدانخواستہ عالم ہی غلط راستے پر چل پڑے تو پھر اس سے اجتناب واجب ہے۔ یہی حال مشائخ کا ہے۔ کوئی پیر فقیر اور بزرگ مرشد و شیخ نہ اللہ کی ذات میں شریک ہے۔ نہ اس کی صفات میں شریک ہے۔ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ حضور ﷺ کا امتی ہے اگر اسے کوئی فوقیت ہے تو اطاعتِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فوقیت ہے۔ وہ ہم سے زیادہ اطاعت کرتا ہے اور ہم سے زیادہ کیفیات کا حامل ہے۔ ہم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور ہم سے زیادہ برکات کا حامل ہے۔ اگر اس کے ذریعے ہم تک برکاتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پہنچتی ہیں اور ہمارے باطن کی اصلاح ہوتی ہے، ہمارے دل سے شرک مٹتا ہے، توحید آتی ہے، دل میں اللہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اللہ کی نافرمانی سے ڈر آتا ہے تو پھر اس ذریعے کو مضبوطی سے اپنا لینا چاہئے۔ اگر کوئی ایسا بندہ مل جائے تو زندگی اسی راستے پر بسر کر دینی چاہئے اور اس کا دامن کبھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ لیکن جو لوگ تصوف کا دعویٰ تو رکھتے ہیں لیکن تصوف سے بے بہرہ ہوں تو ایسے لوگوں کے قریب بھی مت جاؤ۔ ورنہ ان کی صحبت میں رہنے والا بھی غلط راستے پر پڑ جائے گا۔

مکن باصوفیان خام یاری
باخامہ نہ باشی خام کاری

غلط رسومات میں مبتلا ہو جائے گا۔ بدعات کا شکار ہو جائے گا۔

باخامی میوہ از بعد از چنیدہ
ومانت تا قیامت نہ رسیدہ

اگر تیرے دل کے باغ سے اپنے خام علم کی بنیاد پر انہوں نے کچھ پھل توڑ لئے تو جو پھل کچا ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ قیامت تک نہیں پکتا۔ اس معاملے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

مشائخ وعلماء ظواہر کی پہچان:

علماء ظواہر کی پہچان یہ ہے کہ وہ حق بتائیں۔ اور مشائخ کی پہچان یہ ہے کہ دل میں اطاعتِ الٰہی کا جذبہ بیدار کردیں۔ بندے کو گناہ کرنے سے ڈر آنے لگے۔ نیکی مرغوب ہوجائے۔ **یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ** (البقرہ 257) زندگی کا سفر تاریکیوں سے روشنی کی طرف شروع ہوجائے۔ عادات و اطوار میں، سوچ وفکر میں، اقدار وحالات میں بہتری آنے لگے تو ایسے بندے کا ساتھ مبارک ہے۔ ضروری ہے کہ اصلاحِ احوال اور اخلاص کے ساتھ اطاعتِ الٰہی ہی مقصود ہے۔ ایسے بندے کا اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ بھی اس بارگاہ کا ایک خادم ہی ہوتا ہے۔ ایک چپڑاسی، ایک چوکیدار، ایک ہرکارہ، جو پلّے سے دینے کے قابل نہیں ہوتا، گلستانِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ پھول چنے گا تو آپ تک پہنچائے گا۔ مشائخ عظام سینے کو محمد رسول اللہ ﷺ کی برکات سے جگمگا کردنیا کی تاریکیوں میں مخلوق کی رہنمائی کرتے ہیں۔ گناہوں میں غرق انسانوں کو اللہ سے آشنا کردیتے ہیں۔ گناہوں میں لتھڑے ہوئے وجودوں کو گناہ کے مراکز سے اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز کروادیتے ہیں۔ قلوب پر برکاتِ نبوت کی پھوار برسا کر بندے کو عظمتِ الٰہی کا یقین دلادیتے ہیں اہلِ اللہ کی صحبت بندے کو یہ کیفیت عطا کردیتی ہے کہ وہ اللہ سے تعلق رکھنا چاہتا ہے۔ بندے کو یہ کسک عطا کردیتی ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے بغیر راضی نہیں رہتا۔ یہ دولت بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ جس بندے کی وساطت سے ملے اس سے رشتہ بہت قیمتی ہے اور طلبِ الٰہی کی نیت کے سوا شیخ کے پاس آنے کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ توحید ہی ایمان کی بنیاد ہے اور اللہ کا طالب ہوکر آنے والا توحید باری سے قلب کو معمور کرلینے کے لئے محنت کرتا ہے اور اللہ کی عطا سے سیراب ہوتا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں توحیدِ باری کی اہمیت بیان ہوئی ہے کہ توحید ہی ایمان کی اساس ہے۔ اس کے بعد بندہ خطا کار ہے۔ اس سے خطا ہوجاتی ہے اور جب بندہ اللہ سے توبہ کرلے تو وہ معاف بھی کردیتا ہے۔ لیکن خطا کار توبہ کرے۔ تو سب سے پہلے رجوع الی اللہ ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشاد ہے **يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ** (الشوریٰ 13) جو شخص اللہ کی طرف رجوع کرے۔ اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔ اس کے لئے ہدایت کے سامان پیدا کردیتا ہے۔ فرمایا **وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾** جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اور شرک پر مرگیا وہ ہدایت کی راہ سے دور بہت دور بے حدو حساب دور ہوگیا۔ اس کے واپس آنے کا کوئی موقع نہ رہا۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ اللہ کی عظمت کو چھوڑ کر مؤنث کی پوجا کر رہے ہیں۔ فرمایا اللہ کو چھوڑ کر کسی کی بھی پوجا کرو، کسی دیوی کی کرو، اوتار کی کرو، بت کی کرو، جانور کی کرو، حقیقتاً وہ شیطان کی ہی پوجا ہے۔ فرمایا ان بیوقوفوں کو دیکھو دنیاوی معاملات میں نر کو ہمیشہ طاقتور سمجھتے ہیں اور مادہ کو کمزور۔ مردوں کو مضبوط اور عورتوں کو کمزور۔ لیکن جب عبادت کرنے لگتے ہیں تو پھر دیویاں بنا لیتے ہیں۔ مؤنث کو پوجتے ہیں۔ لیکن مؤنث کو پوجیں یا کسی بت کو حقیقتاً یہ شیطان ہی کی پوجا ہے۔ اور یہ شیطان کا راستہ ہے۔ جو توحید باری کو چھوڑے گا وہ شیطان کے چنگل میں پھنس جائے گا۔ فرمایا شیطان تو وہ ہے لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ اسے یکسر رحمت الٰہی سے محروم کر دیا ہے۔ کسی طرح کی رحمت اس کے حصے میں نہیں ہے۔ جو خود ملعون ہے وہ کسی کو نیکی کا کیا فیض دے گا۔ بلکہ جو اس کے ساتھ ہو گا وہ اسے بھی ملعون کرتا چلا جائے گا۔ اور فرمایا جب یہ ملعون و مردود ہوا تھا تو اس نے دعوٰی کیا تھا وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ کہ اے اللہ! تو نے مجھے رد کر دیا۔ لیکن بنی آدم نام کی جو مخلوق تو نے بنائی ہے اس میں سے بہت سے لوگوں کو میں اپنے ساتھ ملاؤں گا۔ انسانوں میں سے میں اپنا حصہ لے لوں گا اور میں یہ طریقہ کروں گا۔ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ میں انہیں گمراہ کر دوں گا۔ تیری توحید اور تیری عظمت سے ناآشنا کر دوں گا۔ اور وہ اپنی پیشانیاں دوسروں کے دروازوں پر جھکائیں گے۔ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ان کو لالچ اور حرص دلاؤں گا جھوٹی امیدیں دلاؤں گا۔ وہ ان جھوٹے سہاروں پر تیری اطاعت چھوڑ دیں گے۔ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ میں انہیں اپنی باتیں سکھاؤں گا۔ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وہ برکت حاصل کرنے کے لئے چوپایوں کے کان کاٹا کریں گے وہ سمجھیں گے کہ ان کے کان کاٹنے یا جانوروں کو داغ لگوانے سے نسل بڑھے گی، برکت ہو گی، میں انہیں ایسے ایسے عجیب اوہام میں مبتلا کروں گا۔ اور ایسی ایسی باتیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے علاوہ وہ انسانوں میں تیری تخلیق کو بدلنا شروع ہو جائیں گے وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ تو نے جسے مرد پیدا کیا ہے وہ کوشش کرے گا کہ عورتوں کی طرح نظر آئے۔ اور تو نے جسے خاتون پیدا کیا تو وہ تیری نافرمانی کر کے کوشش کرے گی کہ مردوں کی طرح نظر آئے۔

قرآنِ حکیم کے اس مبارک جملے پر غور فرمایئے اور آج کی دنیا کو دیکھئے۔ گردوپیش میں کیا ہو رہا ہے؟ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ لیکن اللہ نے بھی نتیجہ سنا دیا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۹﴾ جس نے اللہ کی عظمت کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا بھلا چاہنے والا مان لیا اور اس کی باتیں مان کر چل پڑا، اس نے اپنا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ اس نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا اور بہت خسارے میں پڑ گیا۔

اللہ کی کریم ذات اپنے بندوں کو بروقت متنبہ فرماتی ہے۔ جب شیطان مردود نے انسانوں کو خسارے میں ڈالنے کی بات کی تو اللہ نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔ فرمایا جا! تجھ کو معین وقت تک کی مہلت دی جاتی ہے۔ قیامِ قیامت تک تو اپنا زور لگا لے لیکن میرے بندوں پر تیرا زور نہیں چل سکے گا۔ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ (الحجر آیت 42) جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی داؤ کوئی بس نہیں چلے گا اور جو میرے بندے نہیں ہوں گے مجھے بھی ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔ جو لوگ تیری راہ پر چل پڑیں گے میں ان سب کو تیرے سمیت دوزخ میں جھونک دوں گا۔ وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمَوۡعِدُہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ (الحجر آیت 43)

زیر نظر آیہ مبارکہ میں بھی یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ وَمَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۹﴾ جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالیا اس نے اپنا آپ اُجاڑ دیا۔ اس نے اپنے آپ کو، اپنی زندگی کو، اپنی عاقبت کو تباہ کر دیا۔ اس کے پلے کچھ بھی نہ بچا۔ یَعِدُہُمۡ الشَّیۡطٰنُ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے۔ وَیُمَنِّیۡہِمۡ اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔ وَمَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اور شیطان جتنے وعدے کرتا ہے سب جھوٹ بولتا ہے۔ جتنی امیدیں دلاتا ہے وہ سب دھوکہ ہے۔ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۫ وَلَا یَجِدُوۡنَ عَنۡہَا مَحِیۡصًا ﴿۱۲۱﴾ جو لوگ بھی شیطان کی راہ پر چل پڑیں انہیں انجام کار دوزخ میں جانا پڑے گا۔ وہ بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔ نہ کوئی ایسا امکان ہوگا کہ وہ جہنم سے بچ سکیں۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیۡلًا ﴿۱۲۲﴾ اور جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایمان کیا ہے، ایمان کا راستہ کیا ہے؟

قرآنِ حکیم میں اول تا آخر جہاں ایمان کا ذکر خیر فرمایا ہے وہاں عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی قید لگائی

ہے۔ ایمان کیا ہے؟ عملی زندگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہے اور جو بندہ زبانی ایمان کا دعویٰ کرے اور عملاً نبی کریم ﷺ کی اطاعت نہ کرے پھر وہ ایمان نہیں لایا کہ ایمان نام ہی اطاعت کا ہے۔ **اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت** فرمایا جسے ایمان نصیب ہوا اور اس کی عملی زندگی بدل گئی اور اس نے حضور ﷺ کی غلامی کے لئے اپنی بھرپور کوشش کی پھر اس سے خطا ہوگئی تو فرمایا میں معاف کرنے والا ہوں۔ غفور بھی ہوں۔ کریم بھی ہوں۔ میرے ہر حکم میں رحمت ہے۔ جو کام کسی کی استعداد سے باہر ہے اس کے بارے اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** (البقرہ آیت 286) جس کام کی کسی کو طاقت نہیں دی گئی اس کا سوال بھی نہیں ہوگا۔ مثلاً صلوٰۃ میں قیام فرض ہے لیکن جو شخص کھڑا نہیں ہوسکتا وہ بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ نہیں سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے۔ اس کے لئے قیام فرض ہی نہیں رہا۔ یعنی جو بس میں ہے وہ کرے تو پھر اس سے اس کی طاقت سے باہر کسی چیز کا سوال نہیں ہوگا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف کرے تو پھر اس سے پوچھا جائے گا اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سے پوچھا جائے۔ ہاں! جس نے خلوصِ نیت سے میرے نبی کریم ﷺ کے اتباع کی بھرپور کوشش کی میں اسے ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کی خصوصیت یہ ہے کہ پانی ان کے تابع ہے۔ دنیا میں جہاں پانی ہو وہاں باغ لگتا ہے۔ جنت میں جہاں جنتی باغ لگانا چاہے گا وہاں پانی پہنچے گا۔ یہ مفہوم ہے کہ پانی باغوں کے تابع ہوگا۔ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ** اور مزے کی بات یہ ہے کہ جنت میں داخلہ ہے خروج نہیں۔ جو داخل ہوا وہ ہمیشہ رہے گا۔ **وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا** یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تم میرے نبی کریم ﷺ سے وفا کر جاؤ، میری جنت تمہاری خاطر ہے۔ تمہارے لئے پیدا کی ہے۔ **وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا** ﴿۱۲۲﴾ اور اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے! فرمایا میدانِ عمل تمہارے سامنے کھلا ہے۔ انتخاب تمہارا ہے کہ تم کسے منتخب کرتے ہو اور یہی اختیار تمہیں اللہ نے عطا کر دیا ہے کہ تم نے فیصلہ کرنا ہے کہ تمہیں اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کرنی ہے یا پھر معاذ اللہ شیطان کے پیچھے جانا ہے۔ اللہ شیطان کے راستے سے پناہ دے اور اس بات کی توفیق دے کہ بندہ اپنے ہر عمل کو جانچے اور اس بات کی بھرپور کوشش کرے کہ زندگی کے ہر عمل میں حضور ﷺ کی غلامی نصیب ہو۔ **لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ** مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے لوگ اپنی نجات کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اہلِ کتاب اپنی جگہ اور کفار و مشرکین اپنی جگہ۔ یہود و نصاریٰ اپنے تحریف شدہ غلط عقائد پر نجات کے متمنی تھے اور بت پرست یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ دیوی، دیوتا ان کی مدد کریں گے۔ اللہ پاک یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ لوگو! یہ مخلوق کی تمناؤں کی بات نہیں کہ کوئی کیا چاہتا ہے۔ اہلِ کتاب ہوں یا غیر اہلِ کتاب، خواہشات سے کام نہیں چلتا۔ اعمال کے

فیصلے لوگوں کی تمناؤں یا خواہشات پر نہیں ہوں گے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ جو برائی کرے گا وہ اس کا نتیجہ بھگتے گا ۔ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ اور اس شخص کو اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ملے گا نہ مددگار۔ جن کی پوجا کرتا رہا جن سے اسے مدد کی امید تھی ان میں سے کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ قدرت کا قانون یہ ہے کہ عملِ صالح کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ اللہ کی جنت میں داخل کیا جائیگا۔

کون سا عمل صالح ہے؟

ہر آدمی جو کچھ کہتا ہے یا کرتا ہے اس کے لئے وہ جواز گھڑتا ہے اور پھر اپنے عمل کو درست قرار دیتا ہے۔ تو پھر یہ تعین کیسے ہو کہ کون سا عمل صالح ہے؟ قرآن حکیم نے اس کا فیصلہ دے دیا کہ عمل صالح وہ ہے جو عند اللہ مقبول ہے جو اللہ وحدہ لاشریك کو پسند ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم کی پسند و ناپسند کا معیار ہمارے پاس کیا ہے؟ اللہ فرماتے ہیں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء آیت 80) جس نے میرے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ کہ میرا نبی کریم ﷺ وہی بات بتاتا ہے جو میں بتانے کا حکم دیتا ہوں۔ تو عمل میں صلاحیت تب آتی ہے جب حکمِ الٰہی کو حضور ﷺ کے طریقے پر کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ شرط یہ ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ وہ مومن بھی ہو۔

مومن کون:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر طبقہ فکر کو یہ دعویٰ ہے کہ اس کا عقیدہ صحیح ہے۔ مشرک کہتا ہے کہ وہ صحیح ہے، کافر کہتا ہے وہ صحیح العقیدہ ہے، یہودی اور عیسائی اپنے اپنے عقیدے کو درست کہتے ہیں، جو لوگ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے پیچھے لگ جاتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح ہے۔ تو ایمان کا فیصلہ اور اس کی تعین ایک ہستی پر ہوگی اور وہ ہستی ہے محمد رسول اللہ ﷺ ایمان کیا ہے؟ ان ضروریاتِ دین کو اس طرح ماننا جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے متعین کیا ہے اور ماننے کا حکم دیا۔ اس سے باہر دین نہیں ہے۔ فقہا کرام یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ جب بچہ باتیں کرنے لگ جائے تو والدین کو چاہئے کہ وہ اسے پہلا لفظ اللہ سکھائیں پھر جب وہ سمجھنے لگے تو اسے اللہ کا تصور اس طرح دیں کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں۔ جس کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت عبداللہؓ کے بیٹے جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے جو مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ مبعوث

ہوئے جو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ مقیم ہوئے ۔ وہ جس اللہ کو منواتے ہیں میں اس اللہ کو مانتا ہوں ۔ اور ویسا مانتا ہوں جیسا آپ ﷺ ماننے کا حکم دیتے ہیں ۔ ایمان کی بنیاد توحیدِ باری تعالیٰ ہے ۔ اعتماد علی الرسول ﷺ ہے ۔ اللہ کی ذات ، اس کی صفات ، رسالت ، آخرت ، فرشتے ، جزا وسزا یہ بنیادی عقائد ہیں ۔ جو ضروریات دین میں سے ہیں ۔ ان سب کو ویسا ماننا جیسے اللہ کا حبیب ﷺ کہ منواتا ہے ۔ یہ ایمان ہے اور عمل اس طرح کرنا جس طرح اللہ کے نبی کریم ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے یہ عمل صالح ہے ۔ ورنہ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے بہت بھلے کام کیئے ۔ لیکن ان کے پاس نہ ایمان تھا اور نہ ان کا بھلا کام عملِ صالح تھا ۔ جیسے غیر مسلموں نے تالاب بنوادیئے ، تعلیمی ادارے بنوادیئے ، ہسپتال بنوادیئے ، سڑکیں اور سرائے بنوادیئے ، ایسے بے شمار اچھے کام کر گئے جن سے اللہ کی مخلوق کو بہت فائدہ ہوتا ہے ۔ لیکن یہ کام ان لوگوں نے کیئے جن کا ایمان صحیح نہیں تھا ۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ان بھلے کاموں کا ان کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملے گا ؟ اسے اس ادنیٰ سی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص رقم لے کر دکان میں داخل ہوتا ہے مطلوبہ شے خریدتا ہے اور واجب الادا رقم ادا کر کے شے اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے یوں سودا مکمل ہو جاتا ہے ۔ اب اگر وہی شخص یہ کہے کہ دکان میں موجود باقی چیزیں بھی اسے دے دی جائیں اور اسی رقم کے عوض دی جائیں جو وہ پہلے خرچ کر چکا ہے تو اس بات کو دماغ کا فتور سمجھا جائے گا ۔ اسی طرح جو آخرت کو مانتا ہی نہیں اس نے دنیا کا سودا کیا ہے ؟ آخرت کا سودا کیا ہی نہیں تو اسے آخرت میں کیا ملے گا ؟ اس کے اس بھلے عمل سے دنیا کا فائدہ ہی مقصود تھا تو اللہ کی ذات ایسی ہے کہ وہ کسی کا ادھار نہیں رکھتا ۔ کافر کی نیکی کا بدلہ اسے دنیا میں دے دیتا ہے ۔ جس مقصد کے لئے اس نے نیکی کی ہوتی ہے وہ مقصد پورا کر دیتا ہے ۔ کسی نے مصیبت ٹالنے کی نیت سے کی ہو تو مصیبت ٹال دیتا ہے ۔ آمدن کے لئے کی ہو تو وہ بڑھا دیتا ہے ۔ شہرت کے لئے کی ہو تو شہرت ایسی عطا کرتا ہے جو مرنے کے بعد بھی اسی کے نام سے وابستہ رہتی ہے ۔ جیسے تقسیم ملک سے پہلے کے ہندوؤں کے بنائے ہوئے گنگا رام اور گلاب دیوی ہسپتال انہی کے ناموں سے مشہور ہیں ۔ انہوں نے جس غرض سے بنایا قدرت نے ان کی تمنا پوری کر دی ۔ ان کی نیکی ضائع نہ ہوئی جس مقصد کے لئے کی گئی وہ مقصد قدرت نے پورا کر دیا ۔ لیکن آخرت کو تو نہ انہوں نے مانا ، نہ قبول کیا ، نہ آخرت کے لئے ہسپتال بنایا ۔ تو آخرت کا فائدہ کیسے ہو گا ؟ آخرت کو بھی از خود ماننا کوئی ماننا نہیں ہے اور اللہ کریم کو بھی اپنے اندازے ماننا کوئی ماننا نہیں ۔ بلکہ ویسا ماننا ایمان ہے جیسا نبی کریم ﷺ نے منوایا ہے ۔ اس آیۃ کریم میں یہی ارشاد ہے **وَمَنْ يَّعْمَلْ**

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ جوکوئی بھی اچھا کام کرے وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ یعنی ضروریات دین کو اس طرح ماننے والا ہو جس طرح حضور ﷺ نے ماننے کا حکم دیا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وہ سارے اللہ کی جنت میں داخل ہوں گے اور کسی کی رائی برابر حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی کو عورت ہونے کی وجہ سے کم اجر ملے گا نہ کسی کو مرد ہونے کے باعث۔ اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مرد و عورت انسان ہونے میں برابر ہیں۔ دونوں ایمان لانے کے مکلّف ہیں۔ دونوں شرعی احکام بجالانے کے مکلّف ہیں۔ دونوں اللہ کی عبادت کے مکلّف ہیں۔ دونوں کے صرف فرائض جداگانہ ہیں۔ مرد کے فرائض اپنے ہیں۔ عورت کے فرائض اپنے ہیں۔ اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں اور جوابدہی اپنے اپنے فرائض کی ہے۔ ایک اللہ کی بارگاہ میں ہونی ہے جو جتنے اچھے طریقے سے اپنی ذمہ داری پوری کرے گا اسے اتنا بہتر اجر ملے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بخشے جائیں گے تو دونوں کے لئے ایک ہی جنت ہے۔ اور اگر پکڑے گئے تو جہنم بھی دونوں کے لئے ایک ہی ہے۔ مردوں کی الگ جنت اور الگ جہنم نہیں نہ عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ جزا و سزا کے مقامات ہیں۔ یعنی عورت اور مرد انسانیت کے جزو ہیں۔ دونوں ہی ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کریں تو اللہ کے ہاں مقبول ہیں۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ یوں تو ہر کوئی خود کو دینِ برحق پر سمجھتا ہے لیکن اللہ نے مقرر کر دیا ہے کہ دین کی بھلائی اور حسن کیا ہے؟

دین کا حسن کیا ہے؟

اللہ کریم کی خاطر اللہ کریم کے آگے سر جھکا دینا۔ دل کے خلوص کے ساتھ سرِ تسلیم خم کر دینا اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح سیدھا ٹک چلنا۔ اس سے بھلا دین کوئی نہ ہوگا کہ بندہ کُلّی طور پر متوجہ الی اللہ ہو جائے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ ایک جملہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اسلام یہ ہے کہ بندہ شریعت کے ہاتھ میں ایسے ہو جائے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ غسل دینے والا چاہے اسے رکھے، پلٹے، نہلائے، جس طرح چاہے کفنائے۔ مردے کی اپنی پسند کوئی نہیں رہتی۔ اس طرح بندہ شریعت کے ہاتھ میں ہو جائے تو یہ اسلام ہے۔ اسلام یہ ہے کہ اپنی رائے، اپنی خواہش، اپنی تمنا چھوڑ کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کو دل و جان سے اپنا لیا جائے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ اور وہ محسن بھی ہو۔

محسن کون؟

دل کی گہرائیوں سے اطاعت کرنے والا۔ جو بظاہر رسم پوری نہ کر رہا ہو بلکہ خلوصِ دل سے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول اللہ ﷺ کرنے والا ہو۔ حدیثِ احسان میں ہے کہ جبرئیل امینؑ نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا **ان تعبدالله كانك تراهٗ** احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ یعنی زندگی کا ہر عمل شریعت کے مطابق ہو۔ اطاعت کا ہر فعل عبادت سے لے کر امور دنیا کے سرانجام دینے تک ہر فعل اس طرح کر جیسے تو اللہ کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ اللہ کریم کے سامنے کر رہا ہے۔ اور اگر یہ عظمت نصیب نہ ہو **فان لم تكن تراه** اگر یہ قوت نصیب نہ ہو تو خود کو اس جگہ پر تو قائم رکھ کہ **فانه يراك** اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ کم از کم درجہ ہے کہ بندے کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ احسان کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کام کرتے وقت یہ دھیان ہو کہ اللہ کریم میرے روبرو ہے۔ تصوف وسلوک کا حاصل بھی یہی ہے کہ حضورِ حق حاصل ہو جائے۔ بارگاہِ الوہیت میں حضوری حاصل ہو جائے۔ یہ یقین کامل ہو جائے کہ میں تو اپنی مجبوریوں کے باعث اُسے نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے پاس ہے۔ یہ کیفیت ہماری سوچوں سے، ہمارے کردار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ مثلاً علاقے کے کسی کاشتکار کی کسی بڑے زمیندار سے دوستی ہو جائے تو وہ بہت سی فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کسی کی دوستی کسی بڑے سرکاری افسر سے ہو جائے، ڈپٹی کمشنر سے ہو جائے، اس سے بڑھ کر گورنر سے یا پھر صدر اور وزیراعظم سے ہو جائے تو بندہ بے فکر ہو جاتا ہے کہ اب تو کوئی اسے چھیڑ نہیں سکتا۔ اور اگر کسی کا ایسا اعتماد بھرا رشتہ اللہ سے ہو جائے اور اُسے یقین ہو کہ میرا اللہ کریم میرے ساتھ ہے۔ میں اس کے سامنے ہوں تو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ سارے تفکرات، ساری پریشانیاں، ساری غلطیوں اور کوتاہیوں، گناہوں کا سبب عدم حضوری ہے۔

تمام گناہوں کا سبب عدم حضوری ہے:

جب عظمتِ الٰہی دل سے نکل جاتی ہے، نگاہوں میں نہیں رہتی تو بندہ غلط راستے پر چل پڑتا ہے۔ گناہ کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ہر گناہ، ہر غلطی کسی امید پر کی جاتی ہے۔ ایسا کروں گا تو دولت زیادہ ہو جائے گی۔ قتل کر دوں گا تو محفوظ ہو جاؤں گا۔ لیکن اگر معیت باری نصیب ہو اور یہ یقین حاصل ہو جائے **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** ط (الحدید آیت ۴) تم جہاں بھی ہو، جس حال میں ہو اللہ رب العلمین تمہارے ساتھ ہے۔ تو

پھر بندے کو کسی ہیرا پھیری کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ جب اللہ کریم اس کے ساتھ ہے، اس کے تفکرات اور مسائل سے آگاہ ہے تو پھر اسے فکر کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اس کی ایک ہی فکر رہ جاتی ہے جس کے لیے وہ متفکر رہتا ہے کہ اللہ کا ساتھ نہ چھوٹے۔ مسلمان کی فکر بندہ مومن کی فکر صرف یہ رہتی ہے کہ اس کی بارگاہ کی حضوری میں غفلت نہ آئے۔ **وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ** (الاعراف آیت 205) دیکھو غافل نہ ہو جانا میرے نام سے دل خالی نہ رہے۔ میرے روبرو ہونے کا احساس نہ ختم ہونے پائے۔

دین کا حسن یہ ہے:

کہ بندہ کُلّی طور پر متوجہ الی اللہ ہو جائے۔ اس کا ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق ہو جائے۔ تو کتنا عظیم انسان ہے وہ جس کی صبح وشام اور دن رات کا ٹائم ٹیبل اللہ بنا کر دے اور اُسے وہ نظام الاوقات اللہ کا رسول ﷺ پہنچائے۔ اس انسان کی کتنی عظمت ہے اور اس بندے کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جس کے اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، کھانے، پینے، کمانے، خرچ کرنے، دوستی، دشمنی، والدین کا ساتھ، حسنِ سلوک، اولاد کی پرورش، بیویوں سے تعلق، بھائی بہنوں سے رشتے نبھانے غرض پوری زندگی کا پروگرام اللہ جل شانہٗ بنا کر دے اور اللہ کا رسول ﷺ اس تک پہنچائے۔ حضور ﷺ کی بارگاہ کے خادم اور علماء حق اس تک پہنچائیں۔ تو مومن ہونا، مسلمان ہونا بجائے خود اتنی بڑی عظمت ہے کہ غیر مومن سوچ بھی نہیں سکتا۔

ملتِ ابراہیمی کیا ہے؟

ابراہیمؑ کی طرح خالص اللہ کی رضا کا حصول مقصود بنا لینا ملتِ ابراہیمی ہے۔ ابراہیمؑ کے گھر والے نہ صرف بت پرست تھے بلکہ بت ساز بھی تھے۔ شاہی بت ساز تھے۔ دربارِ شاہی میں کرسی پانے والے تھے۔ پھر رشتہ دار بت پرست، برادری بت پرست اور حکومت وسلطنت بت پرستوں کی تھی۔ ان کے اردگرد ساری دنیا ایک طرف تھی۔ لیکن انہوں نے فرمایا **اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا** (الانعام آیت 79) میں اپنا رُخ کھرا اور خالص ہو کر صرف اللہ کی طرف پھیرتا ہوں۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ ایسا کھرا اور خالص تعلق کہ جس میں کوئی ملاوٹ نہ ہو۔ ملت سے مراد ہے طریقہ وسلیقہ۔ ملتِ ابراہیمی سے مراد ہے کہ وہ زندگی بھر ایک کے ہو کر رہے اور ساری عمر اللہ کی رضا کے لئے خلوصِ دل سے اللہ کے احکام کی پابندی فرمائی۔ ملتِ ابراہیمی بھی اسلام ہی تھا۔ اس لئے اسے اپنانے کا حکم دیا گیا۔ اس آیت میں ابراہیمؑ کی شریعت اور ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہے کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ نبی

کریم ﷺ کی بعثت کے بعد اطاعت تو صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ہو گی۔

وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خاص دوست بنایا تھا اور ابراہیمؑ نے بھی صرف اللہ کو دوست بنایا۔ مفسرین کرام یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابراہیمؑ کو نمرود نے سزا دینے کے لئے ایک بہت بڑا الاؤ روشن کیا۔ اس دہکتی ہوئی آگ میں ابراہیمؑ کو ڈالنے کے لئے بہت دور بلندی پر ایک جھولا بنایا گیا۔ اس میں انہیں ڈال کر دہکتے الاؤ میں گرایا گیا۔ جس وقت یہ سارا عمل جاری ہوا تو فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ آپ کے خلیلؑ کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم خلیل اللہ کو جھولے سے نکال لائیں۔ اللہ کریم نے فرشتوں کی عرض منظور کر لی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ میرے خلیل سے پوچھ لینا۔ فرشتے خلیل اللہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی کہ اللہ نے ہماری عرض قبول کر لی ہے۔ ہمیں آپ کو بچانے اور کافروں کو تباہ کرنے کی اجازت عطا فرمادی ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ بھی اجازت دیں سو آپ حکم کریں تو ہم یہ سب کر گزریں۔ سیدنا ابراہیمؑ نے فرشتوں سے فرمایا جب اللہ نے تمہیں میرے پاس اجازت کے لئے بھیجا ہے تو کیا وہ خود بھی دیکھ رہا ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں اور کیا وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ مجھے آگ میں پھینکنے کو ہیں؟ فرشتوں نے کہا کہ بے شک اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ابراہیمؑ نے فرمایا تو پھر میں جانوں اور میرا رب جانے۔ وہ میرے ساتھ ہے۔ میرے پاس ہے۔ چاہے تو آگ بجھا سکتا ہے، چاہے تو مجھے بچا سکتا ہے اور چاہے تو مجھے جلا سکتا ہے۔ جب میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، میرے ہر حال سے واقف ہے اور ہر چیز پر قادر ہے تو تم مجھے میرے مالک کے ساتھ رہنے دو۔ اور میرے اور میرے اللہ کے درمیان نہ آؤ۔

یہ اللہ کی دوستی ہے ابراہیمؑ سے۔ ابراہیمؑ کا خالص اللہ کے لئے ہو رہنا ہے جسے ملتِ ابراہیمی کہا گیا ہے۔

ملتِ ابراہیمی یہی ہے کہ اللہ سے اس طرح کا تعلق بنایا جائے جیسا سیدھا سیدھا تعلق ابراہیمؑ نے بنایا۔ اور مالک کریم نے آگ کو براہ راست حکم دیا کہ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء آیت 69) اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی کا باعث بن جا۔ آگ جلتی رہی لکڑیوں کو جلاتی رہی لیکن ابراہیمؑ کے لئے آگ کی لپٹیں نسیم سحر بن گئیں اور آگ کی اللہ نے خصوصیت تبدیل کر دی۔ جلتی ہوئی آگ ابراہیمؑ کی سلامتی اور تحفظ کی ذمہ دار بن گئی۔ اللہ نے براہ راست آگ کو حکم دیا کہ ابراہیمؑ کی سلامتی اور تحفظ اب تیری ذمہ داری ہے۔ مفسرین کرام نے لکھا ہے اور متقدمین کا احسان بجا کہ انہوں نے یہ

تفسیر کی ہے کہ آگ بجھ گئی۔لکڑیاں سرسبز درخت بن گئے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔لیکن قرآن کا انداز ہے کہ حکم ہی آگ کو دیا گیا ہے جب آگ ہی نہ رہی تو حکم کس کو دیا جائے۔آگ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ جب اللہ نے چاہا اس کی خصوصیت بدل دی، آگ کی تپش کو ٹھنڈک میں تبدیل کر دیا۔ دوسروں کے لئے آگ ہی رہی۔ابراہیمؑ کے لئے سلامتی بن گئی۔ بادِصبا بن گئی۔بجھی بھی نہیں جلتی رہی اور ابراہیمؑ کی خدمت کرتی رہی۔اور یہی زیب دیتا ہے اس ذاتِ باری کی عظمت کو۔

نبی ﷺ وہ ہستی ہیں جو کائنات بھر میں واحد جامع صفات ہستی ہیں۔آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں نے دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے آپ ﷺ کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔آپ ﷺ کے پاؤں مبارک نعلین پاک میں خون مبارک جم جانے کے باعث باہر نکالنے مشکل ہو گئے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ طائف کے حکمرانوں نے میرے حبیب ﷺ پر پتھر پھینکے ہیں اس پوری بستی کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دو لیکن پہلے میرے حبیب ﷺ سے اجازت لے لینا۔ پہاڑوں کا فرشتہ ملک الجبال بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضر ہوا۔اجازت چاہی کہ اللہ نے فرمایا ہے میرے حبیب ﷺ سے پوچھ لو۔ہم آپ ﷺ کے حکم کے منتظر ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرشتوں سے خطاب نہیں فرمایا بلکہ بارگاہِ الوہیت میں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا **اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِھِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا** (بحوالہ ابن کثیر) ''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اسکا شریک نہیں بنائیں گے'' آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ بارالہٰ میں تو انسانوں کی ہدایت کے لئے معبوث ہوا ہوں ۔ میں انہیں کفر سے بچانے کے لئے اور ان لوگوں کی بھلائی کے لئے مبعوث ہوا ہوں اگر یہ بحالت کفر مر گئے تو انہوں نے میری رحمتہ العالمینی سے کیا حصہ پایا۔ میں تجھ سے امید کرتا ہوں کہ تو ان کی نسلوں کو ہدایت دے دے گا اور یہ لوگ مجھے نہیں جانتے ۔تیرے رسول ﷺ کو نہیں جانتے۔ انہوں نے میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا ہے وہ اپنے ایک قریشی بھائی کے ساتھ رکھا ہے۔وہ تیرے حبیب ﷺ کو نہیں جانتے۔اگر تیرے رسول اللہ ﷺ کو جانتے تو اس خاک کو چومتے جہاں تیرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں لگے تھے۔لہٰذا ان سے درگزر فرما، انہیں پہاڑوں میں نہ پیس، شاید ان کی نسلوں میں تیری عبادت کرنے والے ہوں۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو قرآنِ حکیم یہاں بیان کر رہا ہے کہ میرے حبیب ﷺ کو جانو۔ جانو گے تو بچ

جاؤ گے۔ اور ہماری بدکرداری کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم آپ ﷺ کی عظمت سے آشنا نہیں۔ ہم عظمتِ نبوی ﷺ سے بے بہرہ ہیں اس لئے حضور ﷺ کی سنت چھوڑ دیتے ہیں۔اور رسومات پر عمل کرتے ہیں۔ ہمیں اس بات کی خبر ہی نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادِ عالی کے خلاف عمل کیا جائے۔ تو اس پر اللہ کریم کس قدر ناراض ہوتے ہیں۔ اور ہمیں یہ پتہ ہی نہیں کہ جیسا حضور ﷺ نے فرمایا ہے ویسا کرنے سے بندہ اللہ کو کتنا پیارا لگتا ہے۔ اور قرآن حکیم یہی بات منوانا چاہتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ مجھے اپنے دلوں میں بساؤ۔ اس طرح بساؤ کہ میں تمہارے اتنے قریب ہو جاؤں کہ تمہیں کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ بندے کا اللہ سے کھرا کھرا تعلق ہو۔ اور جنہیں یہ تعلق نصیب نہیں وہ اللہ کریم کو چھوڑ کر دوسروں سے دوستیاں بناتے ہیں اور غیر اللہ سے امیدیں رکھتے ہیں۔ تو یہ بیوقوف اور جاہل لوگ ہیں۔ غلط کار ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تو وہ ذات ہے کہ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ ساری کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔

تو شاہوں کو گدا کر دے گدا کو بادشاہ کر دے

اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

ارض وسماء میں جو کچھ ہے وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے تخلیق کیا ہے۔ اور ہر چیز میں تاثیر اسی کے حکم سے ہے اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ جب چاہتا ہے اشیاء کی تاثیر بدل دیتا ہے۔ طبیب بھی حیران رہ جاتا ہے کہ دوا کیا دی اور اثر کیا ہوا؟ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ وہ ہر چیز سے، ہر وقت باخبر ہے۔ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو مخلوق کے استعمال کیلئے کھلا رکھے ہوئے ہے اور اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ اس کے علم میں ہے اور اس کی قدرت سے اس پر اس کا تصرف ہے۔ پھر ایسی قادرِ مطلق ہستی کو چھوڑ کر دوسری طرف جانے والے بیوقوف نہیں تو اور کیا ہیں؟ اللہ کریم ہدایت پر زندہ رکھے اور ہدایت پر موت دے۔ اور اپنے بندوں کے ساتھ حشر کرے۔

سورۃ النساء آیات 127 تا 134 رکوع 19

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں، اور وہ آیات بھی جو کہ قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو ان کا جو حق مقرر ہے وہ انہیں نہیں دیتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت بھی رکھتے ہو اور وہ آیتیں جو کمزور بچوں کے باب میں اور اس باب میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو اور جو نیک کام کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں ﴿۱۲۷﴾ اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال ہو بدماغی یا بے پروائی کا تو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طریقے پر صلح کرلیں اور یہ صلح بہتر ہے ویسے نفوس میں حرص وبخل کو شامل کردیا گیا ہے، اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو اور اگر اصلاح کرلو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہو

جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاج کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے بڑی حکمت والے ہیں ﴿۱۳۰﴾ اور اللہ تعالیٰ کی مِلک میں ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمیں میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے حاجتمند نہیں خود اپنی ذات میں محمود ہیں ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک میں ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں ﴿۱۳۲﴾ اگر ان کو منظور ہو تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دیں اور دوسروں کو موجود کر دیں اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں ﴿۱۳۳﴾ جو شخص دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں ﴿۱۳۴﴾

شریعتِ مطہرہ میں حقوقِ زوجین:

گذشتہ آیات میں بتایا گیا کہ اصلاحِ اعمال کی بنیاد اصلاحِ عقیدہ ہے۔ جب تک عقیدہ ونظریات درست نہ ہوں کردار کی اصلاح ممکن نہیں۔ ان آیات مبارکہ میں ایک نہایت حساس موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ **وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ** آپ ﷺ سے خواتین کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرما دیجیے۔ **قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ** اللہ تمہیں خواتین کے بارے یہ فیصلہ سناتا ہے کہ ان کا جو حق ہے انہیں دو۔ انہیں عزت واحترام دو۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھو۔ انہیں محبت دو اور اللہ کا یہ فیصلہ دائمی ہے۔ **وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ** کہ یہ قرآن حکیم کا حصہ ہے جو تم سب کو بار بار پڑھ کر سنایا جاتا رہے گا۔ **فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ** کہ خصوصاً وہ خواتین جو میکے سے کمزور ہوتی ہیں، جن کے والدین فوت ہو جاتے ہیں اور وہ یتیم ہو جاتی ہیں ان سے تم شادیاں تو کر لیتے ہو۔

لیکن جوان کا حق بنتا ہے وہ انہیں نہیں دیتے۔ **وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ** تمہیں اس بات کا تو بہت شوق ہوتا ہے کہ ایسی خواتین کے ساتھ نکاح کرلیا جائے جن کے ساتھ جائیداد بھی آجائے، مال بھی آجائے تو یہ بات درست ہے اور جائز ہے۔ اللہ ان چیزوں سے منع نہیں کرتا۔ تم ایسا ضرور کرسکتے ہو۔ لیکن یاد رکھو! جو ان کا حق بنتا ہے وہ انہیں دو۔ جاننا چاہیے کہ شریعتِ مطہرہ میں شادی کا تصور کیا ہے؟ یہی کہ اللہ کے نام پر ایک خاتون ایک مرد پر عمر بھر کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ دونوں مل کر معاشرے کو اچھے انسان مہیا کریں۔ ایسے بچے پیدا کریں، ان کی ایسے تربیت کریں کہ وہ اچھے انسان بنیں۔ نیک و پاک باز، صالح اور عادل حکمران بن سکیں۔ جو اللہ کی راہ میں حق کی حفاظت کرنے والے، باطل کو ختم کرنے والے، ظلم کو روکنے والے بن سکیں۔ مفتی عالم بنیں، دیانتدار تاجر بنیں۔ لیکن ایسا تب ممکن ہوگا جب یہ دونوں مل کر باہمی تعاون سے اپنا اپنا فرض بخوبی نبھائیں۔ لیکن اگر خاوند اس بات پر اڑ جائے کہ وہ عورت کا مال ہڑپ کرجائے لیکن اسے انسان کا درجہ بھی نہ دے محض کام کرنے کی مشین سمجھے یا گھر کی خادمہ۔ نہ اس کی رائے لی جائے نہ بات سنی جائے تو پھر بات نہیں بنے گی۔ یا عورت یہ تہیہ کرلے کہ خاوند کے سامنے تو وہ بڑی پارسا نظر آئے گی، لیکن نہ اس کی عزت کی حفاظت کرے، نہ اسکے مال کی حفاظت کرے، نہ ہی اولاد کی صحیح دیکھ بھال کرے تو پھر بھی بات نہیں بنے گی۔ بلکہ اولاد تباہ ہوگی۔ بچے نالائق ہوں گے اور یہ دونوں معاشرے کو اچھے لوگ نہیں دے سکیں گے۔ اگر مرد و عورت کی آپس میں ٹھن جائے، ایک مقابلہ بن جائے تو جو تعمیر انہوں نے کرنی تھی اس کا کیا ہوگا؟ ایک دیوار بنانے پر دو کاریگر لگائے جائیں اور وہ سارا دن آپس میں لڑتے رہیں تو صحیح دیواریں کب بنیں گی! مضبوط گھر کیسے بنے گا؟ کوئی ایک اینٹ لگائے گا دوسرا اس کو کھسکا دے گا۔ ایک جگہ ایک کاریگر سیمنٹ لگائے دوسرا اسے اکھیڑ دے۔ دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے رہیں گے تو نقصان کس کا ہوگا؟ آئندہ بننے والے مکان کا ہوگا۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں لگے رہیں گے تو آنے والی نسلیں تباہ ہوجائیں گی۔

انسان ہونے میں مرد و عورت برابر ہیں:

یاد رکھیں! انسان ہونے میں مرد اور عورت برابر ہیں۔ فرائض میں اختلاف ہے۔ مرد کے اپنے فرائض ہیں اور عورت کے اپنے فرائض ہیں۔ جس طرح کی ذمہ داریاں دونوں کو دی گئی ہیں اسی طرح کی صلاحیتیں اور قوتیں دونوں کو عطا کی گئی ہیں۔ تخلیقی طور پر مرد کا وجود ان کاموں کے لئے بنایا گیا ہے جو اس کی

ذمہ داریاں ہیں۔اور عورت کا وجود بھی اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے مختلف بنایا گیا ہے۔لیکن حساب کتاب دونوں کا ایک ہی میدان میں ہوگا۔ایک ہی ہستی کے سامنے ہوگا۔اگر بھلا کریں گے تو بھلے کا اجر بھی دونوں کو ملے گا۔ برائی اور کوتاہی کریں گے تو اس کی سزا پائیں گے۔ نہ کوئی الگ جہنم ہے نہ کوئی دوسری جنت ہے کہ مردوں کی الگ اور عورتوں کے لئے الگ ہو۔ایک ہی میدانِ حشر ہے اور حساب لینے والی ہستی بھی ایک ہی ہے۔ایک قادرِ مطلق مالک الملک اللہ جل شانہٗ۔

عورت کی ذمہ داری محبت سے تربیتِ اولاد کرنا ہے:

بنیادی طور پر عورت کا فرض بقائے نسل انسانی ہے۔عورت بحیثیت ماں معاشرے کو بہترین انسان دینے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ عادل حکمران ، نیک اور صالح ، جری اور بہادر، غازی اور شہید حتیٰ کہ آئمہ اور اولیاء سب سے بڑھ کر انبیاءؑ نے بھی عورت ہی کی گود میں پرورش پائی۔تربیت اور پرورش کا یہ کام سختی نہیں چاہتا۔ یہ نرمی اور شفقت چاہتا ہے۔ یہ محبتوں کا متقاضی ہے۔لہٰذا عورت کا وجود تخلیقی طور پر مرد کی نسبت کمزور ہے۔اور اس کی فکر سوچ اور استعداد کار میں محبت کا مادہ زیادہ رکھا گیا ہے۔

مرد کی ذمہ داری کے باعث اس کے وجود میں نرمی کم شدت زیادہ ہے:

مرد کی ذمہ داری ملک کا دفاع ،حصولِ رزقِ حلال، اہل وعیال کے اخراجات پورا کرنا، ان کے لئے گھر بنانا، اس کا تحفظ کرنا، بچوں کی تربیت کی نگرانی ، اللہ کے لئے ظلم کے مقابلے پر جہاد کرنا، شمشیر بکف ہونا ہے۔اس لئے عورت کی بہ نسبت مرد کو زیادہ طاقتور وجود دیا گیا ہے۔ مرد کے وجود میں نرمی کم اور شدت زیادہ ہے۔

جب مرد اور عورت کا تعلق بنتا ہے تو مرد میں چونکہ شدت زیادہ ہے اور عورت میں نرمی زیادہ ہے تو ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جس میں مردوں کا غلبہ ہوتا ہے۔اور وہ جو جی چاہے کرتے ہیں۔عورت سے کوئی مشورہ نہیں لیتے۔ اس کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔اس کی جائیداد ہڑپ کر جاتے ہیں، اس کا مال کھا لیتے ہیں۔اسے جائیداد میں حصہ نہیں دیتے۔اس کی رائے نہیں سنتے۔اگر مشورہ دے تو تشدد کرتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کا میکہ مضبوط ہو، وہ صاحبِ حیثیت ہو تو اسے ایک حد تک یہ تحفظ حاصل رہتا ہے کہ اس کے پیچھے باپ کی صورت میں کوئی مرد کھڑا ہے۔ مگر جن کے والدین فوت ہو جاتے ہیں۔ان کا میکہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ جائیداد کے لالچ میں ان سے شادی تو کر لی جاتی ہے لیکن ان کے حقوق ادا نہیں کرتے۔اس کا مال غصب کر لیتے ہیں

اور شادی کے ساتھ جو حقوق وابستہ ہیں انہیں ادا نہیں کرتے۔ اللہ کریم خواتین کے ان حقوق کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ نہ ہو کہ تم یتیم سمجھ کر شادیاں تو کر لو لیکن ان کا جو احترام گھر میں ہونا چاہئے وہ انہیں نہ دو۔ اور جائیداد اور مال میں ان کا جو حق ہے اس سے محروم کر دو۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ خواتین کے حقوق خوش دلی سے انہیں دو۔ عزت واحترام دو، مال وجائیداد سے حصہ دو اور اچھی طرح ان سے گزارا کرو۔

عورت کے لئے بھی حکم ہے کہ وہ خاوند کی وفادار ہو:

اس کے سامنے اور اس کی غیر موجودگی میں اپنی عزت کی حفاظت کرے۔ اس کی اولاد اور اس کے مال کی محافظ ہو۔ ان کی صحیح دیکھ بھال اور تربیت اس کی ذمہ داری ہے۔ عورت اور مرد اپنے اپنے فرائض اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھ کر باہمی خوشی و رضامندی سے ادا کریں تو گھر امن و چین کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی روح باہمی محبت میں ہے۔ لیکن اگر مرد و عورت ایک دوسرے کو نیچا دکھانے لگیں تو پھر وہ اولاد کی صحیح تربیت نہیں کر سکیں گے۔ ان کے ہاں انقلاب آفرین شخصیات پیدا نہیں ہو سکیں گی۔ لہٰذا اللہ کریم ہر ایک کو اس کے فرائض بتا کر باہمی محبت کی فضاء پیدا کرنے پر زور دیتا ہے۔ اور مرد کو یہ حکم ہے کہ اللہ نے جو حقوق خواتین کے لئے مقرر کر دیئے ہیں وہ انہیں دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ خصوصاً یتیم بچیوں کے بارے میں تاکید کرتا ہے کہ ان کے مال وجائیداد میں سے ان کا حق انہیں دیا جائے اور جس عزت واحترام کی وہ مستحق ہیں وہ انہیں ملے۔ **وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ** اسی طرح ان بچوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے جن کے والد یا والدین وفات پا جاتے ہیں۔ اور بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ ان کی جائیداد چچا کے پاس چلی جاتی ہے اور بچے بھی چچا کی کفالت میں چلے جاتے ہیں۔ یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کی کفالت میں چلے جاتے ہیں۔ ان کی سرپرستی کرنے والوں کے لئے بھی یہی حکم ہے **وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ** کہ ان یتیم اور کمزور بچوں کے ساتھ پورا پورا عدل کرو۔ ان کے مال و جائیداد کی حفاظت امانتداری سے کرو۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ مذکور ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ کبھی بیٹھ کر یہ سوچیں کہ ان کے بچے بھی یتیم ہو سکتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ کیا توقع کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ لہٰذا جو بچے یتیم ہو جاتے ہیں ان کے سرپرستوں کو ان بچوں سے وہی سلوک روا رکھنا چاہئے جو وہ اپنے بچوں کو یتیم چھوڑ جانے کی صورت میں دوسروں سے توقع کرتے ہیں۔ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾** یاد رکھو! دنیا انجام نہیں ہے، یہ حیات ابدی کا آغاز

ہے۔ دنیا نتیجہ نہیں ہے۔ دنیا عمل کا مقام ہے نتیجہ آخرت میں سامنے آئے گا۔ جو بھی بھلائی کرے گا اس کا اجر یقیناً آخرت میں پالے گا۔ کوئی بھلائی ضائع نہیں جائے گی۔ یقین رکھو کہ اللہ کی بارگاہ سے نہ رائی برابر ظلم چھپ سکے گا نہ رائی برابر نیکی ضائع جائے گی۔ کہ ہر چیز اللہ کے ذاتی علم میں ہے۔ اللہ تو اتنا کریم ہے کہ جو کام بندے کا فرض ہے اسے بھی نیکی شمار کر کے اجرِ عظیم سے نوازتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن حلال روزی کماتا ہے تو یہ عبادت شمار ہوتی ہے۔ وہ رزقِ حلال اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ بیوی بچوں کو کھلانا تو اس پر واجب ہے تو یہ صدقہ کیسا؟ فرمایا اللہ کے حکم کو پورا کرنا ہی اللہ کی عبادت ہے۔ بیوی بچوں کے اخراجات حلال روزی سے پورا کرنا اللہ کا حکم ہے۔ اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں کیا جانے والا کام عبادت بن جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ سے امید خالص رکھو۔ اس بات پر قوی یقین رکھو کہ نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

میاں بیوی کے اختلافات دور کرنے کا طریقہ:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ یاد رکھو! کسی خاتون کو یہ ڈر ہو کہ اس کا شوہر بد دماغ ہے، وہ اسے ایذا دے گا، اچھا سلوک نہیں کرے گا یا وہ اس کی طرف سے لاپرواہ ہے، اس سے اعراض کرتا ہے، اس کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا، اسے خاتون کا احترام نہیں دیتا، اسے اپنے برابر کا انسان نہیں سمجھتا تو ایسی صورت میں چاہیے کہ یہ مرد اور خاتون دونوں آپس میں بیٹھ کر بات کریں۔ کسی دوسرے کو درمیان میں نہ لائیں۔ اور آپس میں طے کریں کہ انہیں کس طرح سے رہنا ہے۔ یہ سب سے اچھی بات ہے کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کی سنیں اور ایک دوسرے کو سمجھائیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے کہ بیوی رشتہ داروں اور ملنے جلنے والی عورتوں کے سامنے رونا روتی ہے کہ اس کا شوہر ایسا ویسا ہے۔ اور شوہر بیوی کی برادری میں بیوی کا شکوہ کرتا پھرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں ایک دوسرے کی برائیاں بیان کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ میاں بیوی تو ایک دوسرے کی عزت کے امین ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ناچاقی کی صورت میں بیوی میاں کے سامنے اپنا شکوہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غلط فہمی ہو۔ میاں وضاحت کرے تو غلط فہمی رفع ہو جائے۔ اسی طرح میاں کو اپنی بیوی سے شکایت ہے تو علیحدگی میں اس سے بات کرے۔ اس سے پوچھے کہ یہ بات یا یہ کام اس نے کیوں کیا؟

ہوسکتا ہے کہ بیوی کی وضاحت شوہر کو مطمئن کر دے۔ **وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ** ؕ اس لئے کہ صلح میں خیر ہے۔ بہتری ہے۔ میاں بیوی کی لڑائی میں بہتری نہیں۔ اس جنگ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس میں کوئی نہیں جیتے گا۔ اس میں کسی کو فتح نہیں ہوگی۔ دونوں کا گھر اُجڑے گا۔ دونوں کی اولاد برباد ہوگی۔ ہر جنگ میں ہار جیت ہوتی ہے لیکن جب میاں بیوی میں جنگ ہوگی تو دونوں ہار جائیں گے۔ دونوں کی زندگی کا وقت برباد ہوگا۔ اس کی بہتری صلح میں ہے۔ اللہ کے نام پر جو رشتہ بنتا ہے اسے اللہ کے نام پر پوری دیانتداری سے نبھانے کی کوشش کرو۔ **وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ** ؕ رہ گئی بات خواہشاتِ نفس کی تو خواہشاتِ نفس میں تو دوسرے پر غلبہ پانے کی آرزو ہوتی ہے۔ حرص ہوتی ہے۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اہمیت ہی نہ دو۔ صرف اللہ کے حکم اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دیکھو۔ اپنے عقیدے کے مطابق اپنے اعمال انجام دو اور خود کو شریعت کے اندر رکھنے کی کوشش کرو۔ خواہشاتِ نفس کی بنیاد حرص پر ہوتی ہے۔ حرص اس خواہش کو کہتے ہیں جس کی کوئی حد نہ ہو۔ جس میں جو چیز مل جائے اس کے لئے لالچ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس لئے نیک خواہش تو پوری ہوسکتی ہے حرص پر مبنی خواہش کبھی پوری نہیں ہوتی۔ اور حریص یہی چاہتا ہے کہ ساری دولت اس کے پاس جمع ہو جائے۔ جہاں بھر کا حسن اس کے پاس سمٹ جائے۔ جہاں بھر کی شہرت وہ سمیٹ لے۔ لیکن حرص کی نہ حد ہوتی ہے، نہ یہ کبھی آسودہ ہوتی ہے اور نہ بندہ ان خواہشات کو کبھی پورا کرسکتا ہے۔ اس بیماری کا علاج یہی ہے کہ انسان خواہشاتِ نفس کے بجائے احکامِ الٰہی کو پیشِ نظر رکھے۔ سنتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے۔ اپنے شرعی فرائض کو دیکھے اور میاں بیوی خود ایک دوسرے کی عزت کریں۔ اس طرح لوگ بھی ان کی عزت کریں گے۔ بصورتِ دیگر دونوں کی رسوائی ہوگی۔ خاوند بیوی کے خلاف بات کرے گا تو اپنی عزت بھی بچا نہ پائے گا۔ بیوی خاوند کے خلاف بات کرے گی تو خود اس کی عزت بھی نہیں بچ سکے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ دونوں آپس میں مل بیٹھ کر مسئلے کا حل نکال لیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر آپس میں بات کر کے بھی بات نہ سلجھے، معاملہ حل نہ ہو تو میاں بیوی دونوں کے بزرگوں میں سے ایک ایک معتبر بزرگ منتخب کرلیا جائے اور میاں بیوی ان دونوں بزرگوں کو اپنی شکایات بتائیں۔ وہ دونوں بزرگ آپس میں بات کر کے کوئی درمیانی راستہ تجویز کریں۔

وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ بہتر یہ ہے کہ تم خلوص دل سے انصاف کرو۔ اچھا برتاؤ کرو۔ اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھو۔ اس لئے کہ اللہ تمہارے ہر عمل

سے باخبر ہے۔ لفظ تقویٰ کا ترجمہ اردو میں ڈر لکھ دیا جاتا ہے جو تقویٰ کے مفہوم کی وضاحت نہیں کرتا۔ تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے اپنا تعلق درست رکھو۔ سارے جہاں سے بگڑ جائے، اللہ سے نہ بگڑے۔ کم از کم اللہ کریم کے ساتھ اپنا معاملہ کھرا رکھو۔ **تُحْسِنُوْا** اور خلوصِ دل سے ایسا کرو۔ اور یہ بھی یاد رکھو تم جو بھی کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ ایک سے زائد بیویوں کے بارے میں احکامات بیان ہو رہے ہیں جس میں عدل بنیادی شرط بتائی جا رہی ہے۔ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ یہ مشورہ دیا گیا ہے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربع** خواتین میں سے جو تمہیں پسند آئیں ان میں دو، تین سے نکاح کر لو چار تک کی اجازت ہے۔ **فان خفتم الا تعدلوا** (النساء 3) لیکن اگر تمہیں یہ ڈر ہے کہ متعدد بیویوں یعنی دو، تین، چار بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو **فواحدۃ** پھر ایک پر گزارہ کرو۔ عدل یہ ہے کہ انہیں ایک جیسی عزت دو، ایک جیسی رہائش، ایک جیسا معیار زندگی فراہم کرو۔ **وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ** اللہ کریم فرماتے ہیں کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ تمہارا قلبی میلان یقیناً کسی طرف زیادہ ہوگا۔ ہر ایک کے ساتھ ایک جیسی محبت نہیں ہو سکتی۔ سب کے ساتھ ایک جیسا پیار دل میں ہو یہ ممکن نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کے ساتھ سلوک برابر نہ کیا جائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کیفیات قلبی پر تو میں درگزر فرما لوں گا لیکن معاملات ظاہری میں برابری نہ کرنے پر پُرسش ہوگی۔ لہٰذا معاملات ظاہری میں عزت و احترام، رہائش و اخراجات زندگی وغیرہ سب میں عدل ہو۔ یعنی سب کے ایک جیسے ہوں۔ **فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ** یہ نہ ہو کہ ایک بیوی کی طرف ہی جھکاؤ ہو جائے اور دوسرے کو عضو معطل کی طرح چھوڑ دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ایک بیوی تو مہارانی بن جائے او دوسری نانِ شبینہ کو ترستی رہے۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ اصلاحِ احوال کی کوشش کرو اور اللہ سے معاملہ درست رکھو۔ پھر جو بھول چوک ہو جاتی ہے اسے بخشنے کے لئے اللہ کی بخشش کافی ہے۔ اور اللہ کی مغفرت بہت وسیع ہے۔ **وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾** اور اگر میاں بیوی کی سوچ میں اتنا اختلاف ہے، دونوں کا انداز فکر اور طرزِ عمل اتنا مختلف ہے کہ یہ اکٹھے نہیں رہ سکتے تو پھر ایک دوسرے کو ایذاء دینے کی بجائے الگ ہو جانا اچھا ہے۔ ساری زندگی کے جھگڑے اور

فساد سے بہتر ہے کہ الگ ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ طلاق گو جائز اور حلال کام ہے لیکن شریعت میں سب سے ناپسندیدہ ہے۔ مخصوص حالات میں جب صلح ممکن نہ رہے تو اس کا استعمال جائز ہے۔ لیکن بہرحال ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا پوری دیانتداری سے میاں بیوی آپس میں بیٹھ کر صلح کی کوشش کریں۔ بزرگوں کو درمیان میں حکم بنا کر صلح کی کوشش کریں کہ صلح میں ہی خیر ہے۔ اگر ایک سے زائد بیویاں ہیں تو ان میں ہر ممکن حد تک برابری کریں اور اگر یہ سب کچھ کارگر نہ ہو تو پھر الگ ہو جائیں۔ الگ ہونے کا بھی ایک طریقہ کار ہے۔ دین میں ہر کام کا مناسب طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ طلاق کسی دوسرے کو رسوا کرنے کے لئے نہیں دی جاتی نہ کسی خاندان کی رسوائی مقصد ہوتا ہے نہ ان سے کسی دشمنی کا بدلہ لینا مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ شرعی قاعدہ موجود ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے۔ ایک طلاق دے کر ایک ماہ انتظار کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ میاں بیوی میں صلح ہو جائے۔ ایسی صورت میں صرف صلح کافی ہے۔ دوسرے مہینے میں دوسری طلاق ہوگئی اس کی عدت نہیں گزری اور اس میں صلح ہو جائے تو نکاح سابق برقرار رہے گا۔ لیکن اگر تیسرے طہر کے بعد تیسری طلاق دے دی تو پھر معاملہ ختم ہو گیا۔ اب مناسب طریقے سے الگ ہو جاؤ۔ طلاق میں واپسی کی گنجائش دو بار تک ہے۔ پہلی یا دوسری طلاق کی صورت میں اگر عدت کے دوران صلح ہو جائے تو نکاح کی ضرورت نہیں۔ لیکن عدت گزر جانے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے۔ اگر تین طلاقیں دے دی جائیں تو اسکے بعد واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اب اچھے اور مناسب طریقے سے علیحدگی ہو جانی چاہئے۔ اگر بیوی کے پاس میاں کا دیا ہوا مال ہے یا مال میں سے کچھ بچا ہوا ہے تو اسے لوٹا دے۔ اگر میاں کے پاس بیوی کا کچھ مال ہے یا اس کی وراثت اس کی ملکیت میں ہے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دے اور اس طریقے سے کرے کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی کی بنیاد نہ پڑے۔ قصور تو دو لوگوں کا ہے۔ میاں اور بیوی کا یا ان دو میں سے ایک کا ہوگا تو اس کی سزا ان دو خاندانوں کو نہ دی جائے اور نہ اس طرح الگ ہوا جائے کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا ہو جائے۔ الگ ہو جانے والے میاں بیوی کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے مال پر نظر نہ رکھیں۔ اللہ قادر ہے۔ وہ دونوں کو روزی کی فراخی دے سکتا ہے۔ کسی مخلوق پر دوسرے کی روزی کا مدار نہیں کہ اس کے ساتھ رہے گا تو روزی ملے گی۔ اس کے ساتھ نہیں ہوگا تو نہیں ملے گی۔ اللہ سے پوری امید رکھی جائے اس لئے کہ صرف وہی روزی دینے والا ہے۔ روزی میں وسعت دینے پر قادر ہے۔ وہ بہت وسعت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ مال پر مت جھگڑو۔ نہ یہ کہو کہ یہ میرا مال ہے، وہ میرا مال ہے۔ یہ بھی میں لے لوں وہ بھی میرے پاس آ جائے۔ یہ مال تو کسی کا نہیں بلکہ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط ارض وسما میں جو کچھ ہے وہ صرف

اللہ کا ہے۔ اگر وقتی طور پر کسی کی ملکیت میں ہے تو اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اگر چھینا جھپٹی کر کے مرد لے لے گا تو وہ بھی چھوڑ کر مر جائے گا اور اگر خاتون ایسا کرے گی تو وہ بھی چھوڑ کر مر جائے گی۔ یہ مال و دولت، یہ ارض وسماء اس وحدہٗ لاشریک کے ہیں۔ تمہارے پاس بطور امانت ہیں۔ تمہیں دنیا میں استعمال کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ تو کتنا ہی اچھا ہو کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کی نعمتوں کو استعمال کرلو۔ اگر چھینا جھپٹی کر کے استعمال کرو گے تو اللہ کے نزدیک مجرم بن جاؤ گے اور خود تو چھوڑ کر مر جاؤ گے۔ دوسرے استعمال کریں گے اور اللہ کے ہاں جواب طلبی تمہاری ہوگی۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ دیکھو! پہلے انبیاءؑ تشریف لائے ان سب انبیاءؑ کی تعلیم اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی تعلیم کا حاصل بھی وہی ہے۔ جو قرآنِ حکیم میں سے سب میں ایک بنیادی بات کا ذکر ہے اور وہ ہے **اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ** اللہ سے بات بنا کر رکھو۔ اللہ کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس کی اطاعت کرو اور خلوص دل سے کرو وہ نہ صرف تمہارا خالق ہے بلکہ ارض وسما اور کائنات کی ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ تم تو مشتِ غبار ہو۔ مر کر پھر مشتِ غبار بن جاؤ گے۔ نہ جاگیر تمہاری ہوگی، نہ حکومت وسلطنت نہ خزانہ نہ دولت سب کچھ یہیں چھوڑ کر جاؤ گے۔ جس مٹی سے اس نے پیدا کیا تھا اسی مٹی میں جا ملو گے۔ وہ تمہیں اسی مٹی سے پھر زندہ کرے گا اور اپنے کئے کا تمہیں جواب دینا ہوگا۔ ہر چیز اسی کی ہے اور آخر میں ہر چیز اسی کی ملکیت میں ہی رہتی ہے۔ اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔

کسی چیز میں اللہ کی ذات کسی کی محتاج نہیں لہٰذا نیکی کر کے کوئی اللہ پر احسان نہ دھرے۔ **وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾** جس نے بھلائی کرنی ہے تو اپنے لئے کرنی ہے۔ اس کا اجر بھی اسے ہی ملے گا۔ نیکی کا فائدہ خود اسے ہوگا اور جس نے برائی کی اس کا نتیجہ بھی خود ہی بھگتے گا۔ اللہ تو اپنی ذات میں تمام اوصاف اور تمام کمالات کا مالک ہے۔ ارض وسما کی ہر چیز اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ اور وہ بہترین کارساز اور مدبر ہے۔ ہر چیز کا انتظام اس کی قدرت کے تابع ہے۔ کس قطرے کو کہاں برسنا ہے اور کس جھونکے کو کہاں سے گزرنا ہے، کس پھول میں کون سی خوشبو ہوگی، اس کا رنگ کیا ہوگا، وہ کس کس کو مستفید کرے گا؟ اس کی خصوصیات کیا ہوں گی؟ کون سا دانہ کس کے حلق میں پہنچے گا؟ کس کس زمین پر کون کتنے قدم چلے گا؟ یہ سارا اس کا طے کیا ہوا انظام ہے۔ جس میں کوئی رائی برابر کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ اپنی ذات کے لئے نیکی کرو۔ اپنے لئے بھلائی کرو۔ خلوصِ دل سے اللہ کی اطاعت کرو تو یہ بھلائی تمہارے اپنے

کام آئے گی ورنہ اللہ کی ذات غنی وحمید ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

لوگو! سوچو اگر وہ چاہے تو قوموں کی قوموں کو یا پوری انسانیت کو ایک دم غرق کر دے یا تباہ کر دے۔ اسکا کیا بگڑ جائیگا؟ کچھ بھی نہیں۔ وہ قادر ہے کہ دوسرے لوگ پیدا کر دے۔ تاریخ عالم اس حقیقت پر گواہ ہے کہ قوموں میں جب بگاڑ آیا تو قوموں کی قومیں آن واحد میں تباہ ہوگئیں۔ اور ان کی جگہ دوسری قوموں نے لے لی۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اُمت پر اجتماعی عذاب موقوف ہوگیا۔ یہ آپ ﷺ کی برکت اور خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے زمین پر جلوہ افروز ہونے کے بعد اللہ نے اجتماعی عذاب ختم کر دیا۔

لوگو! کیا تم انقلاباتِ زمانہ دیکھ نہیں رہے ہو۔ ایک شخص آج تختِ سلطنت پر بیٹھا ہے اور کل اسے ایک خاکروب پھانسی پر لٹکا دیتا ہے۔ ایک وقت میں ایک شخص قیدی ہے۔ اسے قیدی نمبر سے پکارا جاتا ہے اور پھر وہ تختِ سلطنت پر بیٹھا نظر آتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

تو شاہوں کو گدا کر دے گدا کو بادشاہ کر دے

اشارہ تیرا کافی ہے گھٹانے اور بڑھانے میں

وہ چاہے تو قید سے نکال کر حکومت دے دے اور چاہے تو قصرِ سلطنت سے اٹھا کر پھانسی پر لٹکا دے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ وہ سب کو فنا کر دے اور دوسرے انسان پیدا کر دے۔ **وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا** وہ ایسا کرنے پر قادر ہے اس کی قدرت کاملہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ہاں اگر تم دنیا کا فائدہ چاہتے ہو، دنیا میں معزز ہو کر رہنا چاہتے ہو، دنیا میں مال دار ہو کر رہنا چاہتے ہو، دنیا میں اچھی شہرت چاہتے ہو، اچھی صحت چاہتے ہو، تو یاد رکھو دنیا کا فائدہ بھی اللہ ہی کے پاس ملے گا۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جو دنیا کا فائدہ دے سکے اور آخرت کا فائدہ بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ دنیا میں نیکی کرو تمہیں عزت ملے گی۔ اللہ کی اطاعت کرو رزق میں وسعت ملے گی۔ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ کی نافرمانی کر کے سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں ملے گا۔ نہ دنیا کی بھلائی نہ آخرت کی کامیابی اسلئے کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وسعت و فراخی بھی اس کے پاس ہے۔ رحمت و مغفرت بھی اس کی بے پایاں ہے اور وہ ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ ہر ایک کے حال کو دیکھتا ہے۔

سورۃ النساء آیات 135 تا 141 رکوع 20

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۗ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ

عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۧ﴿۱۴۱﴾

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کا اتباع مت کرنا۔ کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں ﴿۱۳۵﴾ اے ایمان والو تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو کہ پہلے نازل ہو چکی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روزِ قیامت کا تو وہ شخص گمراہی میں

بڑی دور جا پڑا ﴿۱۳۶﴾ بلا شبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے، پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو (منزلِ مقصود) یعنی بہشت کا راستہ دکھلائیں گے ﴿۱۳۷﴾ منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے ﴿۱۳۸﴾ جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ﴿۱۳۹﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزا اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں کہ اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے، یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے ﴿۱۴۰﴾ وہ ایسے ہیں کہ تم پر افتاد پڑنے کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہو گئی تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل گیا تو باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں (عملی) فیصلہ فرما دیں گے اور (اس فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرما دیں گے ﴿۱۴۱﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

انصاف کی بنیاد سچی گواہی پر ہے:

اے لوگو! جنہیں نورِ ایمان نصیب ہوا ہے۔ حق پر قائم رہو، عدل و انصاف پر قائم رہو اور پورے پورے عدل کے ساتھ قائم رہو۔ تم اللہ کی طرف سے گواہ ہو۔ **شُهَدَآءَ لِلّٰهِ** تم اللہ کے لئے گواہ ہو۔ اللہ کی

بارگاہ میں گواہ ہو۔یعنی جس بات پر تم قائم ہوتے ہو وہ اتنی کھری اور سچی ہونی چاہئے کہ تمہیں اللہ کے حضور شرمندگی نہ ہو۔ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ خواہ اس بات کی زد تمہاری اپنی جان پر پڑتی ہو کہ سچ اختیار کرنے میں اپنے مفادات کو زک پہنچتی ہے۔ اپنے معاملات میں نقصان ہوتا ہے۔ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جان جوکھوں میں پڑ جاتی ہے تو بھی حق کے لئے اس وجود کو، اس جان کو تکلیف میں ڈالنے سے نہ گھبراؤ۔ مالی اور دنیاوی مفادات کو بچانے کے لئے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار نہ کرو۔ خدانخواستہ کوئی حق چھوڑ بھی دے تو اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہی ہوگا۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ حق کو چھوڑنے سے اللہ کریم کی ناراضگی وارد ہوگی۔ جس کا نتیجہ نہایت برا ہوگا۔ حق کو چھوڑنے میں خرابی یقینی ہے اور فائدہ محض ایک موہوم سے امید ہے۔ فرمایا تم حق پر قائم رہو خواہ اس میں وقتی طور پر دنیاوی اعتبار سے تم پر تکلیفیں آئیں یا تمہارا نقصان ہو اَوِ الْوَالِدَیْنِ یا والدین کا وَالْاَقْرَبِیْنَ یا شتہ داروں کا۔

والدین اپنی ذات سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ اگر گواہی دینے کے سبب ان پر کوئی آفت ٹوٹتی ہے یا ان کا نقصان ہوتا ہے یا ان کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور حق پر قائم رہو۔ یا رشتہ دار اور اہلِ برادری کی ناراضگی کا خوف ہو تو فرمایا اللہ کی ناراضگی سے کسی دوسرے کی ناراضگی بڑی نہیں ہے۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰی بِهِمَا دنیا میں اگر کوئی رئیس ہے یا فقیر اللہ کریم کا تعلق سب کے ساتھ ہے۔ امیر ہو یا غریب دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور ایک ایک لمحے میں اپنی ہر ہر ضرورت کے لئے اللہ کے محتاج ہیں۔ عدل سب کے لئے ہے۔ کسی کے امیر ہونے یا غریب ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عدل و انصاف سب کے لئے ہے۔ حق سب کے لئے ہے۔ لہٰذا حق پر قائم رہو۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا کبھی عدل سے ہٹ کر خواہشات کی پیروی میں نہ جا پڑنا۔ دنیا بڑی حسین ہے۔ بڑی خوش نما ہے اور انسان ضروریات کا پلندہ ہے۔ اس کی بے پناہ خواہشات ہیں۔ مادی ضروریات ہیں اور دنیا کی نعمتیں ہیں ضروریات کو احسن طریقے سے پورا کرنا تو فریضہ ہے لیکن خواہشات کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ خواہشات بہت وسیع ہو جاتی ہیں۔ خواہشات ہی میں کھو جانا حق سے ہٹا دیتا ہے اور حق تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ لہٰذا خواہشات کی پیروی میں پڑ کر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۳۵﴾ اگر تم حق سے پھر جاؤ، غلط بات کو تسلیم کرلو، ظالم کا ساتھ دینے لگو، برائی میں تعاون کرنے لگ جاؤ تو اللہ کریم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تم اپنا نقصان کرنے والے ہوگے۔ اللہ تو تمہاری ہر حرکت و سکوت سے واقف ہے۔ وہ تو جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو اور اس کا نتیجہ کل تمہیں خود بھگتنا ہوگا۔

یہاں ایک بہت پتے کی بات فرمائی گئی ہے اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ ایمان لا کر ایمان کو ثابت کر کے دکھاؤ۔ دین بیان کرنے والوں اور دین سننے سمجھنے والوں کو اپنے رویے میں اخلاص پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے کا بیان جوشِ خطابت پر ہوتا ہے اور سننے والا اگر مخلص ہوتو یہ کہتا ہے کہ قرآن بیان ہو رہا ہے سننا ثواب ہے۔ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے باقی ساری اکثریت اسی میں الجھی رہتی ہے کہ بڑی زوردار تقریر تھی۔ شعر بہت اچھے تھے۔ آواز کا زیرو بم اچھا تھا۔ لیکن اس تقریر کا مقصد کیا تھا؟ ماحصل کیا تھا؟ یہ اکثریت کو پتہ نہیں ہوتا۔ شاید بڑے کم خوش نصیب ہوں گے وہ بیان کرنے والے بھی جنہیں یہ احساس ہو کہ باتیں لوگوں کو بتائی جا رہی ہیں۔ ان باتوں کا مخاطب وہ خود بھی ہے۔ دراصل بتانے والے کو خود ان باتوں کو سیکھنا چاہیے اور خود ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش میں لگ جانا چاہئے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ یہ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ جل شانہٗ فرما رہا ہے اور ان لوگوں سے کہہ رہا ہے جو ایمان لا چکے ہیں، جو مسلمان کہلاتے ہیں، جو کلمہ گو ہیں انہیں حکم دے رہا ہے کہ صرف ایمان کا نعرہ نہیں چاہئے بلکہ ایمان والو ایمان لاؤ۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر۔ تمہاری ہر حرکت وسکوت سے، تمہارے کردار و گفتار سے پتہ چلے کہ تم مسلمان ہو۔ اس خطاب کا انداز نرالا ہے۔ اللہ پاک کافروں سے کہتے کہ ایمان لاؤ تو بات سمجھ میں آتی۔ لیکن وہ فرما رہا ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ ایمان لانے والے ایسے بھی ہیں کہ دعویٰ ایمان کرتے ہیں اسکے مطابق عمل نہیں کرتے۔ تو فرمایا یہ نرا دعویٰ تمہیں دھوکہ نہ دے جائے۔ تم اس خوش فہمی میں رہو کہ تم مومن ہو اور تم سے اعمالِ کفر صادر ہوتے رہیں۔ تو ایسے دعویٰ ایمان کی اصلاح کرو۔ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ ایمان رکھتے ہو۔ درحقیقت بندے کا ہر عمل اثر رکھتا ہے اور نیکی مزید نیکی کی توفیق کھینچ لاتی ہے۔ اور برائی مزید برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ گناہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ **مفضی الی الکفر** ہوتا ہے ہر گناہ بندے کو کفر کے قریب تر کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مسلسل گناہ بندے کے قلب کو سیاہ کر دیتے ہیں۔ ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ اور بندہ خالی ہاتھ ہو جاتا ہے۔ صحیح عقیدہ کتنی اہمیت کا حامل ہے کہ دنیا وآخرت کی بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ لیکن بے دین لوگوں کے لئے بھی عقیدہ بہت اہم ہوتا ہے۔ عقیدہ بہت مضبوط ہے اور عقیدے کو بدلنا بہت مشکل کام ہے۔ تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں جیسے بنو قریظہ کے یہود

نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں سے بدعہدی کی تھی۔ان کی بیخ کنی کے لئے بنوقریظہ کا معرکہ برپا ہوا۔محاصرے کے آخر میں انہیں پسپائی ہوئی تو انہوں نے عرض کی کہ ہم مسلمانوں سے لڑ تو نہیں سکتے عرض معروض ہی کر سکتے ہیں۔ یہود نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اپنا حکم مقرر فرمایا حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان یہود کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے مال و جائیداد مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی جائیں۔اور یہ فیصلہ نافذ کر دیا گیا۔بنوقریظہ کے سرداروں میں سے ایک زبیر بن باطا تھا۔اس نے زمانۂ جاہلیت کی جنگِ بعاث میں ثابت بن قیس کے ساتھ کوئی احسان کیا تھا۔قیس بعد میں مسلمان ہو گئے۔ زبیر بن باطا نے حضرت قیسؓ کو اپنا احسان یاد دلایا اور اپنی اور اپنی آل اولاد و مال و منال کی واگزاری کی درخواست کی۔ حضرت قیسؓ یہ درخواست لے کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے زبیر کی التجا قبول فرمالی وہ اپنے گھر والوں اور مال و جائیداد کی واپسی کے بعد انہیں بحفاظت محفوظ مقام تک پہنچانے کے بعد واپس مقتل میں آ گیا اور حضرت ثابت بن قیسؓ سے پوچھنے لگا کہ میرے فلاں دوست کا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ وہ قتل ہو چکا۔ پھر نام لے لے کر اپنے قبیلے کے سرداروں اور دوستوں کا پوچھتا رہا، اور اسے بتایا گیا کہ وہ سب تہِ تیغ ہو چکے ہیں۔تو زبیر بن باطا کہنے لگا کہ ان دوستوں کے چلے جانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں ہے۔اے ثابتؓ میں تمہیں تمہارے احسان کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے قتل کر کے میرے ان دوستوں سے ملا دو۔لمحہ بھر کی اذیت کے بعد میری اپنے پیاروں سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اسکی یہ بات سن کر فرمایا ''یہ ان سے ملاقات تو کرے گا لیکن آتش جہنم میں، جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا''۔

ایک باطل عقیدے میں بھی استقامت دکھائی جاتی ہے تو اس لئے کہ وہ شخص اسی عقیدے کو حق سمجھتا ہے۔اسی طرح ہندو ایک ایک پائی پر جان دیتے ہیں اور تمام دولت اپنے مکانات کی تعمیر پر خرچ کر دیتے ہیں۔اس کے باوجود کسی ہندو کو نہیں دیکھا کہ اس نے اپنی جاگیر اور خوبصورت مکانوں کی خاطر عقیدہ بدل لیا ہو۔وہ اپنے عالی شان مکانات، گھر بار اور زمین جائیداد چھوڑ کر چلے گئے۔لیکن بت پرستی نہیں چھوڑی۔ بندروں اور خنزیروں کی پرستش نہیں چھوڑی۔ تو عقیدہ تو ایسی چیز ہے جس سے کسی کو ہلایا نہیں جاسکتا۔تو یہ مسلمان کہلاتے ہیں۔یہ اپنا عقیدہ کیوں چھوڑ بیٹھتے ہیں؟ انہیں روز ایک نیا شخص نیا عقیدہ بتا دیتا ہے اور یہ اس پر کیوں لپک پڑتے ہیں؟ نصف صدی میں ہم نے جو تبدیلیاں دیکھی ہیں ان میں ایک بڑی تبدیلی یہ آئی ہے کہ لوگوں کے عقائد تباہ ہو گئے ہیں۔نتیجتاً افکار و معاملات برباد ہو گئے ہیں۔اب ایک گھر میں رہنے والے سب

کے سب ایک عقیدے پر متفق نہیں ہیں۔ عقیدہ تو بڑی مضبوط شے ہے۔ پھر ان کے لئے یہ کمزور شے کیسے بن گئی؟ اللہ کریم نے اس مرض کی نشاندہی کر دی ہے کہ دعویٰ اسلام ہے۔ اسلام پر اعتماد و یقین نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! مان کر دکھاؤ اپنے کردار سے، اپنے عمل سے، اپنی نشست و برخاست سے ثابت کرو کہ تم ایمان والے ہو۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی صحابیؓ دنیا میں آج تشریف لے آئیں تو وہ ہم جیسے مسلمانوں کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیں۔ آج ہم ایسی جگہ کھڑے ہیں کہ روایات ہر بندے کو عزیز ہیں اور سنت کی کوئی پرواہ نہیں۔ اور رسمیں بھی ہندوؤں سے مستعار لے رکھی ہیں۔ شادی ہی نہیں مرنے کی رسومات بھی ہندووانہ ہیں۔ مرنے والے کو خواہ زندگی میں علاج سے محروم رکھا ہو اس کے مرنے پر اپنی شہرت کے لئے لاکھوں روپے خرچ کئے جائیں گے۔ چالیس دن تک دعوتیں اڑائی جائیں گی۔ کبھی سوئم، کبھی دسواں، جمعراتیں اور کبھی چالیسواں ہوگا۔ ایسے ہی موقعے کے لئے اکبرالہ آبادی نے کہا تھا

ہمیں معلوم ہے مرنے کے بعد کیا ہو گا

پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا

ان رسومات کے خلاف جو زبان کھولے وہ وہابی کہلائے گا۔ رسومات کو نیا مذہب نہیں کہا جا سکتا۔ رسومات کو ترک کر کے سنت پر عمل کرنے کی بات کو نیا مذہب کہا جائے گا۔ ہم عملی اور فکری طور پر اسلام سے دور اور رسومات کے اتنے اسیر ہو گئے ہیں کہ سنت پر عمل ایک نئی سی بات لگتی ہے۔

اللہ کریم یہی فرما رہا ہے کہ اے ایمان والو! ایمان والے بن کر دکھاؤ۔ تمہاری ایک ایک سوچ اور فکر میں اللہ کی توحید اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر یقین نظر آئے۔ تمہارے کردار سے اخلاق محمد رسول اللہ ﷺ کی خوشبو آئے۔ تو اے اہلِ ایمان اللہ کو مان کر دکھاؤ۔ اسکے رسول اللہ ﷺ کو مان کر دکھاؤ۔

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ اور اس کتاب کو مان کر دکھاؤ جو میرے نبی کریم ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ یعنی یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ قرآن حکیم پر عمل کر کے دکھاؤ تو تمہارا ایمان ثابت ہوگا۔ ورنہ یہ کون سی مسلمانی ہے کہ بس کہہ دیا میں مسلمان ہوں۔ کلمہ پڑھ لیا اور پھر جو جی چاہا کہا۔ جو جی چاہا کیا۔ اور جب جی چاہا حرام کھا لیا۔ جھوٹ بولتے رہے۔ سود کھاتے رہے۔ من مانی کرتے رہے اور محض چھوٹے چھوٹے مفادات کے لئے حق و انصاف سے ہٹ کر زندگی گزارتے رہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے مفادات ہمیں دین سے دور لے گئے۔

اس آیۂ کریمہ میں بڑی عجیب و غریب کیفیت ہے اگر ہم اس پر توجہ دیں اور غور کریں تو اللہ کریم ہمیں یاد دلا رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مومن کہنے والو میری عظمت کو اور میرے نبی کریم ﷺ کی صداقت کو مان

کر دکھاؤ کتاب الٰہی کو مان کر عمل پیرا ہو کر دکھاؤ اور ان کتابوں کو بھی مانو جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھو وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ جس نے کفر کیا یعنی اللہ کی عظمت، فرشتوں کے وجود، اللہ کی کتابوں، اللہ کے رسولوں یا آخرت کے دن کا انکار کیا تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ ایمان باللہ، ایمان بالرّسول، ملائکہ کا وجود، آخرت، سوال جواب، قبر، حساب کتاب، حشر، تمام آسمانی کتابوں پر ایمان، تمام انبیاء علیہ اسلام کو برحق ماننا یہ اصول دین ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ زبانی انکار کھلا کفر ہے۔ عملی انکار فسق ہے۔ جو مفضی الی الکفر ہے۔ کفر کی طرف لے جانے والی سواری ہے۔ ہر عمل ایک سواری ہے۔ سٹیشن پر دو ٹرینیں دو مختلف سمتوں میں سفر کے لئے کھڑی ہوں ایک پشاور جا رہی ہو، دوسری کراچی تو جس سمت کی طرف سفر مقصود ہو بندہ اسی ٹرین میں سوار ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسی طرح ہر فیصلہ جنت یا جہنم کی سواری ہے۔ سنت ہے تو جنت کی طرف۔ سنت کے خلاف ہے تو جہنم کی طرف لے جانے والی چیز ہے۔ ہر عمل یا تو نبی کریم ﷺ کی اطاعت ہے یا حضور ﷺ کی مخالفت۔ اطاعتِ الٰہی ہے یا اللہ کی نافرمانی۔ ہمارے یہ روزمرہ کے کئے گئے فیصلے' یہ چھوٹے چھوٹے اقدام عرصہ محشر میں فیصلوں کی صورت میں سامنے آجائیں گے۔ ہر بندے کو اس کا اعمال نامہ پکڑا کر کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ (بنی اسرائیل آیت 14) اپنے وہ فیصلے پڑھ لے جو دنیا میں تو کرتا رہا ہے اور میرے فرشتے لکھتے رہے۔ آج تو اپنے لئے خود ہی بہترین جج ہے۔ جو فیصلے دنیا میں کرتا رہا ان فیصلوں کا آج تم پر اطلاق ہو جائے گا۔ اگر تمہارے فیصلے اطاعت الٰہی اور اتباعِ رسول اللہ ﷺ میں ہوئے تھے تو آج تمہیں اللہ کے اطاعت گزاروں اور اللہ کے مقبول بندوں کا ساتھ نصیب ہوگا۔ اور اگر دنیا میں تم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف فیصلے کئے' ان پر عمل کیا تو آج تیرے ساتھ وہ ہوگا جو مخالفین کے ساتھ ہونا چاہئے۔ کہ یہ وہ انجام ہے کہ جس کسی نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا گرا۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

شریعت کے حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ؕ

فرمایا جو لوگ ایمان لاتے ہیں پھر کافر ہو جاتے ہیں اور پھر ایمان لے آتے ہیں ان کے بار بار کافر ہونے سے ایمان نہیں بڑھتا' کفر بڑھتا ہے۔ کفر کے اثرات مزاج میں بڑھتے رہتے ہیں۔ طبیعت میں کافرانہ خصلتیں اور کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ اللہ کی مغفرت

سے محروم ہو جاتے ہیں اور پھر پکے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ انہیں اسی کنارے لگا دیتا ہے جدھر وہ بار بار اسلام کا بندھن تڑوا کر جانا چاہتے ہیں۔ کہ جاؤ جس طرف تمہاری محبت زیادہ ہے ادھر ہی چلے جاؤ۔ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ پھر انہیں واپسی کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ سب ہی راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ واپسی کے راستے مسدود کیوں ہو جاتے ہیں؟ اسلئے کہ لوگ اسلام قبول کرنا مذاق سمجھتے ہیں۔ ان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اسلام قبول کیا پھر ایسا عمل کر دیا جس سے وہ کافر ہو گیا۔ سمجھنا چاہئے کہ بندہ کس عمل سے کافر ہو جاتا ہے؟ کسی بھی حرام کو حلال سمجھنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اسکی وضاحت فقہا نے یوں لکھی ہے کہ اگر کسی نے مرغی چوری کر لی اور اس نے اس مرغی کو اللہ کا نام پڑھ کر ذبح کیا تو پھر وہ کافر ہو گیا کہ اس نے اللہ کے حرام کو حلال سمجھ لیا۔ جب اس نے چوری شدہ مرغی کو تکبیر پڑھ کر ذبح کیا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ اب یہ حلال ہو گئی ہے تو حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ اور حرام کو حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے۔ گناہ سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔ حرام کے نقصان دہ اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن ایمان بچ جاتا ہے۔ اور جو حرام کو جائز قرار دے دے اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک مرغی سے یہ اثر مرتب ہوتا ہے تو سود کو نفع کہہ کر کھانے والوں کے ایمان کا کیا ہوتا ہوگا؟ پورے ملک میں اب سود کو نفع کہا جاتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تو سود کو حرام قرار دیا اور لوگوں نے اسے نفع کہہ کر جائز قرار دے دیا ہے۔ تو کیا خنزیر کا نام بدل کر بکرا رکھ دینے سے خنزیر بکرا بن جائے گا؟ جس ایمان والے نے سود کو نفع کہہ کر حلال مان لیا وہ کافر ہو گیا۔ اس نے اللہ کے حرام کو حلال قرار دینے کا جرم کیا۔ پھر اس نے اذان سنی، کلمہ پڑھا، وضو کیا، مسجد گیا، صلوٰۃ ادا کی تو پھر سے مسلمان ہو گیا۔ باہر نکلا پھر وہی کفریہ عمل کیا یا کتابِ الٰہی کی توہین کی یا توہینِ رسالت کا مرتکب ہوا پھر کافر ہو گیا۔ پھر کسی وقت کلمہ شہادت پڑھ لیا تو مسلمان ہو گیا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں پھر کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر ایمان لاتے ہیں ان کے بار بار ایسا کرنے سے ان کے کفر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور بالآخر ان پر ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا جا رہا ہے کہ گفتار میں اور کردار میں احتیاط لازم رکھو۔ گناہ ہو جائے تو اسے گناہ سمجھو۔ اسے حلال اور جائز قرار دے کر کفر میں مت جا پڑو۔

قرآنِ کریم ہر دور کے منافقین کے کردار کی نشاندہی کرتا ہے اور علاج بتاتا ہے:

قرآنِ کریم نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت کے کفار و منافقین کے احوال بتاتا ہے۔ اور اس زمانے کے منافقانہ کردار کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ منافق کون ہیں؟ اور ان کا انجام کیا ہے؟

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۱۳۹

ان لوگوں کو بتا دیجئے جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور دل میں اسلام پر یقین نہیں رکھتے کہ ان منافقین کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آج کے منافقین کون؟

فرمایا منافق وہ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں' لیکن مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں۔ اسلام کو مسلمانوں کو اور اسلامی ریاست کے مفادات کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کافروں سے دوستیاں رکھتے ہیں۔ ان سے خیر اور بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔ آج کے منافقین کے ہو بہو یہی انداز ہیں، اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے اپنے ملک کے شہریوں کو پکڑ پکڑ کر کافروں کے آگے پیش کرتے ہیں۔ بردہ فروشوں کی طرح مسلمان شہریوں کو بیچتے ہیں۔ ڈالروں کے عوض ملک کے شہریوں پر بمباری کرواتے ہیں۔ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں لیکن انہیں نہ اللہ سے حیا آتی ہے نہ اللہ کے نبی کریم ﷺ سے حیا آتی ہے نہ یہ اللہ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا کردار ان کے منافق ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ **اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ** یہ کافروں کے پاس عزت تلاش کرنے جاتے ہیں۔ یہ کافروں کی خوشامد کرنے جاتے ہیں کہ کسی طرح انہیں ڈالر ملتے رہیں اور ان کا اقتدار قائم رہے۔ اس ملک کو آزاد ہوئے 61 برس گزر گئے۔ 61 برس سے انگریزوں کا بنایا ہوا وہ تعلیمی نظام چل رہا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کو ختم کر کے اس لئے رائج کیا تھا کہ جو صرف کلرک اور سرکاری افسر پیدا کرے تا کہ حکومت کی مشینری چلتی رہے۔ اسی نظام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا پرچم بلند کرے۔ اسلامی اور دینی تہذیب کو کمتر اور گھٹیا ظاہر کرے اور لوگ ذہنی طور پر مغرب کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔ ان 61 برسوں میں مارشل لاء بھی آئے۔ سول حکومتیں بھی آئیں۔ بڑے بڑے نامور لوگ آئے۔ شہید ملت آئے' قائدِ ملت آئے اور امیر المومنین بھی آئے تو کیا کسی نے اس قوم کا مقدر بدلنے کے لئے نظام تعلیم کو بدلا اور قومی ضروریات کے ہم آہنگ کیا؟ بات تو بڑی کرخت ہے لیکن حق یہ ہے کہ اکسٹھ برسوں سے ہم پر منافق ہی مسلط رہے اور ہم بھی منافق ہی ہیں کہ ہر بار انہی منافقوں کو منتخب کرتے ہیں۔ قرآن حکیم حق کہنے اور حق پر قائم رہنے کی بات کرتا ہے۔ عبادات کرنا مشکل نہیں ہے۔ معاشرے میں حق کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ قرآن حکیم بتا رہا ہے کہ مسلمانو! مسلمان بن کر دکھاؤ۔ ایمان والو اپنے عمل سے حق پر قائم رہ' کر حق کا ساتھ دے کر' حق کو قائم کر کے' ایمان والے بن کر دکھاؤ۔ اور اکسٹھ برسوں میں کسی نے نہ اس کی تاریخ کی نہ نظام تعلیم کی اصلاح کی' نہ حکومت و معیشت کو دین کے قریب پھٹکنے دیا۔ جو بھی آیا اس نے اسلامی نظام سے پہلو تہی کی۔ زبانی بات کی۔ عملاً نافذ نہ کیا اور اکثریت

نے تو اسے نا قابلِ عمل ہی کہا۔ اس سے بڑی منافقت کیا ہوگی ۔ جو بھی آیا اس نے کافروں سے امیدیں رکھیں اور ہم ان حکمرانوں سے بھی گئے گزرے ہیں کہ منافقوں کو اقتدار دینے میں پیش پیش ہیں۔ **اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ** یہ کافروں کے دروازے پر عزت تلاش کرتے ہیں۔ انہیں بتا دیجئے **فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾** ساری عزت اللہ کے لئے ہے جو اللہ کی اطاعت کرے گا وہ معزز ہوگا۔

کفر پر راضی رہنا بھی کفر ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾

فرمایا! اللہ کریم نے اپنی کتاب میں یہ بات نازل فرما کر واضح کر دیا ہے کہ جب اور جہاں کوئی ایسی مجلس ہو جس میں اللہ کریم کی آیات سے انکار کیا جائے' دین کا مذاق اڑایا جائے تو **فَلَا تَقْعُدُوْا** ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو۔ **حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ** جب تک وہ اس کام سے باز نہ آجائیں اور کسی دوسری بات میں مصروف نہ ہو جائیں تب تک ایمان والو تم ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اگر ان میں بیٹھے رہے **اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ** تو پھر تم بھی انہی جیسے شمار ہو جاؤ گے۔ ویسے ہی ہو جاؤ گے جیسے وہ لوگ ہیں۔ **اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿١٤٠﴾** یاد رکھو! اللہ پاک منافقوں اور کافروں کو جہنم میں یکجا کرنے والے ہیں۔

قرآنِ حکیم کے احکام کا نزول خاص مواقع پر ہوا لیکن اس کا نفاذ عام ہے:

ہمارے ہاں یہ رواج ہو چکا ہے کہ جب کوئی آیت کفار و منافقین کے بارے میں پڑھی جاتی ہے تو اسے ہم عہدِ رسالت کے کفار و منافقین پر چسپاں کر کے فارغ ہو جاتے ہیں اور جب کوئی آیۃ کریمہ مومنین کے حق میں پڑھی جاتی ہے تو اسے ہم صحابہ کرامؓ سے مخصوص کر کے خود الگ ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ درست ہے کہ قرآن کی آیات کسی خاص واقعے پر نازل ہوئیں اور قرآن کے احکام کا نزول اگرچہ خاص مواقع پر ہوا لیکن ان آیات و احکام کا نفاذ عام ہے۔ ہمیشہ کے لئے ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔ آج کے عہد کے مسائل کا حل بھی قرآن حکیم میں ہے ان احکامِ الٰہی کی صورت میں۔ آج ہمیں ان باتوں سے روکا جا رہا ہے جو منافقانہ کردار کی خصوصیات ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ جو مومنانہ کردار کی حامل ہیں۔ ان آیات کے پس منظر میں اس عہد کے منافقین کی روش ہے۔ لیکن اس بات کو رہنے

دیکھئے کہ اس زمانے میں کس طرح سے انکار کیا جاتا تھا اور آیاتِ الٰہی کا مذاق کیسے اُڑایا جاتا تھا؟ آج اپنے معاشرے کی عمومی حالت دیکھئے عام آدمی اپنی نجی محفلوں میں دین پر طعن کرتا ہے۔ شرعی مسئلہ بتایا جائے تو اس کا انکار کیا جاتا ہے۔ بڑے دھڑلے سے کہا جاتا ہے کہ یہ کیسا دین ہے؟ اور یہ کیا بات ہے۔ بھلا کیسے اس پر عمل ہوسکتا ہے؟ اسی طرح حکمران ہیں کہ اسلام کے ضابطوں کو ناقابل عمل قرار دیتے نہیں تھکتے۔ ہر دور حکومت میں ہماری اسمبلیاں قرآنی احکام کا مذاق اُڑاتی رہی ہیں۔ محفلوں میں، ٹی وی پروگراموں میں، دفتروں میں، یہ باتیں بارہا دہرائی جاتی ہیں کہ اس عہد میں اسلام کے قواعد وضوابط پر عمل کرنا مشکل ہے۔ یہ باتیں پرانی ہو چکی ہیں۔ اس عہد میں یہ اصول وضابطے ساتھ نہیں دے سکتے (معاذ اللہ)۔

اس طرح کی باتیں جہاں ہو رہی ہوں وہاں جو لوگ سننے میں شریک ہوتے ہیں اور ان لغو باتوں کی تردید نہیں کرتے۔ انہیں اللہ کریم تنبیہ کے طور پر فرما رہے ہیں کہ پھر تمہیں بھی انہی لوگوں میں شمار کیا جائے گا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ پاک ہے **من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان** (صحیح مسلم کتاب الایمان) اس ارشاد کا مفہوم ہے کہ جہاں خلاف دین ہو رہا ہو' برائی ہو رہی ہو تو اگر قوت ہو تو اسے ہاتھ سے روکا جائے ورنہ زبانی دفاع کیا جائے۔ اور اس کی تردید کی جائے۔ ایسا بھی نہیں کرسکتا تو وہاں سے اُٹھ جائے' اس محفل سے الگ ہو جائے۔ اور الگ ہو جانا ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔ ملکی اسمبلی کا رویہ تو یہ ہے کہ سیاسی مفادات کے لئے تو walk out کر جاتے ہیں لیکن دین کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو کوئی نہیں اٹھتا۔ بلکہ ان اسمبلیوں میں ہی دین سے بدظن کرنے کے لئے نئے نئے شوشے چھوڑے جاتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے کہ زبانی طلاق خواہ کتنی مرتبہ ہی کوئی دے دے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جب تک لکھ کر نہ دے اور لکھ کر رجسٹرڈ نہ کروائے۔ اب یہ بالکل نئی بات گھڑی گئی ہے۔ جو چودہ صدیوں میں کسی نے نہیں کی۔ کیا عہدِ رسالت میں یہ قانون تھا؟ کیا خلافتِ راشدہ میں ایسا ہوا۔ آج اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ محض دینی احکام کا مذاق اُڑانے کیلئے اور دینی احکام کو کمزور کرنے کے لئے۔ لوگوں کو دین سے دور کرنے کے لئے۔ اسمبلی میں بیٹھے ہوئے علمائے دین مجھ سے زیادہ دین پڑھے ہوئے ہیں۔ باقاعدہ امتحان دے کر کامیاب قرار دیئے ہوئے لوگ ہیں۔ کیا وہ ان آیات کے حکم کو نہیں پہچانتے جس میں اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ دین کی عظمت اس میں ہے کہ اسکے احکام کا مذاق نہ اُڑایا جائے اور اگر کوئی مذاق اُڑاتا ہے اور مومن جواب نہیں دے سکتا تو کم از کم الگ ہو جائے اور اگر الگ نہیں ہوتا تو پھر اس کا شمار بھی انہیں منافقین میں ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ منافقین یا کفار اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ عام انسان اور حکمران سب کو اللہ کریم نے چند دن کام کرنے کی مہلت دی

ہوئی ہے۔ ایک دن یہ معیاد ختم ہو جائے گی اور اسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ اسے جواب دینا ہوگا۔
الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ منافقین کو تو اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ پڑے۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ اور جب تم مسلمانوں کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی ہے تو بڑھ بڑھ کر دعوے کرتے ہیں کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ تھے۔ ہم بھی تو آپ کے معاون تھے۔ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اور اگر کفار کو کہیں فائدہ پہنچتا ہے، وقتی طور پر کہیں نفع ہو جاتا ہے، کافروں کو کچھ حصہ مل جاتا ہے تو پھر ان پر احسان دھرنے لگتے ہیں کہ کیا ہم نے مسلمانوں سے تمہیں بچانے میں کردار ادا نہیں کیا؟ اگر ہم تمہاری مدد نہ کرتے تو مسلمان تو تمہیں لے بیٹھے تھے۔ ہم نے تمہاری حفاظت کی۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ سو اللہ تعالیٰ تم سب لوگوں کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ قیامت کے روز کر دے گا۔ سچ اور جھوٹ علیحدہ علیحدہ ثابت ہو جائے گا۔ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اس فیصلے میں اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر غالب نہ کریں گے۔ یاد رکھو کہ اگر مومنین ایمان کو سلامت اور محفوظ و مضبوط رکھیں گے، دامانِ رسول ﷺ کے ساتھ کلی طور پر وابستہ رہیں گے تو اللہ کبھی کافروں کو یہ مہلت نہیں دے گا کہ وہ مومنوں پر غالب آ جائیں۔ یہ اصولِ فطرت ہے کہ کفار کبھی بھی مومنین پر غالب نہیں آ سکتے۔ اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں موجودہ حالات کو دیکھیں تو اس اصول کے برعکس نظر آتا ہے کہ روئے زمین پر مسلمان تو مغلوب ہیں اور کفار و مشرکین اور منافقین غالب ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آج مسلمان مغلوب کیوں ہیں؟

ہم قرآنِ حکیم کی اس شرط کو بھول گئے ہیں۔ اللہ کریم نے فرمایا ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا جن کے ایمان سلامت ہوں گے ان پر اللہ کافروں کو غلبہ نہیں دے گا۔ اگر ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہے کہ ہم پر کفار غالب آ رہے ہیں یا ہمیں بے بس کر رہے ہیں تو ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہمارے ایمان سلامت ہیں؟ کیونکہ شرط یہ ہے کہ اگر ایمان سلامت ہوں گے تو بندہ مومن ہوگا اور مومن پر کافر غالب نہیں آئے گا۔ اگر ہمیں نظر آ رہا ہے کہ بین الاقوامی کافر طاقتیں مسلمانوں پر غالب آ رہی ہیں تو پھر ہمیں اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ کیا ہمارے ایمان سلامت ہیں؟ کیا ہمارا عقیدہ وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے ہمیں تعلیم فرمایا ہے۔ جس کا مطالبہ قرآن نے کیا ہے؟ کیا ہمیں اللہ پر اعتماد ہے؟ کیا ہمارے معاملات اللہ کریم سے درست ہیں؟ کیا ہماری زندگی کے شب و روز ہماری کاوشیں حدود اللہ اور دین کی حدود کے اندر ہیں یا ہم خود ہی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر کمر بستہ ہیں؟

سورۃ النساء آیات 142 تا 147 رکوع 21

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝١٤٢ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝١٤٣ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝١٤٤ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝١٤٥ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٤٦ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝١٤٧

بلا شبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں، اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر ﴿۱۴۲﴾ معلق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان میں نہ ادھر نہ اُدھر اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں ایسے شخص کے لیے کوئی راستہ نہ پاؤ گے ﴿۱۴۳﴾ اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کرلو ﴿۱۴۴﴾ بلا شبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا ﴿۱۴۵﴾ لیکن جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کرلیں اور اللہ تعالیٰ پر یقین رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کیا کریں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہوں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرما دیں گے ﴿۱۴۶﴾ (اور اے منافقو) اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدر کرنے والے خوب جاننے والے ہیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ منافقین ایسے کام کرتے ہیں جو عظمتِ الٰہی کے مقابل درست نہیں ہوتے۔ **وَهُوَ خَادِعُهُمْ** اللہ تعالیٰ بھی ان سے وہی سلوک کرتا ہے اور ویسا ہی معاملہ ان کے ساتھ کرتا ہے۔ اگر منافق چالبازی کرتے ہیں' دین کا مذاق اُڑاتے ہیں تو اللہ بھی ان سے ویسا ہی سلوک کرتا ہے۔ اس طرح کی صفات جب اللہ جل شانہٗ سے منسوب ہوتی ہیں تو ان کا معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنی بعید وہ ہوتا ہے جو اس بات کا یا اس عمل کا نتیجہ ہوتا ہے تو جو اللہ سے چالبازی کرتا ہے اس کے جواب میں اس عمل کا نتیجہ اللہ اس پر لوٹا دیتا ہے۔ گویا عظمتِ الٰہی کا مذاق اُڑانے والوں کو ان کے اس عمل کے نتیجے میں ہمیشہ کی ذلت وخواری نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کی انہیں سزا ملتی ہے۔ تو آج بھی جو کافر طاقتیں' منافق قوتیں مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہیں ان کی اپنی زندگیوں میں نہ اخلاقی اقدار ہیں، نہ ذہنی سکون، نہ آبرو' گھر' وفاداری نام کی کوئی شے ان کی زندگیوں میں نہیں ہے۔ انسانی وقار، انسانی عظمت، انسانی احترام، ان کے معاشرے میں عنقا ہے۔ کوئی چھوٹا نہیں کوئی بڑا نہیں۔ صرف قانون کا احترام ہے۔ انسانوں کی باہمی محبتیں غائب ہیں۔ نہ کسی کی آبرو ہے نہ غیرت نہ گھر کا سکون باقی ہے۔ نہ خاندان باقی ہے۔ یہ ان کے اعمالِ بد کا قدرتی نتیجہ ہے جو انہیں اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اور جب صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی سستی اور تساہل کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ گویا نہ وضو صحیح طریقے سے کیا چند چھینٹے اڑائے آدھے اعضاء گیلے آدھے خشک رہے۔ رکوع میں گئے تو پھر واپس سیدھے کھڑے بھی نہ ہوئے وہیں سے سجدے میں چلے گئے۔ سجدہ ایسے کیا گویا مرغ ٹھونگیں مار رہا ہے۔ جلدی جلدی فارغ ہوئے اور مسجد سے بھاگے۔ ایسا کیوں ہے؟ فرمایا يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں۔ انہیں اللہ کی حضوری کا یقین نہیں ہوتا۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہیں کہ پورے اہتمام سے قیام کریں، رکوع کریں، سجود کریں، تسبیحات درست ادا کریں اور صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کریں۔ بلکہ وہ تو لوگوں کو دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ بہت پارسا ہیں۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ اور اللہ کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اللہ کو تو یاد ہی نہیں کرتے۔ مگر بہت کم اور مختصر مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾ ایسے منافقین کی زندگی کفر اور اسلام کے درمیان بھٹکتے گزر جاتی ہے۔ نہ وہ ادھر کے ہوتے ہیں نہ ادھر کے۔ حق و باطل کے درمیان معلق رہتے ہیں۔ کسی ایک سمت مستقل نہیں ہوتے۔ درمیان میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے کسی جرم کی وجہ سے اللہ کریم نے ہدایت سے محروم کر دیا ہے اور جسے اللہ ہی گمراہ کر دے، اس سے ہدایت چھین لے اس کے لئے ہدایت کا کوئی راستہ نہیں۔ اور اللہ کریم ویسے ہی لوگوں سے ہدایت کی توفیق سلب نہیں کرتے۔ انسان خود اپنی مرضی سے گمراہی کے راستے پر چلتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ (البقرہ آیت 7) کہ اللہ نے ان کے دلوں پر، کانوں پر مہر کر دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کی کہ اگر اللہ نے خود ہی ان کے مہر کر دی ہے تو پھر ایسے لوگوں کو سزا کیوں ہوگی؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کریم بلا وجہ مہر نہیں کرتے۔ بلکہ انسانوں کی بدعملی اور مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان توبہ کر لے تو وہ سیاہی دھل جاتی ہے۔ بندہ توبہ کرتا ہے۔ رجوع الی اللہ کرتا ہے۔ آئندہ اس برائی سے رک جاتا ہے۔ تو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی توبہ نہیں کرتا اور مزید گناہ کرتا ہے تو پھر سیاہی کا ایک اور نقطہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کریم اس کی سزا یہ دیتے ہیں کہ دلوں پر مہر کر دیتے ہیں۔ پھر توبہ کی توفیق ختم ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں منافقانہ روش اور اس کا انجام بتایا جا رہا ہے کہ منافقوں کی روش یہ ہے کہ وہ دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، دین کا تمسخر اُڑاتے ہیں، احکامِ

الٰہی کی اپنی دانست میں تذلیل کرتے ہیں اور سنتِ رسول ﷺ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے گمراہی میں ڈال دیا ہے اور جنہیں اللہ کریم ان کے جرائم کی سزا میں ہدایت کے راستے سے محروم کر دیتا ہے۔ ان کے لئے واپسی کا پھر کوئی راستہ نہیں بچتا یہ لوگ اپنے فیصلے سے اسی راستے کا انتخاب کرتے ہیں اور جہنم رسید ہو جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اے ایمان والو! مومنین کی دوستی چھوڑ کر کافروں کی دوستی اختیار نہ کرو۔

''کافروں کو دوست نہ بناؤ'' سے کیا مراد ہے؟

کافر کے ساتھ دلی دوستی اور قلبی تعلق حرام ہے۔ یعنی ایسا تعلق جو احکام شریعت پر اثر انداز ہو۔ اگر کافر سے ایسا تعلق رکھا گیا کہ اس کی دوستی کے باعث دینی احکام پر عمل چھوڑ نا منظور کر لیا تو ایسی دوستی کی سخت ممانعت ہے۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ جہاں کہیں وہ تعلق احکامِ شریعت پر اثر انداز ہونے لگے وہاں وہ تعلق چھوڑا جائے گا۔ احکامِ شریعت نہیں۔ لہٰذا کافر کیساتھ دلی دوستی جائز نہیں۔ البتہ دنیاوی معاملات میں حلال اور جائز امور میں ان سے لین دین، کاروبار، ملازمت وغیرہ کی جاسکتی ہے اور انہیں ان کے انسانی حقوق پہنچانا لازم ہے کہ اللہ نے ہر کافر کو بھی زندہ رہنے کا حق دیا ہے۔ زندہ رہنے کا حق بہت سے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ یعنی اس کا روزگار ہو، اس کی اولاد کی تعلیم کا اہتمام ہو۔ اس کی عزت و جان کی حفاظت ہو۔ اسے عقیدہ رکھنے کا حق ہو۔ اور تمام ضروریات زندگی اس کی رسائی میں ہوں۔ یہ حقوق دینا تو ضروری ہے، لیکن کافر سے قلبی تعلق اور دلی دوستی نہیں کی جاسکتی اور اگر ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا اَ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾ کہ تم پر واضح حجت قائم ہو جائے گی۔ اگر ایسی دلی دوستی ہوئی تو تم اللہ کی گرفت میں آجاؤ گے۔ تم پر واضح دلیل قائم ہو جائے گی کہ تم اللہ کے بندے نہیں ہو۔ تم نے اللہ پر اعتماد کرنے کے بجائے کفار پر اعتماد کیا۔

اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں وطنِ عزیز کے حالات کا جائزہ:

وطنِ عزیز کا یہ خطہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور اللہ نے عطا کیا۔ یہ دنیا کا ایسا بہترین خطہ ہے کہ روئے زمین پر اس جیسا کوئی خطہ نہیں۔ یہاں ریگستانوں سے لے کر بلند ترین چوٹیاں تک موجود ہیں۔ اور سارے موسم سارا سال رہتے ہیں۔ بہترین فصلیں اور پھل کے باغات ہیں متعدد اقسام کے جانور اور پرندے یہاں پائے جاتے ہیں۔ ہر قسم کی معدنیات کے زیرِ زمین ذخائر یہاں ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ دنیا

بھر کے وسائل زندگی کا سب سے زیادہ حصہ اسی وطن عزیز میں ہے۔ لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم بھوک، افلاس اور افراتفری کا شکار ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے کافروں پر اعتماد کیا ہے۔ ان سے خیرات لیتے ہیں۔ سود لیتے ہیں اور سود پر جی رہے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اربابِ اقتدار نے ان قومی وسائل میں لوٹ مار مچا دی ہے۔ ان نعمتوں کی صحیح تقسیم نہیں ہوتی۔ تقسیمِ ملک سے آج تک دو فیصد سے بھی کم یہ حکمران طبقہ ہے جو گزشتہ ساٹھ سالوں سے ملک پر مسلط ہے اور نسل در نسل حکمرانی انہی کے خاندانوں میں رہتی رہی ہے۔ وہ ملکی وسائل پر قابض ہیں اور غیر مسلموں کے غلام ہو کر اسی لوٹ مار میں شریک ہیں۔

اس صورتِ حال کی اصلاح کا قرآنی طریقہ کار:

آج بھی اگر کوئی دیانت داری سے ملکی وسائل کو سنبھالے۔ وسائل زندگی کی درست تقسیم کا اہتمام کرے تو یہ وہ ملک ہے جو دنیا کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے مانگنے کی ضرورت نہیں پیش آسکتی۔ لیکن یہ اہتمام تب ہوتا ہے جب ایمان درست ہو۔ اللہ پر یقین ہو۔ آخرت کی جوابدہی پر یقین ہو اور معاملات کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے رستے پر پوری دیانتداری سے انجام دیا جائے۔ اور اگر مسلمان بھی منافقت کر کے دکھاوے کو اسلام اسلام کرتے رہے اور عملاً لوٹ مار مچاتے رہے تو پھر سب نعمتیں ہونے کے باوجود یہی نتائج نکلیں گے۔ بڑی عجیب بات ہے جس ملک میں غلہ اُگتا ہو وہاں لوگ آٹے کے حصول کے لئے پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں۔ جیب میں پیسے ہوں لیکن ضروریات زندگی میسر نہ ہوں۔ نہ پانی ملے، نہ بجلی یہ اس وجہ سے کہ جب اللہ کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کر لی۔ اللہ کی یاد سے منہ موڑ لیا تو اللہ نے ایسے لوگوں پر زندگی تنگ کر دی۔ یہ اللہ کی طرف سے بطور سزا ہوتا ہے کہ وسائل ہوں لیکن لوگوں کی پہنچ سے باہر ہوں۔ اس بدامنی، افراتفری، وسائل کی تنگی کے بے شمار علاج ہمارے دانشور روزانہ تجویز کرتے ہیں لیکن میں قرآنِ کریم سے یہی سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلا اور سب سے بڑا علاج یہ ہے کہ ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں نئے سرے سے عہدِ وفا استوار کریں۔ اس کے لئے گزشتہ اعمال سے توبہ کریں۔ رجوع الی اللہ کریں تو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اور ہم وہ خوش نصیب ہیں جن پر نبوتِ رسول اللہ ﷺ سایہ فگن ہے۔ ابھی موقع ہے توبہ کا در بند نہیں ہوا۔ اللہ ہمیں توبہ کی توفیق دے۔ ہر ہر فرد کو توبہ کی توفیق دے اور حکمرانوں کو ہدایت دے من حیث القوم ہماری توبہ قبول فرمائے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ

وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

منافقت اور اس کا انجام:

گزشتہ آیات میں بڑی وضاحت سے یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مومن، مومن ہے اور کافر، کافر۔ انسانی حقوق اللہ نے تمام انسانوں کو یکساں دیئے ہیں۔ انسانی حقوق کے ضمن میں دو چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ ایک زندہ رہنے کا حق اور دوسرا عقیدہ رکھنے کا حق۔ باقی تمام انسانی حقوق ان دونوں کے تحت شمار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایمان نہیں لانا چاہتا تو نہ لائے۔ اس کے انسانی حقوق مجروح نہیں ہوں گے۔ اگر وہ اسلامی ریاست میں ہے اور خود کافر ہے تو اس کی زندگی کا تحفظ، اس کے وسائل زندگی، بچوں کی تعلیم کے مواقع، اس کی آبرو کی حفاظت کرنا یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اسے کوئی ایسی ملازمت نہیں دی جائے گی جو اسلامی ریاست کے شرعی فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہو۔ جیسے ہمارے ہاں کافروں کو بھی چیف جسٹس آف پاکستان بنا دیا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوگا۔ نہ تو انہیں عقیدہ بدلنے پر مجبور کیا جائے گا، نہ ہی انہیں یہ حق ہوگا کہ وہ ایسی جگہ پر ملازمت حاصل کر سکیں جہاں مسلمانوں کے معاملات متاثر ہوں۔ مسلمان ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں سے تعلق صرف اسی حد تک رکھا جا سکتا ہے جہاں وہ مسلمانوں کے عقیدے کو متاثر نہ کر سکیں۔ مثلاً ایک مومن عورت کا کافر سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ نہ کافر عورت مومن مرد کے لئے حلال ہے۔ اس لیے کہ یہ اتنی قربت ہے کہ عقیدے کو متاثر کرتی ہے۔ لہٰذا جہاں حلال و حرام کے احکام متاثر ہوں وہاں کافر سے تعلق نہیں ہوگا۔ اسی لئے فرمایا **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ** کہ وہ قلبی تعلق جسے دلی دوستی یا محبت کہتے ہیں وہ مومن کی مومن سے ہوتی ہے۔ زندگی کے امور میں مومن کا مومن پر اعتماد ہوتا ہے۔ لین دین کا اعتماد بھی مومن کا مومن پر ہوگا۔ مومن اگر کافر سے دلی دوستی رکھے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس کے ایمان کو متاثر کرے گا۔ اگر ایمان متاثر ہوگا تو آدمی ایک تیسری سمت چلا جائے گا۔ اس تیسری قسم کو منافقت کہتے ہیں۔ دنیا میں تین قسم کے ہی لوگ ہیں ایک وہ جن کا عقیدہ درست ہے۔ درست عقیدہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا۔ جس پر حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہؓ نے عمل کیا۔ اور حضور ﷺ نے اس کی تصدیق فرما دی۔ یہ اسلام ہے جو ہمیشہ سے ہے اور تا قیامت رہے گا۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ دوسری قسم کے لوگ اللہ کو نہ ماننے والے ہیں۔ وہ کافر ہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو نام کے مسلمان ہیں۔ لیکن نیکی، بدی، حلال،

حرام تمام معاملات کا انحصار کفار پر رکھتے ہیں۔ جنہیں منافق کہتے ہیں۔ قرآنِ حکیم اس صورت حال سے بچنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم کافر پر بھروسہ کرو گے، اپنے مالی معاملات میں اس پر بھروسہ کرو گے، اپنی ملکی وریاستی امور پر، دفاعی امور میں کافر طاقتوں پر انحصار رکھو گے اور ان پر اعتماد کر کے اپنے معاملات درست کرنا چاہو گے تو ان کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ ایمان کے بعد وہ تمہیں کفر میں لے جائیں۔ اس لئے فرمایا کافر سے دوستی مت رکھو۔ دنیاوی معاملات اس حد تک کرو جس حد تک اسلام اجازت دے۔ تجارت کرو، لین دین کے معاملات کرو لیکن اس شرط پر کہ خرید و فروخت کے طریقے شرعاً جائز ہوں۔ حلال اشیاء ہی خریدی اور بیچی جائیں حرام اشیاء کی تجارت کی اجازت نہیں۔ اسی طرح دفاعی امور میں، ملکی سلامتی کے امور میں کفار پر بھروسہ نہ کیا جائے اور کفار سے ایسے معائدے نہ کئے جائیں کہ ملکی سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔

ہمارے حکمران اپنے غلط فیصلوں کو درست ثابت کرنے کے لئے میثاقِ مدینہ کے حوالے دیتے نہیں تھکتے اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ میثاق مدینہ کیا معائدہ تھا؟

میثاقِ مدینہ:

حضور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل یہود وہاں آباد تھے۔ مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد جہاں وہاں کے غیر مسلم لوگوں کو ریاست کی حفاظت نصیب ہوئی، وہاں ان سے یہ معائدہ بھی ہوا کہ چونکہ وہ بھی اس علاقے کے رہائشی ہیں اور مسلمان اس ریاست کے سربراہ ہیں۔ لہٰذا اس نوزائیدہ مملکت پر حملہ آور ہونے والوں کے مقابلے اور ریاست مدینہ کے دفاع کے لئے یہود کو بھی مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف تعاون کرنا ہوگا بلکہ اس شہر کے شہری ہونے کی حیثیت سے شہر کا دفاع بھی ان کی اتنی ہی ذمہ داری ہوگی جتنی مسلمانوں کی۔ لیکن اس معائدے کا کیا ہوا؟ غزوۂ خندق میں مشرکین عرب نے مدینہ منورہ کو گھیر لیا اور بے شمار لشکر لے کر چڑھ دوڑے تو معائدہ ہونے کے باوجود یہودیوں نے مشرکین سے ساز باز کی اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنا چاہا۔ اللہ کریم کی مدد مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ حضور ﷺ بنفس نفیس جلوہ افروز تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مشرکین کے لشکر نامراد لوٹے۔ اس طویل جہاد کے بعد حضور ﷺ واپس درِ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ خانہ اقدس پہنچ کر سر مبارک سے خود اُتارا اور پانی کا چلو سر اقدس پر ڈالا ہی تھا کہ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اللہ کریم کا حکم ہے کہ آپ ﷺ زرہ نہ اتاریں نہ ہی اہلِ لشکر کو اتارنے دیں اور اسی لشکر کو لے کر بنو قریظہ کے یہود کی خبر لیجئے۔ غزوۂ خندق تیس یا بتیس دن

جاری رہا۔ کفار خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مسلمان دفاع کرتے رہے۔ رات دن کا کوئی گھنٹہ فرصت کا نہیں تھا۔ غزوہ کے اختتام پر کچھ زخمی تھے، باقی سب تھکاوٹ سے چور تھے۔ لیکن جب اللہ کا حکم ہوا تو اسی لمحے حضور اکرم ﷺ خود بھی روانہ ہوئے اور لشکر کو بھی فوری روانگی کا حکم دیا۔ بنو قریظہ پہنچ کر یہود کو ان کی بدعہدی کی سزا دی اور یہود کا قلع قمع کیا۔

ہمارے حکمران کس طرح میثاقِ مدینہ سے اپنا جوڑ بناتے ہیں؟ کیسے اپنے کرتوتوں کو میثاقِ مدینہ کا حوالہ دے کر درست ثابت کرتے ہیں؟ کافروں کی فرمائش پر کافروں سے سود قرضہ لیتے ہیں۔ کفار کے کہنے پر اپنے مجاہدان کے حوالے کرتے ہیں۔ اپنے عوام کو ان سے قتل کرواتے ہیں اور کفار سے یہ معائدے کرتے ہیں کہ تم ہمارے لوگوں کو مارتے رہو ہم اس پر احتجاج کرتے رہیں گے تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ یہ کیسا کردار ہے اور حوالے کہاں کے دیئے جارہے ہیں۔ میثاقِ مدینہ میں کیا خلافِ شریعت بات پر معائدہ ہوا تھا؟ وہاں تو یہودیوں نے مشرکین عرب کیساتھ مل کر ساز باز کی تھی۔ مشرکین کی مدد کرنا چاہی تھی۔ تو اللہ نے اس بد عہدی پر ان کا قلع قمع کرادیا۔

فرمایا جارہا ہے کہ خود کو مسلمان کہلواتے ہو تو کافروں کے ساتھ دوستی نہ کرو۔ ان سے دوستی کرو گے تو تم پر اللہ کی طرف سے حجت قائم ہوجائے گی۔ کہ تم اللہ کے ماننے والے نہیں ہو۔ تم نے اللہ پر اعتماد نہیں کیا۔ نہ اللہ کے ماننے والوں پر اعتماد کیا۔ بلکہ تم نے سمجھا کہ تمہاری مشکلات کا حل ان کے پاس ہے جو اللہ کی الوہیت ہی کے قائل نہیں۔ ہمارے آج کے حکمران تو ان سے معائدے کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ بندروں کی اولاد ہیں۔ اُس زمانے کے کفار خود کو بندروں کی اولاد نہیں کہتے تھے۔ وہ اللہ کی عظمت کے بھی قائل تھے۔ ان کا شرک یہ تھا کہ انہوں نے صفات میں بہت سے شریک بنارکھے تھے۔ کوئی بارش برسانے والا بت تھا، کوئی اولاد دینے والا، کوئی جنگ کا تھا اور کوئی فتح کا، کوئی رزق دینے والا تھا، اور پھر ان سب سے اوپر ایک ہستی کو اللہ مانتے تھے۔ اللہ نے فرمایا اللہ اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی یکتا ہے۔ جب تک ایسا نہ مانا جائے تب تک ماننا قبول ہی نہیں۔

آج کے نام کے مسلمان حکمران تو ان کفار سے مرعوب ہیں جو خود کو بندروں کی اولاد کہتے ہیں۔ مغربی حکمرانوں کا طرزِ عمل تو یہ ہے کہ جو نشہ آور اشیاء مشرق سے مغرب کو جائیں وہ تو منشیات کے زمرے میں آتی ہیں اور جتنی چاہے شراب مغرب سے مشرق کو آئے وہ منشیات میں شامل نہیں۔ برطانیہ عرصہ پہلے چین میں افیون کی فروخت کرتا تھا۔ چینی حکمرانوں نے اسے روکا تو اس پر برطانوی فوجوں نے چین پر حملہ کردیا

باقاعدہ جنگ ہوئی اور اس جنگ کا نام ہی opium war یعنی افیون کی جنگ مشہور ہے۔ یہ معیار ہے اہلِ مغرب کا جن سے ہم اپنی بقاء کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ جن کے بھروسے ہم سود پر قرض لیتے ہیں اور اپنے مسائل حل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

قرآنِ حکیم زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی دیتا ہے:

میرا مقصد تو قرآن کی تفسیر بیان کرنا ہے سیاسی گفتگو کرنا نہیں۔ لیکن قرآنِ حکیم زندگی کے کسی پہلو کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ معیشت ہو یا معاشرت سیاست ہو حکومت ہو یا عدل و انصاف ہر ہر پہلو پر بات کرتا ہے۔ اور ہر موضوع پر رہنمائی کرتا ہے۔ اگر تم مسلمان ہو کر کافروں سے دوستی کرو گے تو وہ تمہیں حرام کھانے پر مجبور کریں گے۔ جب تمہاری معیشت سودی ہوگی تم سود پر قرضے لے کر حرام کھاؤ گے تو پھر کیا تمہارا ایمان سلامت رہے گا؟ پھر دعویٰ اسلام کا کرتے رہے اور عملاً کفریہ کام کرتے رہے تو اسے کیا کہیں گے؟ اسے کہتے ہیں نفاق۔ کفر کی الگ الگ قسمیں ہیں۔ کوئی بڑا کافر ہے کوئی چھوٹا کافر۔ لیکن کافر ہیں سارے ہی کافر۔ الکفر ملۃ واحدہ کُتّے اپنی جنس میں کُتّے ہی ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کچھ شکاری ہوتے ہیں، کچھ پہرہ داری کرتے ہیں۔ اسی طرح کافر بھی سارے کافر ہی ہوتے ہیں۔ اور منافق بھی سارے منافق ہی ہوتے ہیں۔ دنیا میں انسانوں کے تین ہی گروہ ہیں مومن، کافر اور منافق۔ ان آیات میں منافقین کا کردار اور ان کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ جس کا دعویٰ اسلام کا رہا اور کردار کافروں کا ہو گیا تو وہ منافق ہے۔ اور منافق کا انجام کافر سے بدتر بلکہ بدترین ہے۔ جائیں گے تو کافر بھی جہنم میں ہی، لیکن منافق جہنم میں بھی کافروں سے نچلے درجے میں ہوگا۔ اللہ پناہ دے جہنم بہت بُری جگہ ہے۔ دنیا میں جہنم کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ نہ جنت کی راحتیں دنیا میں تصور کی جاسکتی ہیں نہ جہنم کے عذابوں کے بارے میں دنیا میں کوئی تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن منافق کے بارے میں قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ملتا ہے کافروں کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہے گا وہ منافقین کی غذا ہوگا۔ اور پھر تاکید اِنَّ کا لفظ استعمال فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ کہ یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے خانے میں ہوں گے۔ اور اے مخاطب وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ پھر انکی مدد کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ نہ کوئی مددگار نہ کوئی شفیع نہ کوئی دعا کرنے والا۔ یعنی اللہ اپنے نبی کریم ﷺ کو ان کی شفاعت کرنے سے روک دے گا۔ کوئی شہید، صدیق و ولی ان کی مدد نہ کرسکے گا۔

توبہ کیا ہے؟

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا اللہ کی رحمت بندے کی سوچ سے باہر ہے۔ کوئی فرد اللہ کے کرم کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ کرلینے کے بعد بھی اگر لوگ اس مکلف زندگی میں توبہ کرلیں تو دارِ دنیا میں توبہ کا دروازہ کھلا پائیں گے۔ رحمتِ الٰہی کا دروازہ کھلا ہے رحمۃ العالمین ﷺ کی نبوت قائم ہے اور بابِ رحمت وا ہے۔ بندہ کتنے ہی گناہ کر چکا ہو، منافق ہوگیا ہو، حرام کھا چکا ہو، کسی لمحے توبہ کرلے، اپنی اصلاح کرلے، اللہ اسے مغفرت عطا کردے گا۔ اور اسے ایمان داروں کی صف میں کھڑا کرے گا۔ لیکن جاننا چاہئے کہ توبہ کیا ہے؟ توبہ کوئی لفظ نہیں بلکہ ایک عمل ہے۔ توبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔ وہ اللہ سے اس قصور کی معافی مانگ لے۔ اس عمل سے رک جائے۔ آئندہ کے لئے اس عمل سے باز رہنے کا عہد کرلے۔ یعنی عقیدہ بھی درست کرلے اور اپنا کردار بھی درست کرلے اور پھر دامانِ رحمت سے وابستہ ہوجائے۔ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ اللہ کے دین سے پھر چمٹ جائے۔ جس طرح جان بچانے کے لئے کسی رسّے سے مضبوطی سے لپٹ جایا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے دین کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ جائے۔ اللہ کے ساتھ اپنے عقیدے کو کھرا کرلے۔ اس میں کوئی آمیزش نہ رہے۔ تو فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اللہ کریم اسے ایمان والے لوگوں کی قطار میں کھڑا کرلے گا۔ اور ایمان والوں کی صف میں کھڑا ہوجانا معمولی بات نہیں۔ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ اور تم خود دیکھ لوگے کہ مومنین کو کیا کیا نعمتیں عطا ہوں گی۔ جن کے ملنے میں زیادہ دیر نہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اللہ کریم کو ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ بندوں کو عذاب دے۔ اللہ کے سامنے بندے کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اللہ کو تو ضرورت نہیں کہ بندوں کو ہلاک کرتا پھرے۔ یہ تو بندے خود غلط فیصلے کرتے ہیں۔ خود پر عذاب لاتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص جان بوجھ کر زہر کھالے اور پھر اللہ سے گلہ کرے کہ اس نے مجھے مار دیا۔ حالانکہ اللہ نے تو اسے زندگی دی، زہر کھانے سے منع کیا لیکن اس نے زہر کھا کر خود کو مار ڈالا۔ خلافِ شریعت عمل کرنا زہر کھانے کے برابر ہے۔ اس لئے فرمایا اللہ کو ضرورت نہیں کہ تمہیں عذاب دے۔ تم تو خود اپنے لئے عذاب اکٹھا کرتے ہو۔

اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ اگر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنا ایمان صحیح کرلو تو تم دیکھو گے کہ تمہارے پاس اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں جنہیں تم چاہو بھی تو گن نہ سکو گے۔ تو کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ اللہ کی عطا کردہ

اتنی نعمتیں حاصل کر کے اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

شکر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ وَاٰمَنْتُمْ ؕ اللہ کا کہا مان لو، اس کی اطاعت کرلو، پھر دیکھو کہ اللہ شکر کرنے والوں کیساتھ ہے اور اللہ شکر کرنے والوں کی کتنی قدر کرتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ اور شکر کرنے والوں کو مزید کتنے انعامات سے نوازتا ہے۔

یہ یقین رکھ لو کہ وہ علیم ہے، وہ جاننے والا ہے، کھلے اور چھپے ہر حال سے واقف ہے۔ یہ فکر نہ کرو کہ جو نیکیاں تم چھپا کر کرتے ہو، اکیلے میں کرتے ہو، اللہ کو ان کے بارے میں کون بتائے گا۔ وہ دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ ہر نیک عمل کو بھی جانتا ہے اور بناوٹی اور حقیقی توبہ کے فرق کو بھی جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ کون خلوص دل سے کر رہا ہے اور کون ایسا بد نصیب ہے جو اس کے ساتھ مکر کرتا ہے۔

لوگو! اللہ کا درِ رحمت وا ہے۔ برکاتِ رسالت برس رہی ہیں۔ ہر دور اور ہر زمانے پر برستی رہی ہیں اور قیامت تک برستی رہیں گی۔ یہ اپنے اپنے دامن کی بات ہے کہ کسی نے دامن ہی چاک کر دیا اور کسی نے غیر اللہ کے سامنے، کافر طاقتوں کے سامنے پھیلا دیا۔

وہاں اپنا دامن پھیلاؤ جہاں پھیلانا چاہیے۔ اللہ کی بارگاہ میں پھیلاؤ وہ تمہارے مانگنے سے زیادہ دینے پر قادر ہے۔

وَآخرُ دعوانا ان الحمدللهِ رَبّ العٰلمین

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ، روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔